خطبات

جمعیت اہل حدیث سندھ کی مرکزی سالانہ کانفرنس سیرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)
نیو سعید آباد کے موقعہ پر فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی (حفظہ اللہ) کے

اصلاحی و منہجی صدارتی خطبات کا مجموعہ

ناشر: جمعیت اہل حدیث سندھ

سلسلہ اِحیاءِ منہج السلف (۱٦)

الطبعة : اوّل

انتاج : مکتبہ عبداللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام، فرع (۱)

رئیس المکتبة : فضیلۃ الشیخ/ علی بن عبداللہ النمی حفظہ اللہ تعالیٰ

مدیر المکتبة : فضیلۃ الشیخ/ عبداللہ ناصر الرحمانی حفظہ اللہ تعالیٰ

مکتبہ عبداللہ بن سلام لترجمۃ کتب الاسلام

ہیڈ آفس 103۔ ڈی۔ او۔ ایچ۔ ایس فیز II ملیر کینٹ کراچی۔

ملنے کا پتہ جامع مسجد الراشدی موسیٰ لین لیاری کراچی۔ فون: 0300-3996630 0331

سعد بن عبدالعزیز موبائل: 0300-2310189

فہرست مضامین

تقدیم

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، امابعد

''صدارتی خطبات'' فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ امیر جمعیت اہل حدیث سندھ، کے انتہائی علمی، منہجی، تربوی اور دعوتی خطبات کا مجموعہ ہے۔

فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، شیخ الحدیث، استاذ الاساتذہ، استاذِ حدیث، حافظِ حدیث، علامہ، داعی کبیر، خطیبِ ملت، مؤلف، محقق، امیر جماعت، معلم ومربی، قاطعِ شرک وبدعت وغیرہ کونسا ایسا دینی وعلمی لقب اور اعزاز ہے جو شیخ مکرم کے نام کے ساتھ لاحق ومنسلک نہیں ہے۔

''صدارتی خطبات'' کا یہی تعارف ہی کافی ہے کہ یہ اسی نابغہ روزگار شخصیت کے خطبات ہیں۔

ان خطبات کی مزید خصوصیت یہ ہے کہ یہ جمعیت اہل حدیث سندھ کی مرکزی سالانہ کانفرنس (بمقام نیو سعید آباد سندھ) کے خطباتِ صدارت ہیں، اور کسی مرکزی کانفرنس کا خطبۂ صدارت گویا پوری کانفرنس کا بنیادی پیغام ہوتا ہے، بلکہ کانفرنس کے مقررین کیلئے ایک راہنما خطاب ہوتا ہے۔

ان خطبات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ خطبات درحقیقت، شیخ مکرم کی تحریرات ہیں، جنہیں شیخ محترم نے حسبِ روایت، کانفرنس کے موقعہ پر تحریر فرمایا اور جسے مطبوعہ

صورت میں شرکاء میں تقسیم کیا جاتا رہا ہے یوں یہ خطبات بھی ہیں اور تحریرات بھی۔

شیخ مکرم کے ان خطبات کا بنیادی موضوع ہے مسلک اہل حدیث کی حقانیت، تعارف اور دعوت بالخصوص توحید وسنت کا اثبات، شرک وبدعت کا رد اور دعوت وجہاد میں نبوی وسلفی منہج کا بیان۔

گذشتہ 14 سالوں میں کس قدر انقلابات آئے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور مذہبی حالات ملکی وعالمی سطح پر کس قدر متغیر ومتبدل رہے، مگر شیخ مکرم پوری استقامت اور جوانمردی کے ساتھ دعوت توحید وسنت، اور اس میدان میں منہج مستقیم پر ڈٹے رہے، اس بات کا اندازہ قارئین کو ان خطبات کے مطالعہ سے ہوجائے گا۔

اس پہلو سے خطباء اور قائدین کیلئے صدارتی خطبات کا مطالعہ انتہائی مفید ثابت ہوگا۔

سندھ میں موجود جہالتوں اور ضلالتوں کی کثرت کے باوجود اہل حدیث افراد اور ان کی مساجد ومدارس کی روز بروز بڑھتی ہوئی تعداد، اہل حدیث عوام میں منہج کی فہم اور اس پر استقامت کا ایک سبب جمعیت اہل حدیث سندھ کی مرکزی سالانہ سیرۃ النبی ﷺ کانفرنس "(نیوسعید آباد سندھ) اور اس میں کی جانے والی علمی، تربوی اور منہجی تقاریر ہیں، بالخصوص کانفرنس کا خطبۂ جمعہ اور خطبۂ صدارت۔

کانفرنس کے ابتدائی 13 سالوں میں خطبہ جمعہ اور خطبہ صدارت، بانیٔ کانفرنس شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے رہے (یاد رہے شاہ صاحب رحمہ اللہ کے خطبات، ''خطباتِ راشدیہ'' کے نام سے مطبوع ہوچکے ہیں۔) اور شاہ صاحب کی وفات (۸ جنوری ۱۹۹۶ء) کے بعد سے اب تک کانفرنس کا خطبہ جمعہ اور خطبہ صدارت شیخ مکرم صاحب ارشاد فرما رہے ہیں۔

آج لوگ اہل حدیث کے متعلق طرح طرح کے الزامات واتہامات لگاتے ہیں اور ان کے متعلق بدگمانیاں پیدا کرتے ہیں: مثلاً انگریز کی پیداوار، اماموں کے منکر، گستاخ رسول، گستاخ اولیاء، لامذہب وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں ان کے مولویوں نے اپنی عوام کو اہل حدیث سے متنفر اور بدگمان کرنے کیلئے پھیلا رکھی ہیں، انہیں معلوم ہے کہ اگر لوگوں نے اہل حدیث کی دعوت سن لی تو پھر وہ ہمارے نہیں رہیں گے۔

''صدارتی خطبات'' ان تمام اتہامات اور الزامات اور مکروہ پروپیگنڈے کا مدلل اور مسکت جواب ہے، کیونکہ یہ اہل حدیث کے ایک ترجمان اور سر برآوردہ علمی شخصیت کے خطبات ہیں، جن میں اسلام کی حقانیت، اسلام میں قرآن وحدیث کی اساسیت، توحید وسنت کی اہمیت وضرورت، اتباع رسول کے مقام ومرتبہ کا قرآن وحدیث کے دلائل سے انتہائی ٹھوس اور دوٹوک بیان ہے۔

''صدارتی خطبات'' کیا ہے؟ علم نافع کا ایک عظیم مرقع ہے۔ مسلک اہل حدیث کا ایک مکمل تعارف ہے۔ آج دعوت وجہاد کے میدان میں افراط وتفریط، جذباتیت اور جہالت کے دور میں منہجِ مستقیم کا بیان ہے۔ توحید وسنت کی صحیح تفہیم اور اس کی دعوت، شرک وبدعت کی توضیح اور اس کی مذمت اور اس سے اجتناب کی دردمندانہ تلقین ہے۔ صراط مستقیم کی مکمل پہچان ہے۔ بلکہ دین اسلام کا مختصر اور جامع تعارف ہے۔ نیز جماعت اہل حدیث میں موجود بعض عملی ومنہجی لغزشوں کی نشاندہی اور ان کی اصلاح کی دعوت ہے۔

احباب جماعت کا ایک عرصہ سے اصرار تھا کہ ان علمی، تربوی ومنہجی خطبات کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا جائے، ان احباب کے مسلسل اصرار اور پھر ان

مضامین کی افادیت اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے شیخ مکرم کی اجازت سے انہیں یکجا کر کے کتابی صورت میں طبع کیا جارہا ہے۔

ان خطبات کی طباعت مسلک اہل حدیث کو سمجھنے اور بالخصوص دعوت و جہاد کے میدان میں نبوی وسلفی منہج کو سمجھنے میں انتہائی ممدومعاون ثابت ہوگی، اس لئے میں ان خطبات کی طباعت کو جمعیت اہل حدیث سندھ کا ایک عظیم کارنامہ تصور کرتا ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ یہ خطبات بہت سوں کی ہدایت واصلاح کا باعث ہوں گے۔

نیز ان خطبات کی طباعت یقیناً شیخ محترم کیلئے صدقہ جاریہ اور اضافہ حسنات کا باعث ہوگی۔ان شاءاللہ۔وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وأهل طاعته أجمعين.

کتبہ/محمد داؤد شاکر

نائب مدیر ومدیر التعلیم: المعهد السلفی للتعلیم والتربیة کراچی

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين ولا عدوان إلا على الظالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه وأهل طاعته ومن اقتفى باثره وسن بسنته وسار على نهجه الى يوم الدين، امابعد:

برادران اسلام! یہ جمعیت اھل حدیث سندھ کی چودھویں سالانہ کانفرنس ہے اس سے قبل جمعیت کے زیر اہتمام تیرہ کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں۔

اگر مجھ سے سوال کیا جائے کہ آج سے شروع ہونے والی اس کانفرنس اور گذشتہ تمام کانفرنسوں میں کوئی فرق محسوس ہوتا ہے؟

میرا جواب یہ ہے کہ کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا وہی اسٹیج ہے علماء کرام کی قطاریں ہیں سامعین کا جم غفیر ہے۔

لیکن ایک فرق ایسا ہے جو نوک قلم پر آتا ہے تو قلم کپکپا جاتی ہے جس کے اظہار پر زبان لڑکھڑا جاتی ہے کہ آج اس اسٹیج پر ہمارے مربی اور ہم سب کے روحانی باپ شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ موجود نہیں ہیں شاہ صاحب ہمیں چھوڑ گئے اور اتنی رونق کے باوجود ہم اپنے آپ کو یتیم اور تنہا محسوس کر رہے ہیں۔

زبان پر بے ساختہ یہ شعر آرہا ہے:

اذا زرت ارضا بعد طول اغتيابها
فقدت صديقا و البلاد كما هيا

(یعنی: کچھ عرصے بعد جب دوست کے وطن آیا تو سب کچھ جوں کا توں ملا صرف دوست ہی نہیں ملا)

لمحہ لمحہ ان کی یاد آتی ہے قدم قدم پر ان کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

شاہ صاحب (رحمہ اللہ) کی وفات ایک عظیم سانحہ

شاہ صاحب کی وفات سے جو جماعتی خلاء قائم ہوا ہے شاید اسے پر ہونے میں صدیوں کا عرصہ درکار ہو لیکن ہم اللہ تعالی سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کی اس جماعت اس کنبے اور کھلے ہوئے چمن کی حفاظت فرمائے ہمیں شاہ صاحب کے مشن پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور جن خطوط پر شاہ صاحب رحمہ اللہ تاحیات چلتے رہے ہیں ہم بھی انہی خطوط کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔ (اللهم آمين)

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وفات سے قبل ہم ان کے برادر بزرگ ہماری جماعت کے سرپرست اور عظیم الشان عالم باعمل علامہ پیر محب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ کی وفات کی صدمے سے دو چار ہو چکے ہیں۔ یہ بھی ایک ایسا زخم ہے جو مندمل ہونے کو نہیں آتا ان کے سایہ عاطفت میں بڑا اطمینان محسوس ہوتا تھا اور محض ان کی زیارت سے ایمان تازہ ہو جاتا تھا۔

پھر محدث پنجاب مولانا سلطان محمود صاحب آف جلالپور پیر والا رحمہ اللہ کی وفات بھی ایک بہت بڑا سانحہ ہے عالم اسلام ایک عظیم استاذ اور مشفق عالم دین اور باعمل بزرگ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گیا۔

برادران اسلام! جب مجھے جماعتی بزرگوں کے اس فیصلے سے آگاہ کیا گیا کہ کانفرنس کا خطبہ صدارت مجھے لکھنا ہے تو یوں محسوس ہوا جیسے مجھے ایک پہاڑ کو اس کی جگہ سے منتقل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

اس تحریر کی ایک وجہ تو یہی کہ شاہ صاحب کی مفارقت کا احساس مزید بڑھ گیا کیونکہ

خطبہ صدارت لکھنا انہی کا منصب اور ان ہی کے شایان شان تھا دوسری وجہ یہ تھی کہ مجھ جیسا ناکارہ انسان بھلا اس منصب کے اہل ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں!! واین الثری من الثریا؟

اس منصب کی تفویض پر میں ان بزرگوں کا شکریہ ادا نہیں کروں گا البتہ یہ شکوہ کروں گا کہ ایک نا اہل اور مجسمہ تقصیر وخطا انسان کو ایک ایسے مقام پر بٹھادیا گیا ہے جس کا وہ قطعا مستحق نہیں۔

امارت کا بارگراں

یہی بات میں نے مجلس شوریٰ کے اس اجلاس میں عرض کی تھی جس میں جمعیت اہلحدیث سندھ کی امارت کا بارگراں میرے سپرد کیا گیا تھا کہ بندہ میں اس منصب کو اٹھانے کی کوئی سکت اور اہلیت نہیں ہے میں نے کہا تھا کہ یہ درست ہے کہ شاہ صاحب کا خلاء کوئی پر نہیں کرسکتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ مجھ سے بہتر بہت سے بزرگ موجود ہیں جو علم، عمل، تقویٰ اور بصیرت کے زیور سے آراستہ ہیں اور جماعت کی بہتر راہ نمائی کرسکتے ہیں لیکن میرے نہ چاہتے ہوئے بھی اس امانت کا بوجھ میرے ناتواں کاندھوں پر ڈال دیا گیا۔ اب جبکہ یہ فیصلہ ہو ہی چکا تو میرے بھائیو! اور بزرگو! یہ بات بخوبی سن لیجئے کہ میں قدم قدم پر آپ کے تعاون کا محتاج ہوں آپ کی رفاقت ہی میرے اس سفر کو آسان بناسکتی ہے آیئے دعا بھی کریں اور عزم بھی کریں کہ ہم باہم مل جل کر شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مشن کو آگے بڑھائیں گے اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

پے در پے صدمات

برادران اسلام! دم تحریر میں ذاتی طور پر بہت زیادہ ٹوٹ پھوٹ اور شکست وریخت کا

شکار ہو چکا ہوں۔ کچھ عرصہ پیشتر لاہور میں میرے بڑے بھائی کا اچانک انتقال ہوا اس وقت میں شارجہ میں تھا اور اپنے بھائی کے جنازے کو کاندھا بھی نہ دے سکا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ابھی عید الفطر کے فوراً بعد میرے والد گرامی مکہ مکرمہ میں انتقال فرما گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں موت سے قبل دوبار عمرہ کی توفیق دی مزید برآں بیت اللہ میں اعتکاف کی سعادت عطا فرمائی شوال کے روزے رکھوائے۔ وہ مکہ مکرمہ میں حج کی نیت سے مقیم تھے کہ پیام اجل آگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی موت نہایت عظیم الشان اور قابل رشک ہے جمعرات کی شب انتقال ہوا نماز جمعہ کے بعد بیت اللہ میں جنازہ ہوا لاکھوں مسلمان شریک تھے جنۃ المعلیٰ میں دفن ہوئے۔ گرچہ بہت بڑی سعادت ہے لیکن بہرحال بندہ ان کی دعاؤں اور سایہ شفقت ومحبت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمادے اور انہیں جنۃ الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

یہ سطور میں کویت میں بیٹھا تحریر کررہا ہوں جہاں ہسپتال میں میری عزیز بہن تقریباً ایک ماہ ہوچکا موت سے لڑ رہی ہے۔ اس کی تکلیف اور بیماری دیکھی نہیں جارہی بہت پریشانی ہے۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ اسے شفاء کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔ (آمین)

برادران اسلام! میں اپنے خطبہ صدارت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کو موضوع بنارہا ہوں۔ کیونکہ یہ خطبہ اپنے امیر ومربی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نام منسوب کررہا ہوں اور میری صوابدید کے مطابق یہ حدیث ان کی حیات طیبہ پر بہت حد تک منطبق ہورہی ہے لہذا برائے نصیحت وہ حدیث پیش کرتا ہوں اور اس کی تشریح کے سلسلہ میں نہایت [illegible] معروضات پیش کرتا ہوں۔

"عن ابی هرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان الاسلام بدا غریبا وسیعود کما بدأ غریبا فطوبی للغرباء"[1]

یہ حدیث بالفاظ مختلفہ و باسانید مختلفہ بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہے جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

انس بن مالک، عبد اللہ بن عمر، ابو سعید الخدری، سلمان الفارسی، ابو الدرداء، ابو امامہ الباھلی، واثلۃ بن الاسقع، عبد اللہ بن مسعود، سہل بن سعد الساعدی، جابر بن عبد اللہ الانصاری، سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اور جن کتب حدیث میں یہ روایت موجود ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

صحیح مسلم، مسند احمد، صحیح ابن حبان، المعجم الکبیر للطبرانی، مسند ابی یعلی، شرح السنۃ للبغوی، شرف اصحاب الحدیث للخطیب البغدادی، سنن ابن ماجہ، المعجم الاوسط للطبرانی، مسند بزار اور کتاب الغرباء للحافظ ابو بکر وغیرہ. طلبہ اگر اس کی تفصیلی تخریج معلوم کرنا چاہیں تو کتاب الغرباء للحافظ جو شیخ بدر البدر کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے کا مطالعہ کریں۔

حدیث کا سادہ ترجمہ یہ ہے: بے شک اسلام غربت و اجنبیت سے شروع ہوا اور جس غربت و اجنبیت سے شروع ہوا اس پر عنقریب لوٹ جائیگا پس بشارت ہے جنت کی، غرباء کے لیے۔

ابتلاء، سنتِ الٰہیہ

اس حدیث پر کچھ عرض کرنے سے پیشتر یہ واضح کر دوں کہ اپنے بندوں کو مختلف

[1] صحیح مسلم ۱/۱۳۰

آزمائشوں میں ڈال کر ایمان پر ان کی استقامت وعزیمت کا امتحان لینا اللہ تعالیٰ کا وہ قانون ہے جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝][1]

یعنی لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ایمان لانے کے بعد انہیں یوں چھوڑ دیا جائے گا اور انہیں آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا! (نہیں نہیں) ہم ان سے پہلوں کو بھی آزمائش میں ڈال چکے ہیں پس اللہ تعالیٰ یہ جاننا چاہتا ہے کہ اپنے دعوی ایمانی میں سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں؟

برادران اسلام! اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو آزماتا رہے گا، امتحان لیتا رہے گا۔

غربت اور اجنبیت کی آزمائش

ان آزمائشوں میں ایک آزمائش یہ بھی ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ہوا ہے، یعنی غربت اور اجنبیت کی آزمائش۔

غربت اور اجنبیت کی آزمائش سے کیا مراد ہے؟

اس سے مراد مسلمان کا یہ احساس و ادراک ہے کہ وہ اس پورے معاشرے میں تنہا ہے، اجنبی ہے، دھتکارہ ہوا ہے، مشرود ومطرود ہے، اس احساس کی وجہ یہ ہے کہ وہ توحید و سنت کے منہج کو سمجھ کر اپنا چکا ہے اور باقی معاشرہ اس منہج سے باغی ہے لہٰذا اب اس کی

[1] العنکبوت: ۲،۳

معاشرے کے ساتھ نہیں بنتی۔ نہ وہ معاشرے کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر آمادہ ہوتا ہے نہ معاشرہ اس کے ساتھ۔ معاشرہ اسے تکلیفیں پہنچاتا ہے وہ برداشت کرتا ہے۔ بعض اوقات غربت واجنبیت کا یہ دائرہ اور تنگ ہوجاتا ہے اور یہ شخص اپنے ہی گھر کی چار دیواری میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا ہے کہنے کو اس کی ماں بھی ہے، باپ بھی ہے، بھائی اور بہنیں بھی ہیں۔ ایک گھر میں رہتے بھی ہیں۔ مگر وہ بلکل اجنبی اور دھتکارہ ہوا ہے۔ وجہ کیا ہے؟

وجہ یہ ہے کہ وہ ان کی بدعقیدگی سے بیزار ہے ان کے شرک وبدعت سے ناراض ہے اس کی اپنے اہل خانہ سے نہیں بنتی۔ لہٰذا وہ ان کے درمیان ایک چھت تلے رہتے ہوئے بھی محض اجنبی اور غریب ہے ان کے طعنے سہتا ہے گالیاں برداشت کرتا ہے ظلم وزیادتی قبول کرلیتا ہے مگر ان کے شرک وبدعت کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کرتا۔ بعض اوقات بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں فاقے برداشت کرنے پڑتے ہیں گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن ہونا پڑتا ہے مال ودولت اور جائیداد سے عاق ہونا پڑتا ہے دنیا کی سہولتیں چھین لی جاتی ہیں مار کٹائی تک کی نوبت آجاتی ہے۔ وہ اللہ کی رضا کے لیے سب کچھ قبول کرلیتا ہے یہ ہے وہ اجنبی اور غریب جس کو اس حدیث میں اللہ کے رسول اللہ ﷺ جنت کی بشارتیں دے رہے ہیں۔ **فطوبی للغرباء.**

یعنی ان غرباء کے لیے بشارت ہے۔

"غرباء" کا مفہوم ومعنی رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے:

صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا:

(ومن الغرباء یارسول اللہ؟)

یارسول اللہ ﷺ! یہ غریب اور اجنبی لوگ کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: (الذین یصلحون اذا فسد الناس)[1]

یہ وہ لوگ ہیں جو فاسق وفاسد اور بدعقیدگی میں مبتلا معاشرے کی اصلاح کا کام کرتے ہیں۔

لوگوں کی ظلم وزیادتی برداشت کرلیں لیکن دعوت واصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہیں کسی ملامت کی پرواہ نہ کریں۔

مسند احمد، دارمی، اور ابن ماجہ وغیرہ میں اس سوال کا یہ جواب منقول ہے۔

(النزاع من القبائل)

یعنی: یہ وہ لوگ ہیں جو (بر بناء ایمان وعقیدہ) اپنے قبیلوں اور برادریوں سے کٹے ہوئے ہیں وہ اپنے خونی رشتے محض اس لیے توڑ دیتے ہیں کہ ان کے قبیلوں اور برادریوں والے بدعقیدہ ہیں بدعات ورسومات باطلہ کے خوگر ہیں لہٰذا وہ ان سے کٹ جاتے ہیں اور اپنے عقیدہ ومنہج پر قائم رہتے ہیں انتہائی صبر اور استقامت کے ساتھ۔

واضح ہو کہ اس حدیث کے اس حصے کی سند میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن چونکہ اس حدیث کا اصل صحیح اور محفوظ ہے لہٰذا ہم نے اسے نقل کرلیا ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے غرباء کی تعریف یوں کی ہے:

(اناس صالحون قلیل فی ناس سوء کثیر من یعصیهم اکثر ممن یطیعهم)[2]

یعنی: یہ وہ نیک لوگ ہیں جو تعداد میں کم ہوتے ہیں اور ایک بہت بڑے بدکردار معاشرے میں زندگی بسر کررہے ہوتے ہیں ان کے نافرمان زیادہ ہوتے ہیں اور فرماں

[1] مسند احمد، صحیح ابن حبان وغیرہ، الرقم: ۱۶۶۹۰/ترمذی: ۲۸۳۹

[2] مسند احمد، الرقم: ۶۶۵۰

بردار کم ہوتے ہیں۔

ان احادیث کا ملخص یہ ہے کہ وہ غرباء جن کے لیے رسول اللہ ﷺ نے عظیم بشارتیں ذکر فرمائی ہیں وہ مندرجہ ذیل صفات کے حامل ہوتے ہیں۔

① وہ اپنے قبیلوں، برادریوں، اور گھربار سے محض دین کی بنیاد پر الگ تھلگ ہوجاتے ہیں اور اس سلسلہ میں انہیں بڑی اذیتیں سہنا پڑتی ہیں۔ لیکن دامن صبر ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ بلکہ یہ لوگ اپنی اس پرمشقت زندگی پر انتہائی پرسکون اور مطمئن نظر آتے ہیں اور توحید وسنت کی نعمتوں کو سینو پر سجائے انتہائی قابل فخر زندگی گذار کر اللہ تعالیٰ کی جوار رحمت میں پہنچ جاتے ہیں اب ان کے لیے کوئی دکھ اور تکلیف باقی نہیں رہی۔

[ارْجِعِيٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۞ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۞ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۞][1]

ترجمہ: اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہوجا اور میری بہشت میں داخل ہوجا۔

② دوسری صفت یہ ہے کہ وہ اصلاح کا کام کرتے رہتے ہیں کفر وشرک اور بدعات و رسومات کے خلاف ہمیشہ صف آراء رہتے ہیں اور کسی لمحہ دعوتی ذمہ داری سے غافل نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے دعوت واصلاح ہر دور کی ضرورت ہے اور یہ انتہائی کٹھن اور صبر آزما کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دعوت کو جہاد کبیر قرار دیا ہے کیونکہ داعی کو بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں بڑی بڑی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے بعض اوقات جسمانی اذیتیں جھیلنی پڑتی ہیں اور بعض اوقات حکام اور طواغیت کی طرف سے مال ومنصب اور کرسی اور عہدہ کی پیشکش ہوتی ہے اور ایک مخلص داعی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان

[1] الفجر: ۲۸-۳۰

تمام پیشکشوں کو ٹھوکر ماردے کیونکہ باطل نظام کا حصہ بنکر چاہے وہ کسی بھی اعتبار سے ہو دعوت واصلاح کا کا نہیں ہوسکتا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر حکام وقت کبھی کوڑوں کی بارش برسا کر انہیں لہولہان کررہے ہیں اور کبھی یک لخت مال ومنال اور منصب عالی کی لالچ دینا شروع کردیتے امام صاحب اپنی پیٹھ پر کوڑے برداشت کرتے اور مال وعہدہ کی پیشکش سن کر فرماتے: ھذا اشد من ذاك. یعنی یہ مال وعہدہ کی آزمائش کوڑوں کی آزمائش سے سخت ہے۔

کچھ علماء تقیہ کا مشورہ دیتے تو جوابا فرماتے: جہلا کو حق معلوم نہیں اور علماء تقیہ کرلیں تو لوگوں کے سامنے حق کیسے واضح ہوگا؟

برادران اسلام! یہ ایک سچے اور مخلص داعی کا کردار ہے کہ دعوت کے میدان میں وقت کے حکام کا سامنا کررہا ہے ان کے نظام کا حصہ بنکر نہیں بلکہ ان کہ نظام سے مکمل کٹ کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آواز حق بلند کررہا ہے ایسے مخلص مصلحین کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (فطوبی للغرباء)

ان غرباء کے لیے جنت کی بشارت ہے۔

③ تیسری خوبی یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ تعداد میں کم ہوتے ہیں، ان کے حمائتی کم ہوتے ہیں اور مخالفین زیادہ ہوتے ہیں انہیں کثرت تعداد کا کبھی زعم وغرور نہیں رہا انہیں معلوم ہے کہ کثرت تعداد کو تو رسول اللہ ﷺ نے ان سواونٹوں سے تشبیہ دی ہے جن میں سواری کے قابل ایک بھی نہیں ہوتا۔

عہد رسالت میں غربت واجنبیت

نبوت سے قبل رسول اکرم ﷺ کی عرب کے جاہلی معاشرے میں بڑی عزت اور قدر

ومنزلت تھی۔لوگ آپ کو صادق وامین کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے بعض بڑے اہم اور کٹھن مواقع پر آپ کی رائے کو قبول کیا گیا اور یہ بات معروف اور معترف بہ تھی کہ تمام فضائلِ خیر اور اوصافِ حمیدہ میں پوری برادری کے اندر (محمد ﷺ) کے ہم مثل وہم مرتبہ کوئی نہیں۔لیکن جونہی آپ ﷺ نے کوہ صفاء پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت پیش کی تو غیر تو کیا خود آپ کی برادری نے آپ کی مخالفت کی۔آپ کے سگے چچا نے آپ کی بربادی وتباہی کی بددعا کر ڈالی۔

یہ وہ غربت واجنبیت ہے جو جناب محمد ﷺ کو محض اللہ تعالیٰ کی توحید کی خاطر حاصل ہوئی۔لیکن آپ کبیدہ خاطر یا دل برداشتہ نہیں ہوئے تکلیفوں اور اذیتوں کو برداشت کیا لیکن دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہوگئی۔یہ جماعت بھی در حقیقت مختلف قوموں اور قبائل سے کٹ کر آئی تھی۔اس جماعت نے اللہ کی توحید کی خاطر اپنا گھر بار، آسائشیں، لذتیں، قرابتیں سب کچھ چھوڑ دیا۔جو کچھ عرصہ قبل معاشرے کا اہم کردار اور زمانے کی رونقوں کا مرکز تھے آج وہ محض اللہ کی توحید کی خاطر اس معاشرے میں اجنبی بن گئے۔چنانچہ ان چند اجنبی انسانوں پر تکلیفوں کے پہاڑ توڑ دیئے گئے:

[وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝][1]

ترجمہ: ان کو مومنوں کی یہی بات بری لگتی تھی کہ وہ خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب (اور) قابل ستائش ہے۔

ایذاء رسانی کا سلسلہ ابولہب کی بددعا اور براہ راست ڈانٹ ڈپٹ سے شروع ہوا۔ پھر مختلف الزام تراشیاں کی گئیں۔کبھی اکرم الخلائق جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو مجنوں کہا

[1] البروج:۸

گیا۔کبھی شاعر اور کبھی ساحر و کاھن۔

آپ کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کیا گیا۔آپ کلام مقدس کی آیات تلاوت فرماتے تو کبھی [اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ] (پچھلے لوگوں کے قصے کہانیاں) کہا گیا کبھی [اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ] (انہیں کوئی دوسرا شخص تعلیم دیتا ہے) کہا گیا کبھی [اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ] (یہ سب جھوٹ ہے جو اس نے خود گھڑا ہے)

کبھی جناب رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں کہا گیا:

[مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ][1]

مسلمانوں پر تحقیر واستہزاء کا ایک بازار گرم تھا، وہ لوگ ٹھٹھ کرتے، پاس سے گذرتے ہوئے اشارے کرتے مذاق اڑاتے۔۔۔

[اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ۝ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَضَاۗلُّوْنَ ۝][2]

یعنی گنہگار لوگ ایمانداروں پر ہنستے تھے اور جب ایمان والوں کے ساتھ گزرتے تو آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے، اپنے گھر والوں کی طرف باتیں بناتے ہوئے لوٹتے اور جب ان ایمان والوں کو دیکھتے تو کہتے یہ گمراہ ہیں۔

ایذا رسانی کا یہ سلسلہ پھر جسمانی تشدد تک پہنچ گیا۔۳۵ سرداران قریش کی با قاعدہ کمیٹی بنادی گئی جس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں پر جبر وتشدد

[1] الفرقان:۷

[2] المطففین:۲۹-۳۲

کی منصوبہ سازی کریں ابولہب، ابوجہل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ، عتبہ اور شیبہ اس ایذاء رسانی میں پیش پیش رہتے ابولہب کی بیوی کا کردار بھی بڑا بھیانک تھا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے گڑھے کھودے جاتے راہ چلتے پتھر مارے جاتے، سجدے کی حالت میں پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی گئی ظلم کی انتہاء یہاں تک پہنچی کہ آپ ﷺ کی بیٹی کو شہید کر دیا گیا اس وقت وہ حاملہ تھیں وہ حمل بھی وضع ہو گیا آپ کے جانثار ساتھیوں کے ساتھ بھی بہت ظلم ہوا۔

بلال حبشی، آل یاسر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی استقامت

بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو رسی سے باندھ کر اوباش نوجوانوں کے سپرد کر دیا جاتا جو انہیں مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے دوپہر کی شدت کی حرارت وتمازت میں نوکیلے کنکروں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیئے جاتے آگ کے انگاروں پر لٹایا اور گھسیٹا جاتا لیکن وہ مسلسل احد احد پکارتے رہتے۔

عمار بن یاسر اور ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم کو مار مار کر لہولہان کر دیا جاتا پھر ان کے جسم پر کھولتا ہوا گرم پانی ڈال دیا جاتا۔

نبی اکرم ﷺ یہ ظلم ہوتے ہوئے دیکھتے انتہائی مغموم ہوتے اور دکھ بھرے لہجے میں یہ فرماتے:

(صبرا یا آل یاسر فان موعد کم الجنۃ)[1]

اے خاندان یاسر صبر کرو تم سے میں جنت کا وعدہ کرتا ہوں۔

[1] مستدرک حاکم ۳/۴۳۲، مسند احمد ۱/۴۹۳

اس ظلم کی تاب نہ لا کر یاسر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ان کی بیوی سمیہ رضی اللہ عنہا کی شرمگاہ میں نیزہ مارا گیا جس سے وہ شہید ہو گئیں یہ سب کچھ اللہ کی توحید کی خاطر تھا۔

اسی قسم کے مظالم خباب بن ارت رضی اللہ عنہ پر بھی ڈھائے گئے جنہیں انہوں نے محض اللہ کی توحید کی خاطر برداشت کیا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع جب ان کی والدہ کو ہوئی تو اس نے ان کا کھانا پینا سب بند کر دیا زندگی کی مراعات اور سہولتیں چھین لیں ایک کوٹھری میں بند کر دیا۔ ناز ونعم میں پلے ہوئے مصعب کی جسم کی کھال کے چیتھڑے اُدھڑ گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کے مٹھی بھر ساتھیوں کو تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا۔

برادران اسلام! یہی صورت حال اس حدیث میں مذکور ہے: (بدأ الاسلام غریبا) کہ اسلام غربت واجنبیت سے شروع ہوا۔ ابتداء میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا تھا: من اتبعک علی ھذا الامر؟ اب تک کتنے لوگوں نے آپ کی اتباع قبول کی؟ تو فرمایا: (عبد و حر) صرف دو لوگوں نے ایک غلام بلال حبشی اور دوسرے آزاد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما۔

یہ سب آغاز اسلام کی غربت واجنبیت ہے لیکن یہ مٹھی بھر جماعت بلاخوف لومۃ لائم اپنے عقیدہ اور منہج پر قائم رہی۔ طاغوتوں کی تکلیفیں اور ایذائیں ان کے پائے استقامت میں ذرہ برابر لغزش یا ارتعاش پیدا نہ کر سکیں نبی اکرم ﷺ کی محبت واطاعت اور آپ کے ساتھ کامل وفاداری ان کا سرمایہ حیات اور حاصل زندگی تھا دعوت کا سلسلہ جاری رہا جماعت آہستہ آہستہ بڑھتی گئی۔ لیکن مظالم کا میدان بھی گرم رہا۔ حتیٰ کہ وہ طبعی مرحلہ بھی آ گیا جو عند الناس مطرود ومشرود لیکن عند اللہ عظیم المرتبت انسانوں کا مقدر ہوتا ہے یعنی وطن

سے بے وطن اور گھر سے بے گھر کر دیا جانا۔

چنانچہ اپنے دین کے سرمائے کو بچانے کے خاطر حبشہ کی طرف دو ہجرتیں اور پھر مکہ سے مدینہ کی ہجرت تاریخ اسلام کا ایک عجیب سنگ میل اور مسلمانوں کا عظیم کارنامہ ہے۔

ہجرت کا مقصد صرف اپنے دین وایمان کی حفاظت تھا باقی دنیا تباہ ہوگئی کاروبار ٹھپ ہوگئے جمع پونجی سے محروم ہوگئے رشتے ٹوٹ گئے گھر چھوٹ گئے لیکن اللہ کا دین بچ گیا آفرین اور مبارک۔ آسمان سے آوازیں آئیں:

[اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝] [1]

(جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ کے نزدیک درجہ کے لحاظ سے یہ سب سے اونچے ہیں اور یہی لوگ درحقیقت کامیاب اور فائز المرام ہیں۔)

منہجِ صحابہ اور اس کی برکات

اس مٹھی بھر جماعت کا سچا عقیدہ، کھرا دین، اپنے پیغمبر سے وفاداری، بالکل صحیح منہج، دعوت کی لگن جہاد کی ہمرکابی، دنیا کے جاہ وجلال مال ومنال اور حشمت ومنصب سے بے التفاتی و بے توجہی وہ اوصاف تھے کہ جن کی بدولت دین اسلام ایک مستحکم دین بن گیا اور قیصر وکسریٰ کے ایوان لرز اٹھے یہی مکہ دوبارہ فتح ہوگیا شرک اور مصادر شرک کو پامال کر دیا گیا اور توحید وسنت کی شمع روشن ہوگئی۔

اس جماعت نے ابتداء میں غربت واجنبیت کے کیسے کیسے دکھ اٹھائے لیکن اللہ راضی

[1] التوبۃ:۲۰

ہو گیا اور اس نے انہیں دنیا وآخرت کے اکرام کے لیے چن لیا اور اس جماعت کے منہج کو رہتی دنیا تک کے لیے نمونہ بنا دیا اور کامیابی وکامرانی کا وسیلہ بنا دیا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں ہونے والے تہتر فرقوں کی خبر دی اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ سب جہنم میں جائیں گے صرف ایک گروہ جنت میں جائے گا تو صحابہ نے پوچھا وہ کون ہے!

فرمایا:

(ما انا علیہ الیوم واصحابی)

یہ گروہ وہ ہے جو اس چیز پر قائم ہو جائے جس پر آج میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

خواہ وہ شخص عرب کا ہو یا عجم کا، گورا ہو یا کالا، آمر ہو یا مامور، سب کے لیے صحابہ کرام کا منہج اور طرز حیات ہی اسوہ اور نمونہ اور دنیوی اور اخروی اعتبار سے نجات دہندہ ہے۔

[وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝] [1]

ترجمہ: جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی۔ اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

برادران اسلام! غربت واجنبیت کی یہ داستانیں صرف اس امت کے ساتھ مخصوص

نہیں ہیں ۔ یہ وہ طبعی اور لازمی راستہ ہے جس پر سابقہ انبیاء اور ان کی مٹھی بھر جماعتوں کو چلنا پڑا۔ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال توحید سنائی دن رات وادیوں اور چوٹیوں پر خلوتوں اور جلوتوں میں قوم کے برے برتاؤ پر صبر کرتے ہوئے ۔نتیجہ صرف یہ نکلا کہ صرف 80 افراد نے اس توحید کی دعوت کو قبول کیا پتہ نہیں ان 950 سالوں میں قوم نے کتنا تنگ کیا ہوگا کتنی بدسلوکی کی ہوگی کہ یہ دعا کرنے پر مجبور ہوگئے کہ یا اللہ! اب اس زمین کی پشت پر سے کافروں کو اس طرح تباہ و برباد کردے کہ ان کا ایک گھر بھی باقی نہ بچے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی استقامت

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد صحابہ کرام کو اپنا خواب سنایا فرمایا کہ میں نے خواب میں میدان محشر دیکھا۔ ہر امت اجابت اپنے نبی کے ساتھ کھڑی ہے کچھ ایسے نبی بھی دیکھے جن کے ساتھ بیس پچیس افراد کی چھوٹی سی جماعت ہے کچھ ایسے نبی بھی دیکھے جن کے ساتھ صرف دو افراد کھڑے ہیں کچھ ایسے نبی بھی دیکھے جن کے ساتھ ایک ہی آدمی کھڑا ہے اور کچھ ایسے نبی بھی دیکھے جو بالکل تنہا کھڑے ہیں ۔[1] گویا انہوں نے پوری زندگی دعوت کے میدان میں گزار دی اور ایک شخص بھی دعوت قبول کرنے والا اور ساتھ دینے والا نہیں ملا۔ آپ ذرا تصور کیجئے ایسے انبیاء نے تنہا پوری زندگی اپنے قوموں کے درمیان کس طرح بسر کی ہوگی !غربت و اجنبیت کا کیا احساس ہوگا ؟ کتنی کامیاب اور مبارک زندگی ہے طاغوت کے نظام سے سمجھوتہ نہیں کیا پہاڑ جیسی زندگی تنہا کاٹ گئے بڑے بڑے دکھ جھیلے، مصائب وآلام سے دوچار ہوئے لیکن داعیانہ کردار سے سرمو پیچھے

[1] صحیح بخاری: ۶۵۴۱/صحیح مسلم: ۵۲۷

نہیں ہٹے تا زندگی اللہ کے دین سے وفا کی۔

موسیٰ علیہ السلام کی امت گو بہت بڑی امت تھی لیکن نہ معلوم اس امت نے موسیٰ علیہ السلام کو کتنے صدمے پہنچائے کہ موسیٰ علیہ السلام یہ دعا کرنے پر مجبور ہوگئے کہ اے اللہ! اب اس قوم کے ساتھ رہنے کی ہمت نہیں اب میرے اور اس قوم کے درمیان جدائی پیدا کردے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں تم اپنی قوم کو چھوڑ کر نہیں جاسکتے تا حیات اسی قوم کے ساتھ رہنا ہے۔

یونس علیہ السلام کیا خبر قوم کے رویے سے کتنے دل برداشتہ ہوئے ہوں گے کہ اپنی قوم ہی کو چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کردیئے گئے۔

نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویاں پرلے درجے کی نافرمان تھیں ان انبیاء کو گھر سے باہر قوم کے درشت رویے کا سامنا کرنا پڑتا اور گھر آتے تو اپنی بیویوں کی نافرمانیوں اور بد اخلاقیوں کے صدمے سہنا پڑتے کہیں آرام میسر نہیں تھا۔

برادران اسلام! انبیاء کرام کی غربت و اجنبیت کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے آپ قرآن حکیم پڑھ کر دیکھیں بالخصوص سورہ ھود کی تلاوت کریں انبیاء کرام کی دعوت اور اس کے نتیجے میں قوموں کا سلوک اور پھر انبیاء کی عزیمت و استقلال کی نصیحت وعبرت آمیز داستانیں آپ کے سامنے آئیں گی۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام نے کہا: آپ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوگئے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گو یہ بڑھاپے کی عمر نہیں لیکن مجھے قرآن کی سورہ ھود نے بوڑھا کر دیا ہے۔[1]

[1] المعجم الاوسط، الرقم: ۵۶۰۸

اصحاب کہف کا واقعہ بھی اسی سلسلہ غربت کی ایک کڑی ہے صرف سات نوجوانوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو قبول کرلیا پھر اپنی پوری قوم و برادری سے کٹ گئے، زندگی کی مراعات کو ٹھکرا دیا۔ پھر ایک غار میں جمع ہو کر مستقبل میں داعیانہ کردار ادا کرنے اور وقت کے طاغوت سے دو دو ہاتھ کرنے کی پلاننگ کر رہے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی جو بارش ہوئی وہ آپ بخوبی جانتے ہیں اور تو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ان چند بندوں کی خاطر سورج کا دائمی روٹ تک تبدیل کر دیا اندازہ کریں اللہ تعالیٰ کو ایسے بندوں سے کتنا پیار ہے!؟

اس لیے اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے **فطوبی للغرباء.** کہہ کر عظیم بشارت دی۔

طوبیٰ کیا ہے؟

طوبیٰ جنت کا نام ہے اور مسند احمد اور ابن حبان میں ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کے مطابق یہ جنت کا ایک درخت ہے جس کا پھیلاؤ سو سال کی مسافت کے بقدر ہے اس درخت سے اہل جنت کا لباس تیار ہوا کرے گا۔[1]

اللہ کے مقبول بندوں کی شان

صحیحین کی ایک طویل حدیث میں ایسے بندوں کی شان یوں مذکور ہے۔

(....ان استأذن لم یوذن له وإن شفع لم یشفع لو اقسم علی الله لابره)[2]

یعنی یہ لوگ معاشرے کی نظر میں اتنے حقیر اور بے قدر ہوتے ہیں کہ کہیں داخل ہونے کی اجازت چاہیں تو انہیں اجازت نہیں ملتی کسی کی سفارش کر دیں تو ان کی سفارش قبول نہیں

---

[1] مسند احمد، الرقم: ۱۱۶۷۳

[2] بخاری، الرقم: ۲۸۸۷

کی جاتی لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنے بلند مقام اور عظیم القدر ہوتے ہیں کہ اگر کبھی اللہ پر کوئی قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھتا ہے اور ویسا ہی کرتا ہے جیسی وہ قسم کھا لیتے ہیں۔ صحیح بخاری کی اسی مضمون کی ایک روایت کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ (طوبی له ثم طوبی له) یعنی اس شخص کو جنت کی بشارت ہو، پھر بشارت ہو۔

صحیح مسلم میں ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ان لوگوں کی شان بایں لفظ وارد ہوئی ہے:

(رب اشعث اغبر مدفوع بالا بواب لو اقسم علی الله لابره)[1]

یعنی: بہت سے بکھرے بالوں والے، گرد و غبار سے اٹے ہوئے اور دنیا داروں کے دروازوں سے دھتکارے ہوئے لوگ اللہ کے نزدیک اتنے رفیع المرتیب ہوتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی قسم دے دیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حارثہ بن وھب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(الا اخبر کم باهل الجنة)

کیا میں تمہیں جنتی لوگوں کی خبر نہ دوں! صحابہ کرام نے عرض کیا: جی ضرور تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(کل ضعیف متضعف لو اقسم علی الله لابره)[2]

یہ معاشرہ کا ہر مفلوک الحال اور کمزور گردانا گیا فرد ہے جو اللہ کے ہاں اتنا عزت دار

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۸۵۴

[2] صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۴۹۱۸

ہے کہ اللہ پر کبھی کوئی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھ لیتا ہے۔

برادران اسلام! غربت واجنبیت کا یہ سلسلہ ترک وطن پر جا کر منتج ہوتا ہے (مدفوع بالابواب) سے مراد اگر در بدر کی ٹھوکریں کھانا لے لیا جائے تو یہ حقیقت حال کے عین مطابق ہے۔

اللہ کے دین کے خاطر بے وطن اور بے گھر ہونا غرباء کی اصل سنت ہے بے وطنی کی کیفیت کبھی تو اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ توحید اور تمسک بالسنۃ کی وجہ سے اپنے وطن میں ان کا جینا دوبھر کر دیا جاتا ہے کہ وطن، گھربار اور تجارت ہر چیز کو خیر باد کہہ کر کسی دوسری جگہ غربت کی زندگی گذار جاتے ہیں۔

کبھی بے وطنی کی کیفیت داعیانہ کردار ادا کرنے کے لیے پیدا ہوتی ہے اور کبھی مجاہدانہ سرگرمیوں کی خاطر وطن سے بے وطن ہوتے ہیں۔

اسلام کے عظیم داعی اور مجاہد ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ سے رستم نے پوچھا کہ تم لوگ یوں در بدر کیوں پھرتے رہتے ہو؟ جواب دیا:

''تاکہ بندوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر بندوں کی رب کی عبادت پر لگادیں،،

مبارک لمحات

غربت واجنبیت کے یہ لمحات کتنے مبارک ہیں ایک ایک سانس عبادت اور ایک ایک قدم نیکی شمار ہوتا ہے اور اگر اسی عالم غربت میں پیام اجل آجائے اور یہ ٹھکرایا ہوا بندہ دنیا کے جھمیلوں سے رہائی پا کر، اور اپنی دنیوی حاجتوں اور ضرورتوں کو سینے ہی میں دبائے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جاملے تو یہ راہ شہادت کی موت بن جاتی ہے کتنی عظیم موت ہے:

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال ، قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا

مات بغیر مولدہ قیس لہ من مولدہ الی منقطع اثر من الجنۃ.[1]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ بے وطنی کی موت مارا جائے تو اللہ تعالیٰ اسکی جائے موت سے لیکر جائے پیدائش (وطن) تک جنت کی زمین اس کے نام الاٹ کر دیتا ہے ! سبحان اللہ۔

برادران اسلام! غربت واجنبیت کی زندگی کے بے شمار فضائل و درجات ہیں جنہیں اس مختصر سے خطبہ میں سمیٹنا میرے لیے ناممکن ہے بہرحال ان ہی فضائل کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کندھے کو اپنے ہاتھ مبارک سے تھام کر فرمایا:

''کن فی الدنیا کانك غریب و عابر سبیل،،

یعنی: دنیا میں غریب یا راہ چلتے مسافر کی مانند بن کر رہو۔[2]

عبداللہ بن عمر پر ایسا اثر ہوا، فرمایا کرتے تھے:

''زندگی اس طرح بسر کرو کہ اگر شام پالو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور صبح کو پالو تو شام کا انتظار نہ کرو صحت میں خوب عمل کر لو قبل اس کے کہ بیماری حائل ہو جائے اور زندگی میں خوب نیکیاں کما لو قبل اس کے کہ موت تمہارے سینے میں اپنے پنجے گاڑ دے۔[3]

بھائیو! اللہ کی راہ میں آنے والی تکلیفوں کا کوئی ملال نہیں تھا جہاد کے لیے طویل و عریض پیدل سفر کہ بعض اوقات پاؤں زخمی ہو جانے کے باوجود، فاقوں کے باعث، پیٹ

---

[1] نسائی، الرقم:۱۸۳۱/ابن ماجہ، الرقم:۱۶۱۴

[2] صحیح بخاری، الرقم:۶۴۱۵

[3] صحیح بخاری، الرقم:[illegible]

پر پتھر باندھنے کے باوجود میدان جہاد میں زخموں سے چور اور خون میں لت پت ہونے کے باوجود رشتوں ناطوں کے دین کی خاطر چھوٹنے اور ٹوٹنے کے باوجود زندگی اس قدر مطمئن اور پرسکون تھی کہ فرمایا کرتے تھے۔

''اگر محلات کے اندر رہنے والے بادشاہ اور ان کی اولادیں ہمارے سکون کی ایک جھلک بھی ملاحظہ کرلیں تو سب کچھ چھوڑ چھار کے اپنی فوجوں اور چمکدار تلواروں کے ساتھ ہمارا سکون چھیننے کے لیے ہم پر حملہ کردیں۔''

بھائیو اور دوستو! مضمون کافی پھیلتا جارہا ہے۔ بہرحال میں نے اس مختصر سے خطبہ میں حدیث **(فطوبیٰ للغربا)** کو سامنے رکھتے ہوئے غرباء کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس پرفتن اور پرہنگام دور میں جبکہ ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ غیر شرعی افکار، مغربی ثقافت اور سیاہ تہذیب کی یلغار ہے ایک ملحد حکومت قائم ہے اور مختلف طواغیت کی تباہ کن آندھیوں کے جھکڑ چل رہے ہیں اپنے دین، عقیدہ، منہج، ثقافت اور کتاب و سنت کی امانت کو سینے سے لگائے رکھنا یہ غرباء کا اصل کردار ہے۔

اس کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔ مال و وسائل سے ہاتھ دھونا پڑے۔ دنیوی حاجتوں اور حشمتوں کا خون ہوجائے۔۔۔ لیکن یہ سب کچھ اللہ کے دین کی خاطر برداشت کرلے۔۔۔ آخر دنیا میں کیا رکھا ہے۔

ایمان وعقیدے کی حلاوت و بشاشت جس دل میں رچ بس جاتی ہے اسے نہ دنیا کی چمک دمک متاثر کرتی ہے نہ دنیا والوں کے مظالم اس کا سر جھکا سکتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے جادوں گروں کا ایمان افروز واقعہ اس حقیقت پر شاہد

عدل ہے۔

کہاں وہ فرعون سے انعام واکرام کی لالچ میں موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہیں اور جب ایمان کی حقیقت واضح ہوگئی اور دل وجان کی گہرائیوں سے ایمان قبول کرلیا تو اب فرعون ہاتھ پاؤں توڑنے اور جان سے مارنے کی دھمکیاں دے رہا ہے اور وہ جواب دیتے ہیں۔

[فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝] [1]

یعنی: اے فرعون! جو چاہو کر گذرو، تم زیادہ سے زیادہ اس دنیا کی زندگی کا خاتمہ کردو گے۔ اس کے علاوہ اور کیا کرسکتے ہو؟ اور غور سے سن لو دنیا کی زندگی کی ہمارے سامنے کوئی وقعت نہیں ہے۔

تو میرے دوستو! یہ درحقیقت غرباء کا کردار ہے۔۔۔ ہاں یہ لوگ دعوت واصلاح کا کام کرتے رہتے ہیں باطل اور طاغوتی نظام سے کٹ کر کلمہ حق بلند کرتے رہتے ہیں۔
یہ لوگ حق پر جری ہوتے ہیں بے باک ہوتے ہیں، مخلص ہوتے ہیں، کسی ملامت گر کی پرواہ نہیں کرتے حق کی خاطر بڑے بڑے نقصان، دکھ اور صدمے جھیلتے ہیں۔۔۔ انہیں بڑے کٹھن اور صبر آزما حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہی وہ اوصاف ہیں جن پر ہمارے امیر و مربی جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ تاحیات قائم رہے اور میں اپنے آپ کو اور آپ کو انہی اوصاف حمیدہ پر قائم رہنے کی نصیحت وتلقین کرتا ہوں۔

شاہ صاحب کی جماعت کے نظم کو قائم رکھیں اسے مزید مثالی اور فعال بنائیں اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی قبر کو جنت کا باغیچہ بنادے۔

[1] طٰہٰ: ۷۲

ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرمادے۔انہیں جنت الفردوس اور اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمادے۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ

اقول قولی ھذاو استغفر اللہ لی ولکم و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

OOOOOOOOOOOOOOO

صدارتی خطبہ

(1997ء)

موضوع:

امتِ مسلمہ کی حالت زار اور اس کا علاج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ وأھل طاعتہ أجمعین .وبعد

قابل احترام علماء کرام! معزز سامعین حضرات!

جمعیت اہل حدیث سندھ کی پندرھویں کانفرنس شروع ہو رہی ہے، کانفرنس کا یہ عمل ہمارے امیر محترم، ہمارے شیخ اور مربی شیخ العرب والعجم بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے جس تسلسل کے ساتھ چلایا اسی تسلسل کے ساتھ ان کی وفات کے بعد بھی جاری ہے، اور ان شاء اللہ ان کیلئے صدقہ جاریہ ہے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ

سامعین حضرات! یہ بندہ ناچیز نہ تو صدارت کا اہل ہے اور نہ ہی اپنے آپ کو خطبہ صدارت لکھنے کا اہل سمجھتا ہے لیکن یہ ایک ذمہ داری اس ناکارہ کے کندھوں پر ڈال دی گئی ہے جسے مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق نبھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے۔

امت مسلمہ کی حالت زار اور اس کا علاج

سامعین کرام! آج امت مسلمہ ہر طرف سے مصائب وآلام میں گھری دکھائی دے رہی ہے دشمن چاروں طرف سے ہم پر مسلط ہے معیشت دگرگوں ہوتی جا رہی ہے، ہم مختلف اخلاقی، معاشرتی اور سماجی انحرافات کا شکار ہوتے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فرمان:

[إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ][1]

کے مطابق یہ سب کچھ ہمارا ہی کیا دھرا ہے جب تک ہم اپنی اصلاح نہیں کریں گے

---

[1] الرعد: ۱۱

اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح نہیں فرمائے گا۔ مگر ہم اصلاح کی طرف نہیں آ رہے۔ لہذا روز بروز ہمارے حالات بگڑتے جا رہے ہیں۔

ہمارے یہ تمام حالات اس وقت تک نہیں سنور سکتے جب تک سنوارنے والا نہیں سنوارے گا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، حدیث میں ہے:

واعلم ان الامۃ لو اجتمعت علی ان ینفعوك بشيئ لم ینفعوك الا بشيئ قد کتبہ اللہ لك وان اجتمعوا علی ان یضروك بشيئ لم یضروك الا بشيئ قد کتبہ اللہ علیك رفعت الاقلام وجف الصحف.[1]

یعنی خوب اچھی طرح جان لو اگر یہ پوری امت جمع ہو کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی فائدہ لکھا ہو، اور اگر سب اکٹھے ہو کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو اللہ کے لکھے ہوئے کے علاوہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، یہ سب کچھ لکھوا کر قلمیں اٹھالی گئی ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔

برادرانِ اسلام! معلوم ہوا کہ نقصان کا ازالہ اور بھلائی اور فائدے کا حصول اللہ تعالیٰ کے امر وتوفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہماری حالت تب ہی سنوارے گا اور ہمیں فائدہ تب ہی پہنچائے گا جب ہم سے راضی ہوگا۔ وہی سب سے بہترین ہمارے امراض کی تشخیص وعلاج کرنے والا ہے۔ فرمایا:

الطبیب ھو اللہ.[2]

سب سے بہترین طبیب اللہ تعالیٰ ہے۔

---

[1] ترمذی: ۲۵۱۶

[2] موسوعۃ أطراف الحدیث: [illegible]

جب یہ طے شدہ بات ہے تو واضح ہونا چاہئے کہ ہمارے امراض ومصائب کا بہترین علاج وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کی بنیاد

حضرات سامعین! اللہ تعالیٰ نے اپنے راضی ہونے کی جو بنیاد ہمیں فراہم کی ہے وہ اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے۔

[قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝] [1]

ترجمہ: کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی اتباع ہی دراصل وہ بنیاد ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، رضا اور محبت فراہم کرسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کی مستحق تین جماعتیں

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

[وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ] [2]

ترجمہ: اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ

[1] آل عمران:۳۱

[2] التوبۃ:۱۰۰

ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا دنیا کی تین جماعتوں کیلئے ہے۔ چوتھی ایسی کوئی جماعت نہیں جس کیلئے اللہ کی رضا ہو۔

وہ تین جماعتیں یہ ہیں:

① مہاجر صحابہ کرام، جنہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کیلئے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی۔

② وہ انصار صحابہ کرام جنہوں نے ہجرت کر کے آنے والوں کا ایسا استقبال کیا کہ وہ اپنی جان ومال کے ساتھ ان پر فدا ہو گئے۔

③ تیسرے وہ لوگ ہیں جو ان کے پیروکار ہیں۔ وہ کسی بھی دور میں ہوں، کسی بھی خطے کے ہوں، کسی بھی رنگ ونسل کے ہوں، بس رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے منہج کی اتباع ان کا شعار ہو اور وہ اسی پر چلتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیں۔

سامعین کرام! ان دلائل سے میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمارے تمام دکھوں کا مداوا اور تمام پریشانیوں کا علاج رسول نبی کریم ﷺ کی اتباع پر ہی موقوف ہے۔

رسول اللہ ﷺ کیلئے بھی اتباع دین ضروری ہے

اگر اتباع کے بغیر کسی کا چھٹکارا ممکن ہوتا، اور کسی کیلئے یہ گنجائش ہوتی کہ وہ اتباع کے بجائے اپنی ذاتی خواہشات پر عمل کر لے تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جناب محمد ﷺ کو اس بات کی اجازت دے دی جاتی کیونکہ ان کی خواہش اور قول وکردار سب سے زیادہ مقدس ومحترم ہے لیکن ان کیلئے بھی اس کا کوئی امکان نہیں رکھا گیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ][1]

یعنی: جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے وحی جاتی ہے صرف اس کی پیروی کرو۔

[وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ][2]

وہ محمد ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتے جو کچھ بولتے ہیں وہ وحی ہوتا ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

[اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ][3]

میں نہیں پیروی کرتا مگر جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

[وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ ۙ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡیَمِیۡنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِیۡنَ ۫ۖ][4]

یعنی: اگر پیغمبر علیہ السلام بھی اپنی کوئی بات ہماری طرف منسوب کردیں گے تو ہم دائیں ہاتھ سے انہیں پکڑ کر ان کہ شہ رگ کاٹ دیں گے۔

سامعین حضرات! اس سے بڑھ کر اتباع کی ضرورت واہمیت کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے جب محمد رسول اللہ ﷺ اتباع کے دائرہ میں محصور ومقید ہیں تو بھلا ہمارے لئے اتباع کے

[1] الانعام:۱۰٦

[2] النجم:۴،۳

[3] الاحقاف:۹

[4] الحاقۃ:۴۴تا۴٦

علاوہ کوئی چارہ کار رہ سکتا ہے؟

اس لئے آیئے آج کی نشست میں اتباع کے معنی ومفہوم، اتباع کی حقیقت ومقام اتباع کی شرائط واسس اور اتباع کے طریقہ جیسے اہم موضوعات پر اختصار سے گفتگو کریں اللہ تعالیٰ ہمیں اس منہج کا صحیح ادراک عطا فرمادے اور صحیح معنی میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی توفیق عطا فرمادے۔

اتباع کا معنی

اتباع کا مادہ تبع ہے، علماء لغت کہتے ہیں کہ تبعت القوم کا معنی ہے مشیت خلفھم یعنی میں قوم کے پیچھے چلا یعنی اتباع کسی کے پیچھے چلنے کا نام ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ اتباع ایسے راستے پر چلنے کا نام ہے جس پر پہلے چلا جاچکا ہو وہ راستہ نیا نہ ہو نئے راستے پر چلنے کیلئے عربی لغت میں ابتداع کا لفظ ہے جس کا معنی بدعت ہے اور جس کو شریعت نے ضلالت اور جہنم کا راستہ قرار دیا ہے۔

گویا عافیت اور ہدایت کا راستہ اتباع ہے نہ کہ ابتداع یعنی ایسی راہ کا انتخاب جس پر چلا جاچکا ہو اور یہ چلنے والے محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کرام ہیں۔

فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے:

[ما انا علیہ الیوم واصحابی][1]

یعنی: ہدایت اور نجات پانے والا گروہ تا قیامت صرف وہ ہے جو اس نہج پر قائم ہو جائے جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔

[1] ترمذی:٢٦٤١

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ][1]

اور ان لوگوں کے راستہ کی اتباع کہ جو میری طرف رجوع کرتے ہیں۔

اور اس امت میں انابت کے رتبہ کی چوٹی پر محمد ﷺ اور ان کے صحابہ قائم ہیں۔

اتباع کی حقیقت

نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی حقیقت بعینہ وہی ہے جو توحید باری تعالیٰ کی ہے یعنی جس طرح عقیدہ توحید نفی واثبات کے اجتماع سے عبارت ہے یعنی ایک اللہ کو معبود ماننا اور تمام معبودانِ باطلہ کا انکار کرنا اسی طرح اتباع کے میدان میں یہ ضروری ہے کہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہو اور باقی تمام کی پیروی سے بچنا اور مکمل احتراز کرنا۔

عقیدہ توحید میں نفی واثبات کے اجتماع کے ضروری ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا][2]

ترجمہ: جو ہر طاغوت کا انکار کرے اور ایک اللہ پر ایمان لے آئے اس نے ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے:

[1] لقمان:۱۵

[2] البقرة:۲۵۶

[حق الله على العباد ان يعبدوه ولا يشركوا به شيئا][1]

یعنی: اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

اس آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ عقیدہ توحید تب ہی مکمل ہوگا جب اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کا اثبات اور اقرار واعتراف ہو اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے معبود ہونے کی نفی اور انکار ہو۔

اتباع کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہو اور عقیدہ ہو کہ پیروی کے لائق صرف وہ ہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ کے نبی ﷺ جو کچھ کر گئے یا بتا گئے وہی دین ہے اور قابل اتباع ہے، اور اس کے علاوہ ہر راستہ باطل ہے، آپ ﷺ کی پیروی کے ساتھ ساتھ ہر دوسرے کی پیروی سے نہ صرف یہ کہ عملاً احتراز ہو بلکہ اس کا انکار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس نفی وانکار کو بہت سے مقام پر الگ الگ اور بعض جگہوں پر اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔

[وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ][2]

اور بے شک یہی میرا راستہ بالکل سیدھا ہے پس اس کی اتباع کرو اور اس راستے کے علاوہ بقیہ کسی راستے کی پیروی نہ کرو، ورنہ یہ راستے تمہیں سیدھے راستے سے بھٹکا دیں گے۔

یہاں "اتبعوا" امر واثبات ہے اور "لاتتبعوا" نفی وانکار ہے۔

[1] بخاری:۲۵۰۰

[2] الانعام:۱۵۳

اتباع کے میدان میں اس اثبات اور انکار کا عقیدہ ضروری ہے

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا:

[هذا صراطي مستقيما.....][1]

یعنی: یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے۔ (یہ اثبات ہے) پھر اس سیدھے خط کے دائیں بائیں بہت سے خط کھینچے اور فرمایا ان تمام راستوں میں سے ہر راستے پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور دعوت دے رہا ہے۔ (یہ نفی وانکار ہے۔)

دنیا میں دو ہی راستے ہیں سبیل اللہ اور سبیل الشیطان

سامعین کرام! یہاں کسی ابہام یا خفاء کے بغیر بڑی صراحت کے ساتھ یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ اس دنیا میں راستے دو ہی ہیں ① سبیل اللہ، یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے جس کی بنیاد وحی الٰہی ہے، اور جس کے ترجمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرمایا:

[فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۳][2]

یعنی: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کو مضبوطی سے تھامے رہیے، بلاشبہ سیدھے راستے پر آپ ہی ہیں۔

آگے فرمایا:

[وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔــلُوْنَ ۝۴۴][3]

---

[1] مسند احمد: ۴۳۵/۱

[2] الزخرف: ۴۳

[3] الزخرف: ۴۴

یہ نصیحت آپ کیلئے بھی ہے اور آپ کی امت کیلئے بھی۔

مطلب یہ کہ نبی ہو یا امتی سب کیلئے تمسک کا راستہ وحی الٰہی ہے۔ اور یہی اتباع کی اساس ہے۔

② دوسرا راستہ، سبیل الشیطان ہے، اس کو قرآن پاک میں "ولا تتبعوا السبل" کہا گیا ہے اور یہ ہر وہ راستہ ہے جو وحی الٰہی سے ہٹ کر ہو، چاہے کسی بھی نام سے ہو اور کسی بھی شخصیت سے منسوب ہو، ماننے والوں کی تعداد بڑی ہو چھوٹی ہو، وسائل کم ہوں یا زیادہ ہوں۔

[فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ][1]

حق کے تعین واثبات کے بعد باقی جو بچتا ہے وہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اس لئے "ولا تتبعوا السبل" میں 'السبل' کی تفسیر حبرِ امت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے "الضلالات" (گمراہیاں) سے کی ہے۔

امام مجاہد نے ''السبل'' سے مراد ''البدع والشبہات'' کہا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں صراط مستقیم کی تفسیر صحابی رسول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے یوں کی ہے:

یعنی صراط مستقیم ایک راستہ ہے جس کے نیچے والے سرے پر ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے ہیں اور اس کا اوپر والا سرا جنت میں جا داخل ہوتا ہے۔۔۔ جو اس راستے سے نکلا (خواہ وہ کسی طرف چلا جائے) وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

خوب غور کیجئے! صحابہ کرام بھی اتباع کا راستہ ایک ہی سمجھتے تھے اور باقی ہر راستے کو

---

[1] یونس: ۳۲

گمراہی اور جہنم کا راستہ قرار دیتے تھے۔

امام شاطبی نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ کی تفسیر میں ایک مقام پر لکھا ہے:

"ولايبعد ان يقال ان الضالين يدخل فيه كل من ضل عن الصراط المستقيم"

یعنی: ہر وہ شخص جو صراط مستقیم سے بھٹک جائے وہ (الضالین) یعنی گمراہوں کے ٹولے میں شامل ہو گیا۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"المبتدع معاند للشرع ومشاق له فانه يزعم ان ثم طرقا اخر ليس ماحصره الشارع بمحصور... كان الشارع يعلم ونحن نعلم"

یعنی: نئے نئے احکام ومسائل اور طریقے بنانے والا شریعت کا منکر اور مخالف ہے، نئے مسائل بنانے والا یہی ثابت کرنا چاہتا ہے کہ کچھ امور شریعت نے بیان کئے گویا (نعوذ باللہ) کچھ امور شارع کے علم میں تھے (جو اس نے بیان کر دیئے) اور کچھ امور ہمارے علم میں تھے (جو ہم نے بتلا دیئے) فلاحول ولاقوۃ الا باللہ

امام شاطبی کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ آدمی حق پر تب ہی قائم ہے جب وہ صراط مستقیم پر جما ہوا ہے، اور اگر کسی اور راستہ پر چل نکلا تو وہ گمراہ بھی ہے، معاند بھی ہے اور شریعت کا منکر اور مخالف بھی ہے۔

تو گویا راستے دو ہی ہیں، ان میں سے ایک راستہ منتخب کر لیجئے۔

اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

[فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ][1]

یعنی: یہ لوگ اگر آپ کی پیروی نہیں کر رہے تو جان لیجئے پھر وہ اپنی خواہشات کے پیروکار ہیں۔

حافظ ابن قیم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اب راستے دو ہی ہیں: تیسرا کوئی راستہ نہیں:

① یا تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

② یا خواہشات کی پیروی

لہذا ہر وہ چیز جو رسول ﷺ سے ثابت نہیں ہے وہ خواہشات نفسانی کے زمرہ میں آتی ہے:

[وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝][2]

یعنی: جنت تو صرف ان کا ٹھکانہ ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور خواہشات نفسانی سے اپنے آپ کو باز رکھا۔

تو برادرانِ اسلام! عافیت اور نجات کا راستہ اتباع کا راستہ ہے، خالص متبع بن جاؤ، ہر مسئلہ میں خواہ چھوٹا یا بڑا، اتباع کا پہلو تلاش کرو۔

منہجِ اتباع اور بعض لوگوں کا طرزِ عمل

بعض لوگوں کے طرز عمل میں ایسا اختلاط آچکا ہے کہ وہ اتباع کی راہ پر بھی چلنا چاہتے

[1] القصص: ۵۰

[2] النازعات: ۴۰، ۴۱

ہیں اور زمانے کی مصلحتوں کے تغیر کی جحت سے دیگر راستوں کو اختیار کرنے پر بھی مجبور ہیں۔

چنانچہ اہل حدیث ہونے کے ناطے اتباع کے منہج پر قائم ہونے کے مدعی بھی ہیں لیکن ان کی خواہشات انہیں دیگر امور پر بھی چلا رہی ہیں، چنانچہ وہ سیاسی میدان میں ٹامکٹوئیاں مار رہے ہیں۔ جمہوریت کے راگ الاپ رہے ہیں اور سیاسی مفاد کی خاطر مشرکانہ طرزِ عمل اور مختلف بدعات تک کو سینے سے لگا لیتے ہیں یہ دورخی ناقابل فہم ہے۔

ہم سمجھتے ہیں اور جیسا کہ اوپر حافظ ابن قیم کا قول بھی گذرا ہے کہ راستے صرف دو ہی ہیں ان میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک دل سبیل اللہ کا بھی مرکز ہو اور سبیل الشیطان کا بھی مرکز ہو۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں انسان دو مختلف جہتوں پر چلے سکے؟ اللہ پاک نے فرمایا:

[مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَيۡنِ فِىۡ جَوۡفِهٖ ۚ][1]

یعنی: اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں لگائے۔

اگر دو دل ہوتے تو پھر ممکن ہوتا۔ لیکن ایک ہی دل دو مختلف منہجوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

منہجِ اتباع اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

میں مسئلہ کی مزید وضاحت کیلئے صحابہ کرام کی سیرتوں سے کچھ مثالیں پیش کرتا ہوں جن سے واضح ہوگا کہ وہ کس قدر اس حقیقت کا فہم رکھتے تھے کہ ہر مسئلہ میں اللہ کے نبی

[1] الاحزاب:۴

ﷺ کی اتباع کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ بظاہر وہ مسئلے چھوٹے ہوں گے لیکن ان چھوٹے مسئلوں تک وہ اتباع کے سوا کسی راستے کا تصور نہیں کر سکتے تھے تو بڑے مسائل میں تو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی کیا حیثیت اور مقام ہوگا! خوب غور کیجئے گا۔

① بشر بن مروان جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، دورانِ خطبہ انہوں نے دعا کیلئے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا، تو صحابی رسول عمارۃ بن رویبہ نے فرمایا:

[قبح الله هاتين اليدين لقد رأيت رسول الله ﷺ ما يزيد على ان يقول بيده هكذا واشار باصبعه المسبحة]

یعنی: اللہ ان دونوں ہاتھوں کو برباد کردے، رسول اللہ ﷺ نے تو کبھی اپنی سبابہ انگلی سے زیادہ سے اشارہ نہیں فرمایا۔[1]

② امام زہری فرماتے ہیں میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہیں روتا ہوا پایا، سبب پوچھا تو فرمایا:

[لا اعرف شيئا مما ادركت الا هذه الصلوة وقد ضيعت]

یعنی: رسول اللہ ﷺ کے دور کی کوئی چیز نظر نہیں آرہی سوائے نماز کے مگر وہ بھی ضائع کردی گئی ہے۔[2]

یہ بات جناب انس رضی اللہ عنہ نے اس وقت کہی جب دیکھا کہ لوگوں نے نماز ظہر میں تاخیر کرنا شروع کردی تھی اور اسی سے ملتے جلتے الفاظ صف بندی میں کوتاہی دیکھ کر بھی کہے تھے۔

[1] مسلم:۸۷۴

[2] بخاری:۵۲۹

③ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک عورت کے پاس سے گذرے، وہ تسبیح کے دانوں پر ذکر کرر ہی تھی آپ نے وہ تسبیح اس سے چھین کر توڑ کر پھینک دی، پھر ایک اور شخص کے پاس سے گذر ہوا وہ بھی اسی طرح تسبیح کرر ہا تھا آپ نے اسے اپنی ٹانگ سے ٹھوکر ماری اور فرمایا:

"لقد سبقتم ... ر کبتم بدعة ظلماً ولقد غلبتم اصحاب محمد ﷺ علماً" [1]

یعنی: شریعت سازی کا کام تم سے پہلے ہو چکا ہے، اور جو کام تم کرر ہے ہو وہ شریعت سے ثابت نہیں لہٰذا تم نے اس دین پر ظلم کرتے ہوئے ایک بدعت جاری کی ہے اور تم لوگ تو گویا علمی میدان میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے بھی سبقت لے جا چکے ہو۔

④ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مسجد میں نماز کیلئے گئے اس وقت آپ نابینا ہو چکے تھے، آپ نے سنا کہ موذن نے اذان کے بعد تثویب کی ہے تو آپ نے اپنے ساتھی سے کہا:

"اخرج بنا عن هذا المسجد فانه بدعة"

ہمیں اس مسجد سے نکال کر لے جاؤ۔ یہ بدعت ہے۔ [2]

⑤ یہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کرر ہے تھے، دیکھا کہ وہ ہر کونے کو چومے جا رہے ہیں، تو جناب عبداللہ بن عمر نے اس سے روکا۔ امیر معاویہ نے فرمایا: یہ اللہ کا مقدس گھر ہے، اس کی تو ایک ایک اینٹ کو بوسہ دینا چاہئے، تو آپ نے فرمایا:

میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اس گھر کا طواف کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے علاوہ بیت اللہ کے کسی حصے کو نہیں چوما۔

---

[1] فتوی للشیخ الالبانی، باب فی بدع الذکر ۱۰۴/۲، رواہ ابن وضاح القرطبی فی البدع والنهی عنها: ۱۱۲

[2] ترمذی: ۱۹۸

⑥ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انی اعلم بانك حجر لا تنفع ولا تضر لولا انی رایت رسول الله ﷺ قبلك ما قبلتك ابدا"

مجھے معلوم ہے کہ تم ایک پتھر ہو، نہ نفع پہنچا سکتے ہو نہ نقصان، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ [1]

گویا امیر المومنین یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ حجر اسود گو کہ جنت کا پتھر ہے اور قیامت کے دن لوگوں کی سفارش کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی گواہی قبول کرے گا، مگر یہ تمام تقدس اس کو بوسہ دینے کی بنیاد نہیں ہے، بوسہ صرف اس لئے دے رہا ہوں کہ محمد ﷺ نے اسے بوسہ دیا تھا۔

برادرانِ اسلام! بظاہر یہ چھوٹے چھوٹے امور ہیں لیکن میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان چھوٹے چھوٹے امور میں بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین اتباع کا پہلو تھامے رکھنے کی تاکید فرماتے تھے۔

وہ عملی طور پر خود بھی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے حریص تھے۔ دنیا کے تمام افکار ومذاہب سے کٹ کر محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ساتھ چمٹ کر بیٹھے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح فرمادی، احوال تبدیل کر دئے، دکھوں اور پریشانیوں کا ازالہ فرمادیا، مادی اور معنوی اعتبار سے مضبوطی عطا فرمادی، فتوحات عطا فرمائیں اور آخرت میں بہشتوں کا وارث بنادیا۔

امام مالک فرمایا کرتے تھے:

---

[1] بخاری: ۱۶۰۵

"لن یصلح اخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا"

اس امت کے آخری زمانے کی اصلاح وہی چیز کر سکتی ہے جس نے اس امت کے پہلے دور کی اصلاح کی تھی۔[1]

اور وہ چیز صرف اتباع رسول ہے۔

فہمِ منہج اور اتباعِ منہج کیلئے اہم قواعد

سامعین حضرات! اتباع رسول کے منہج کے فہم اور اس کے بعد اس پر چلنے کے لئے چند امور پر توجہ دیجئے۔

① قرآن وحدیث سے ماخوذ صحیح اور نفع بخش علم کو حاصل کرنے کا جذبہ بیدار رکھئے صحیح علم کا شوقین گمراہ نہیں ہو سکتا۔

جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"اغد عالما او متعلما او مستمعا ولا تکن الرابع فتھلك"

یا عالم بنو، یا طالب علم، یا علم کی باتیں سننے والا، اور کچھ نہ بنو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔[2]

② دوسری چیز یہ ہے کہ اہل بدعت سے دور رہنے میں اپنی عافیت سمجھئے اور یہ اتباع سنت کا ایک بہترین طریقہ ثابت ہوگا۔

حسن بصری فرمایا کرتے تھے:

"لا تجالس صاحب ھوی فیقذف فی قلبك ما تتبعہ فتھلك"

اہل بدعت کے ساتھ مت بیٹھو، ورنہ وہ آپ کے دل میں اپنی بدعات داخل کر کے

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم ۲/۲۴۳

[2] جامع المسانید لابن کثیر ۱/۸۱

برباد کر دے گا۔[1]

قاضی فضیل بن عیاض فرمایا کرتے تھے:

"اذا رأیت مبتدعا فی طریق فخذ طریق آخر ومن اعان صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام"

یعنی: جب کسی بدعتی کو کسی راستے پر آتا دیکھو تو تم اپنا راستہ تبدیل کر لو اور جس شخص نے کسی بدعتی کے ساتھ تعاون کیا اس نے اسلام کی عمارت کو مسمار کرنے میں تعاون کیا۔[2]

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"من جلس الی صاحب بدعۃ احبط اللہ عملہ واخرج نور الایمان من قلبہ"

یعنی: جو کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے اللہ اس کے اعمال برباد کر دے گا اور اس کے دل سے ایمان کا نور بھی نکال دے گا۔[3]

③ تیسرا قاعدہ یہ ہے قرآن وحدیث کا صحیح علم رکھنے والے علماء کرام کے ساتھ زیادہ ملنے کی کوشش کی جائے، صحیح علم والا مخلص عالم نہ گمراہ ہوتا ہے نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے بلکہ علماء کی صحبت اور مخالطت سے بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں، یوسف بن اسباط فرماتے ہیں:

"کان ابی قدریا واخوالی روافض فانقذنی اللہ بسفیان

یعنی میرے والد قدری تھے، اور ماموں رافضی تھے، مگر اللہ نے مجھے سفیان ثوری کی صحبت سے اس ضلالت سے نجات دے دی۔[4]

---

[1] موسوعۃ الرد علی الصوفیۃ (الجزء ۱۲، ص ۱۲)

[2] حلیۃ الأولیاء ۸/۱۰۳

[3] ذکرہ الامام جلال الدین السیوطی فی کتابہ (الامر بالاتباع والنھی عن البدعۃ ۱/۳

[4] شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ ۱/۶۰

ایوب السختیانی فرمایا کرتے تھے:

ایک نوجوان کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کسی عالم باعمل کی صحبت عطا فرمادے۔

آخر میں جمعیت اہل حدیث سندھ کے اسٹیج سے تمام سننے والے ساتھیوں بالخصوص علماء اور طلبہ سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا پیغام قریہ قریہ بستی بستی اور گھر گھر پہنچانے کی کوشش کریں، یہی ہمارا اول وآخر ہدف ہے اور یہی مقصد حیات ہے:

[نضر الله امرا سمع مقالتي فحفظها ثم اداها كما سمعها]

روز قیامت اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازگی اور سرور عطا فرمائے گا جو میری حدیث سنے، اسے یاد کرے اور اسی طرح آگے پہنچادے۔[1]

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين.

OOOOOOOOOOOOOOO

[1] ابوداؤد: ٣٦٦٠

صدارتی خطبہ

(1998ء)

موضوع:

مسلمانوں کی پستی اور انحطاط کا اہم سبب باہمی افتراق وانتشار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين. وبعد:

برادرانِ گرامیٔ قدر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، وبعد:

ہر قسم کی حمد وثناء، مجد وکبریائی، عظمت وجلالت اس ذات وحدہ لاشریک لہ کیلئے لائق مخصوص ہے جس نے اپنی کتاب ہدایت میں بالکل واضح اور دوٹوک اعلان فرمادیا ہے:

[وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ۚ][1]

ترجمہ: اور بلاشبہ یہ (قرآن وحدیث) ہی راستہ ہے بالکل سیدھا، تم صرف اسی کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ (دوسرے راستے) تمہیں اللہ کے سیدھے راستے سے ہٹادیں گے (اور تم ہمیشہ برگشتہ راہ صواب ہی رہو گے اور ہمیشہ کی ٹھوکریں تمہارا مقدر رہے گا)

تو شکر بجالایئے اپنے خالق، مالک کا جس نے راہ حق اور راہ باطل کی قطعی اور دوٹوک تعیین فرمادی ہے۔ ایسی تعیین کہ اس میں کوئی ابہام اور غموض باقی نہیں رہا، اندھیرے چھٹ گئے، ظلمات مٹ گئیں اور راستہ بالکل اجلا ہوا اور نکھرا ہوا سامنے موجود ہے۔ اس واضح فرمان کے بعد بھی اگر کوئی اندھیرے میں ہے اور قرآن وحدیث کو چھوڑ کر دیگر راستوں پر چل رہا ہے تو وہ ہلاکت وبربادی کی روش اپنائے ہوئے ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] الانعام: ۱۵۳

[تر کتکم علی البیضاء لیلھا ونھارھا سواء لایزیغ عنھا الاھالك]

میں تمہیں چمکدار اور روشن راستے پر چھوڑ کر جارہا ہوں، جس کی رات اور دن برابر ہیں۔ اور اس سے برگشتہ ہونے والا وہی ہے جس کی تباہی وبربادی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔[1]

اس کے بعد میں لاتعداد اور بے شمار درود وسلام بھیجتا ہوں اکرم الخلائق، سید البشر خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے مذکورہ فرمان کو مزید اس طرح واضح فرمایا کہ صحابہ کرام کو ایک دفعہ سامنے بٹھا کر ایک سیدھا خط کھینچا اور اس کے دائیں بائیں بہت سے خطوط کھینچے، پھر سیدھے خط کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

[ھذا سبیل اللہ مستقیما]

یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے۔

اس کے بعد دائیں اور بائیں تمام خطوط کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

[ھذہ السبل لیس منھا سبیل الاعلیه شیطان یدعو الیه]

یہ دائیں بائیں کے تمام راستے ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر راستہ پر شیطان بیٹھا ہوا دعوت دے رہا ہے۔[2]

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

[وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ۚ][3]

مسند احمد کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے یہ آیت کریمہ اس

---

[1] مسند احمد ۱/ ۴۲۵-۴۳۵، مستدرک حاکم ۲/ ۳۱۸، ابن ماجۃ: ۱۰

[2] ایضا

[3] الانعام: ۱۵۳

سیدھے خط پر انگلی رکھ کر تلاوت فرمائی۔ اب اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو حق اور باطل کے راستے بالکل واضح ہو چکے ہیں اور ابہام یا خفاء کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

حافظ ابن جریر الطبری اپنی تفسیر میں لائے ہیں کہ کسی نے فقیہ امت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''صراط مستقیم کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''وہ ایک راستہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ ہمیں چھوڑ کر گئے ہیں جس کا آخری سرا جنت میں جا داخل ہوتا ہے، اس راستے کے دائیں اور بائیں بہت سے سوار کھڑے ہیں اور جو لوگ وہاں سے گذرتے ہیں تو وہ سوار انہیں اپنی طرف دعوت دیتے ہیں، چنانچہ جن لوگوں نے ان دائیں اور بائیں سواروں کی دعوت قبول کر لی وہ جہنم میں جا کر رہیں گے اور جو لوگ دائیں بائیں جھانکے بغیر اس سیدھے راستے پر چلتے رہے وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔''

پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی یہی آیت تلاوت فرمائی:

[وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ][1]

کتاب وسنت ہی صراطِ مستقیم ہے

برادرانِ ملت! اس مختصر سی تمہید سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ حق وصداقت کا راستہ صرف قرآن وحدیث کا راستہ ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں اللہ کی وحی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کو صراط مستقیم کہا ہے:

[فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝][2]

[1] الانعام:۱۵۳

[2] الزخرف:۴۳

پس آپ مضبوطی سے پکڑے رہیے اس چیز کو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ یقینا صراط مستقیم پر آپ ہی ہے۔

وحی الٰہی وہ خزانہ ہے جس میں ہمیشہ حق پر قائم رہنے اور کبھی گمراہ نہ ہونے کی ضمانت موجود ہے اور یہ ضمانت آپ کو اور کہیں نہیں ملے گی۔

[ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا ابدا کتاب الله وسنتی]

یعنی: تمہارے بیچ جو کچھ میں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب، دوسری میری سنت۔[1]

قرآن وحدیث کو صراط مستقیم ماننے کے دو اہم تقاضے

جب رسول اکرم ﷺ نے ہمارے لئے صرف قرآن وحدیث چھوڑا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو صراط مستقیم کہا ہے تو پھر ہمارا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ:

① حق وصداقت کی اساس صرف قرآن وحدیث ہے۔ قرآن وحدیث کے علاوہ جو بھی راستہ ہے اس کی قیادت شیطان کر رہا ہے۔

② جب قرآن وحدیث قیامت تک کیلئے نازل کئے گئے ہیں تو ان دونوں میں قیامت تک کے مسائل کا حل موجود ہے۔ لہذا تسلی اور تشفی کا راستہ یہی ہے کہ ہر مسئلہ کا حل قرآن وحدیث ہی سے تلاش کیا جائے، تیسرے کسی راستہ پر ہرگز نہ چلا جائے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو مکمل ضابطہ حیات قرار دیا ہے:

[اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ

[1] موطا مالک، کتاب الجامع، باب النہی عن القول بالقدر: ۱۶۲۶

دِيْنًا ۔][1]

یعنی: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کردی ہیں۔

تو کیا کوئی شخص اللہ کی مکمل کردہ چیز کو ناقص کہہ سکتا ہے؟

پھر رسول اکرم ﷺ نے بھی فرمایا:

[ما ترکت شیئا یقربکم الی الجنة الا امرتکم به]

یعنی جنت میں پہنچانے والی کوئی چیز میں نے نہیں چھوڑی ہے، بلکہ بیان کردی ہے۔[2]

تو گویا اللہ تعالی کی محبت ورضا اور جنت کے حصول کا ہر عمل رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمادیا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابیٔ رسول ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

[لقد ترکنا رسول الله ﷺ وما طائر یقلب جناحیه فی السماء الا ذکر لها منه علما]

یعنی: رسول اللہ ﷺ ہمیں اس طرح چھوڑ کر گئے ہیں کہ فضاؤں میں پر مارنے والے پرندوں کی بابت بھی ہمیں علم دے گئے۔[3]

تو قرآن وحدیث کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ ان میں رہتی دنیا تک کے تمام مسائل موجود ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے تو کھانا کھانے اور قضائے حاجت تک کے تمام مسائل بیان فرمادیئے۔ بلکہ صدیوں بعد واقع ہونے والے کئی واقعات وحوادث

[1] المائدۃ:۳

[2] مصنف عبدالرزاق، طبرانی وغیرہ

[3] ابن ماجہ، طبرانی وغیرہ

کی نشاندہی بھی فرمادی اور صحابہ پوچھتے تھے کہ اگر ہم اس دور کو پالیں تو ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ تو آپ اس دور اور اس کے حوادث کے تعلق سے صحابہ کرام کی پوری راہ نمائی فرمادیتے۔

اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ ہمارا دین کس قدر کامل وشامل اور کافی ووافی ہے۔ قرآن وحدیث کی صورت میں یہ مکمل دین ہمارے تمام امراض کا علاج اور تمام امور کا پاسبان اور محافظ ہے۔

دین تمام امور کا محافظ ہے

نبی اکرم ﷺ کی مشہور دعا ہے:

اللھم اصلح لی دینی الذی جعلته عصمة امری ...الحدیث

اے اللہ! میرے لئے میرے دین کو سنوار دے کہ اس دین کو تو نے میرے تمام امور کا محافظ بنایا ہے۔[1]

اس کا معنی یہ ہے کہ حاملین قرآن وحدیث کو ہر طرح سے مطمئن ومسرور ہونا چاہئے، ترقی وترفع کی منزل طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہنا چاہئے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

[وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲][2]

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اس پر بھی ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر اتاری گئی ہے اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا (دین) بھی وہی ہے، اللہ نے ان

[1] صحیح مسلم:۲۷۰۳

[2] محمد:۲

کے گناہ دور کر دیے اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔

[وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ][1]

یعنی: محمد ﷺ پر قرآن وحدیث نازل ہوا ہے۔

تو قرآن وحدیث ماننے والوں کے اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے اور ان کے تمام کام بنا اور سنوار دیتا ہے۔

ہماری پستی اور انحطاط کے اسباب

مگر آج ہم اپنا معاملہ اس سے بالکل برعکس ومختلف پاتے ہیں، آج ہم ہر طرف سے دبائے جارہے ہیں، پستی اور غفلت کی حدوں کو چھونے کی کوشش کر رہے ہیں، دعوت وجہاد کا عمل غیر موثر ہوتا جارہا ہے، اخلاقی انحطاط کا شکار ہو چکے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ تمسک بالکتاب والسنۃ اور اعتصام بحبل اللہ میں کہیں نہ کہیں جھول آ گیا ہے، ہمارے رگ وریشہ میں یقینا کوئی ایسا مرض سرایت کر گیا ہے جو ہمارے تعلق بالقرآن والحدیث کو کمزور بنا کر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بن چکا ہے، اس مرض کی تشخیص وتعین ضروری ہے، تا کہ اس کا علاج کیا جا سکے ورنہ بصورت دیگر وہ مرض ناسور بن کر ہماری بربادی کا پیغام بن سکتا ہے، والعیاذ باللہ۔

تشخیص مرض

مرض کی تشخیص وتعین سے قبل ایک نکتہ پر اتفاق ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کونسی تشخیص معتبر ہوگی؟ ایک تشخیص وہ ہے جو میں یا آپ کرتے ہیں اور دوسری تشخیص وہ ہے جو اللہ تعالیٰ

[1] النساء: ۱۱۳

فرماتا ہے، وہ اللہ جو ہمارا خالق ومالک ہے، جو ہمارے ظاہر وباطن، سرائر وعلائن اور لیل ونہار کے تصرفات سے خوب باخبر ہے، جو ہماری نیتوں کے صحت یا خسارے سے خوب خوب واقف ہے۔

[اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ][1]

ترجمہ: یقینا اللہ تعالیٰ پر زمین اور آسمان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ اور یقینا آپ بھی اتفاق کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کی تشخیص ہی زیادہ معتبر اور بالکل درست تصور ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

[اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ][2]

ترجمہ: کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بنائی ہوئی چیز کو نہ جانتا ہو؟ اور وہ بڑا ہی باریک بین اور خوب باخبر ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ ہمارا خالق ہے اور وہ ہمیں سب سے بہتر جانتا ہے، پھر دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے اعداء وامراض بھی سب سے زیادہ اس کے علم میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاۗىِٕكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ڭ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا][3]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے اللہ دوست ہونے میں اور کافی ہے اللہ مددگار ہونے میں۔

مسند احمد اور سنن ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے:

[1] آل عمران: ۵
[2] الملک: ۱۴
[3] النساء: ۴۵

اللہ الطبیب[1]

یعنی: طبیب تو اللہ ہی ہے۔

تو پھر آیئے اللہ کو طبیب تسلیم کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ پر پیش کر دیں اور غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث میں ہمارے امراض کی کیا تشخیص فرمائی ہے اور ان کا کیا علاج تجویز فرمایا ہے؟

یہ بات اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم اپنے امراض کو خود ہی تشخیص کرتے رہیں جو غلط ہی ہوگی، پھر جو علاج تجویز ہوگا وہ غلط تشخیص کی بناء پر غلط ہی ہوگا۔ نتیجہ یہ کہ کبھی اصلاح احوال کی توفیق نہ ملے گی اور ہمیشہ یونہی بھٹکتے رہیں گے۔ پھر یہ بات قطعاً معقول نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پیشاب، پاخانے اور حیض کے مسائل تو خود بیان فرمادے اور اتنا بڑا مسئلہ ہماری تنگ اور ناقص عقلوں کے سپرد کردے۔ فیا للعجب

لہذا اے دانشورانِ ملت اور اے فقیہانِ قوم! خود تشخیص کے خول سے نکل کر خالقِ کائنات کے نازل کردہ قانون ہدایت وفطرت کی طرف پلٹ آؤ۔ اپنے اصل مرض کو پہچانو اور خالق ومالک اور اصل طبیب کے بتلائے ہوئے علاج کو اپنالو کہ اسی میں تمہاری اور تمہاری ملت کی بقاء اور بہتری کا اصل راز ہے۔ واللہ المستعان

اللہ تعالیٰ تشخیص فرماتا ہے:

[وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝][2]

---

[1] ابوداؤد، الرقم:۴۲۰۷

[2] الانفال:۴۶

ترجمہ: اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر وسہارا رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

برادرانِ اسلام! اللہ تعالیٰ نے بڑی صراحت کے ساتھ ہمیں بتلادیا ہے کہ ہماری ناکامی ونامرادی ہمارے ضعف وفشل اور ہماری عاجزی وکمزوری ومحرومی کا ایک ہی سبب ہے اور وہ ہمارا آپس کا افتراق وانتشار اور ناحق اختلاف ونزاع ہے۔ خالق کائنات کی بتلائی ہوئی اس تشخیص کو حرفِ آخر سمجھتے ہوئے تسلیم کرلیجئے اور طے کرلیجئے کہ آج ہمارے ہر بگاڑ اور فساد کا سبب ہمارے اندر پایا جانے والا افتراق وانتشار ہے۔ اور کچھ نہیں!!!

مجھے بعض جماعتی اکابرین کی ایک نشست میں بیٹھنے کا موقع ملا زیر بحث موضوع یہی تھا کہ ہمارے ضعف وانحطاط کی وجوہات کیا ہیں؟ بزرگوں کی آراء کا لب لباب یہ تھا کہ آج ہمارا پریس سے رابطہ کمزور ہے۔ آج ہمارا کوئی سیاسی پلیٹ فارم نہیں ہے۔ آج اسمبلیوں اور حکومتی ایوانوں میں ہماری کوئی آواز نہیں ہے۔ آج ہم چاروں طرف سے مسلم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں، آج ہمیں یہ کوشش کرنا ہوگی کہ گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدوں تک ہمارے افراد پہنچیں۔ آج۔۔۔ آج۔۔۔ آج۔۔۔

بھائیو! اگر تعلق باللہ مستحکم ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق قائم ہو تو بھلا یہ بھی کوئی ضعف وانحطاط کے اسباب ہیں؟ اصل تشخیص کی طرف کیوں نہیں آتے؟ وہ تشخیص جو رب کائنات نے قرآن حکیم میں بالفاظِ صریح بیان فرمادی ہے۔

کامیابی وناکامی کی عظیم مثال

دیکھیے صحابہ کرام کی جماعت ایک بڑی منظم جماعت تھی، افتراق وانتشار سے دور۔

تاحیات اس جماعت کا ایک ہی قائد اور امیر رہا۔یعنی: محمد رسول اللہ ﷺ ۔ چنانچہ اللہ کے نبی کی اس منظم ومتحد جماعت نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور باہمی اتحاد و یگانگت کی برکت سے شرقاً وغرباً قلوب واقالیم کو فتح کرڈالا اور تیس سال کے کم عرصے میں رومیوں، فارسیوں، ترکیوں، صقلیوں، بربریوں، حبشیوں، سوڈانیوں، قبطیوں اور دیگر بہت سے طوائف وقبائل کی سرکشی کو خاک میں ملا کر اسلامی پرچم لہرا ڈالا۔ حالانکہ ان کی تعداد بھی کم تھی، وسائل بھی ناقص تھے، بلکہ اپنے اپنے گھروں اور قوموں کے دھتکارے اور ٹھکرائے ہوئے انسان تھے، مقابلے کے دشمن انتہائی طاقتور اور وسائل سے مالا مال تھے، مگر اس عظیم اور مقدس جماعت نے کبھی ان چیزوں کو ضعف وانحطاط کا سبب شمار نہیں کیا۔ البتہ تربیت بھرپور تھی، تعلق باللہ میں سچے اور کھرے تھے، [اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ][1] کی سچی تصویر تھے۔ نتیجہ قلتِ تعداد اور کمیابی وسائل کے باوجود بڑی بڑی طاغوتی طاقتوں کی کمر توڑ دی اور صرف تین دھائیوں کے اندر اندر پوری دنیا پر چھا گئے۔

برادرانِ اسلام! لیکن جنگ احد کے موقع پر اس مقدس جماعت کے ایک چھوٹے سے گروہ سے جزوی اختلاف ونزاع رونما ہوا تو اس کا نتیجہ پوری قوم کو بھگتنا پڑا۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے:

جنگ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک درہ پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس تیراندازوں کو مامور ومتعین فرمایا اور ان سے کہا:

[1]احموا ظهورنا فان رايتمونا نقتل فلا تنصرونا وان رايتمونا قد غنمنا فلا

[1] الفتح:۲۹

تشركونا[1]

یعنی تم یہاں کھڑے رہنا، ہم لڑیں گے اور تم ہماری پشت پناہی کرنا اگر تم دیکھو کہ ہم قتل کئے جا رہے ہیں تو پھر بھی ہماری مدد کیلئے مت آنا اور اگر دیکھو کہ ہم فتح پا چکے ہیں اور مالِ غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو پھر بھی ہمارے پاس نہ آنا کہ مال سمیٹنے میں ہماری مدد کرو۔ (بلکہ تاحکم ثانی اس درے پر ہی کھڑے رہنا)

معرکہ احد شروع ہوا اور اول النہار ہی لشکر اسلامی غالب وفاتح بن گیا۔ دشمن میدان احد میں تقریباً ۱۹ لاشیں اور بہت سا مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں اور ادھر درے پر مامور تیرانداز اپنے امیر سے اختلاف ونزاع پیدا کئے کھڑے ہیں۔ تیراندازوں کا موقف تھا کہ فتح ہو چکی، لہذا اب درے پر کھڑے رہنے کا کوئی جواز نہیں، جبکہ امیر کا موقف تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہاں تاحکم ثانی کھڑا رہنے کا حکم دیا ہے، لہذا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہر چیز پر مقدم ہے، مگر ان تیر اندازوں نے اپنا اختلاف ونزاع برقرار رکھا اور درہ خالی کر کے نیچے اتر آئے۔ ادھر مشرکین کی اس خالی مورچے پر نظر پڑ گئی، وہ واپس پلٹے اور ان کے گھڑسواروں نے مالِ غنیمت چننے والے صحابہ کرام پر تیروں کی وہ یلغار و بوچھاڑ کی کہ وہ سب بوکھلا اٹھے۔ دشمنوں کے تیر تو لگ ہی رہے تھے آپس میں بھی ایک دوسرے کو مارنا شروع کر دیا۔ پھر نتیجہ کیا نکلا؟ فتح شکست میں بدل گئی، تقریباً سب ہی صحابہ زخمی ہوئے۔ ستر صحابہ کرام شہید ہو گئے، ان کی لاشوں کا مثلہ کیا گیا شیطان " قُتِلَ مُحَمَّدٌ قُتِلَ مُحَمَّدٌ" (یعنی محمد شہید ہو گئے) کے نعرے لگا رہا ہے۔ ابوسفیان دندناتا پھر رہا ہے اور پوچھ رہا ہے: محمد کہاں

[1] [illegible]

ہے؟ ابوبکر کہاں ہے؟ خطاب کا بیٹا عمر کہاں ہے؟ اور ادھر رسول اللہ ﷺ، سردارِ کائنات ایک گڑھے میں نڈھال پڑے ہیں۔ زخمی سر، ٹوٹا ہوا دانت اور زخم سے بہتا ہوا خون اور سب سے بڑھ کر ابوسفیان کو اپنے بتوں کی جےَ کا نعرہ لگانے کا موقع مل گیا۔ کبھی اُعْلُ ھبل کہہ رہا ہے اور کبھی لنا عزی ولا عزی لکم کہہ رہا ہے، اس پوری صورتِ حال کا سبب قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

[وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ][1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اس کے حکم سے انہیں کاٹ رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم نے پست ہمتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی، اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تمہیں دکھادی۔

آیت کریمہ نے واضح طور پر بتلا دیا ہے کہ کچھ صحابہ کرام کے اختلاف نے مذکورہ صورت حال پیدا کر دی تھی۔

غور کیجئے! یہ اختلاف ونزاع کس قدر مضرت رساں اور تباہ کن ہے، کیسے خوفناک عواقب ونتائج کا حامل ہے، چنانچہ صحابہ کرام باوجودیکہ اللہ کے نبی کی منظم، مربوط اور متحد جماعت تھے اور باوجودیکہ جنگ احد میں خود اللہ کے نبی ﷺ قیادت فرما رہے تھے اور باوجودیکہ مقابلے کا دشمن اسلام کا اولین دشمن تھا، مگر اختلاف ونزاع کی مضرت ونحوست ملاحظہ ہو کہ یہ مقدس ترین اور پاکیزہ ترین جماعت بھی اس کی لپیٹ میں آئے بغیر نہ رہ سکی۔ حالانکہ ان کا یہ اختلاف دائمی نہ تھا، عارضی اور وقتی تھا، بلکہ چند لمحات کا تھا مگر پھر بھی

---

[1] آل عمران:۱۴۵

کتنے بڑے نقصان کا متحمل ہونا پڑا۔ لیکن آج ہمارے اختلاف تو دائمی شکل اختیار کئے ہوئے ہیں وہ ایک جماعت تھی اور ہم مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، وہ نیک اور صالح افراد تھے اور ہم بہت سی معصیتوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، پھر ہمارا کیا انجام ہونا چاہئے؟ خوب غور کیجئے!

تاریخ کچھ اور آگے بڑھتی ہے، صحابہ کرام کی اس مثالی، منظم اور متحد جماعت کے اندر ایک دفعہ پھر اختلاف نمودار ہوا، جس نے بہت سے صحابہ کرام کو دو گرہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور دوسرا گروہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گیا۔ یہ اختلاف دونوں گروہوں کے درمیان قتل پر منتج ہوا اور تین دن کی جنگ کا انجام کیا ہوا؟ ستر ہزار افراد قتل ہو گئے اور یہ ستر ہزار افراد اپنے پیچھے ایک لاکھ عورتوں کو بیوہ اور ڈیڑھ لاکھ بچوں کو یتیم چھوڑ گئے، جبکہ ان یتیموں اور بیواؤں کا کوئی گناہ نہیں تھا۔

اور بات یہیں ختم نہیں ہوئی، بلکہ یہ اختلاف مزید بڑھتا گیا، امت تقسیم در تقسیم ہوتی گئی، بہت سے طوائف ضالہ نے آگے چل کر جنم لیا، فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور مسلمانوں کے اپنے علاقے چھننا شروع ہو گئے، کبھی سقوط اندلس کی صورت میں اور کبھی سقوط خلافت عثمانیہ کی شکل میں۔

یہ سب افتراق وانتشار کا شاخسانہ ہے، ہمیں صحابہ کرام کی نیتوں کی پاکیزگی اور نظافت وطہارت میں ادنیٰ سا بھی شبہ نہیں ہے، ان نفوسِ قدسیہ کو اپنی لیڈری جمانے اور چمکانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ لیکن یہ افتراق وانتشار جب بھی ہوگا، جس وجہ سے بھی ہوگا اور جس قسم کے انسانوں سے بھی ظہور پذیر ہوگا اپنے پیچھے تباہی وبربادی کے بڑے بھیانک آثار چھوڑ کر جائے گا، کیا دورِ صحابہ میں دیگر معصیتیں نہیں تھیں؟ کیا بعض صحابہ زنا

کے جرم میں رجم نہیں کئے گئے؟ کیا بعض صحابہ سے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر قذف کا ارتکاب سرزد نہیں ہوا؟ کیا بعض صحابہ سے شراب کا سودا کرنے کی بھول نہیں ہوئی؟ کیا بعض صحابہ سے شربِ خمر کی غلطی نہیں ہوئی؟

یہ سب غلطیاں ہوئیں اور غلطی کرنے والوں نے اپنا معاملہ بھی صاف کروالیا لیکن ان معصیتوں سے اسلامی مجتمع پر کوئی اثرات بھی مرتب نہیں ہوئے۔لیکن دعوت وجہاد کے ذریعہ پوری دنیا پر چھاجانے والے، نبی اکرم ﷺ پر اتنا تن من دھن قربان کردینے والے، انہی نفوسِ قدسیہ سے اختلاف وافتراق کی ایک دوبار غلطی سرزد ہوئی (جس میں ان کی نیتوں میں قطعاً کوئی بگاڑ یا فساد نہیں تھا) تو اس کے بڑے خوفناک اور بھیانک عواقب ونتائج بھگتنا پڑے۔تو پھر ہمارا انجام کیا ہوگا؟

منہج کا انحطاط

ہمارے ہاں تو جماعت واحدہ کا تصور ہی مفقود ہو چکا ہے، بیسیوں دھڑے اور ان کے نتیجہ میں بیسیوں امارتیں وجود میں آچکی ہیں اور بعض لوگ تو منہج کا یوں ستیاناس بھی کررہے ہیں کہ ایک مسئلہ جس کے ساتھ انہیں شغف ہے (خواہ باقی مسائل پر کوئی توجہ نہ ہو) کی بنیاد پر مستقل جماعت تشکیل دے لیتے ہیں اور خود اس کے امیر بن جاتے ہیں۔دنیا میں کیا انجام ہوگا اور روز قیامت اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔جبکہ تفریق وتشتیت کے اس خطرناک جرم کی تہہ میں اور بہت سی غلاظتیں اور نجاستیں ہمارے رگ وریشہ میں سرایت کرچکی ہیں۔مثلاً حبِ منصب، حبِ مال، ریاکاری، اعمال کی تشہیر اور دوسری پارٹیوں یا جماعتوں کا تجسس، ان کے افراد کی عیب جوئی، غیبت، نمیمہ، بہتان طرازی اور دیگر بہت

سے جرائم خبیثہ مثلاً: مالی خیانتیں، ان میں سے ہر گناہ اپنی جگہ بڑا ہیبتناک اور ہولناک ہے اور بعض دفعہ ان میں سے کسی ایک گناہ کا ارتکاب تمام نیکیوں کو (اگر ہوں تو) برباد کردیتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ماذئبان جائعان أرسلا فی غنم بأفسد لها من حرص المرء علی المال والشرف لدینه»[1]

یعنی: دو بھوکے بھیڑیئے پوری رات بکریوں کے ریوڑ میں گذار کر انہیں اس قدر نقصان نہیں پہنچاسکتے جتنا آدمی کے دین کو دو چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے (۱) مال کی محبت (۲) عہدے کی محبت۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لایدخل الجنة نمام»[2]

چغلخور انسان جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

اجتماعی جہادی مال میں ایک مجاہد نے جو رسول اللہ ﷺ کا خادمِ خاص تھا اور شہید بھی ہوگیا تھا صرف ایک چادر کی خیانت کرلی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہی چادر جہنم کی آگ بن کر قبر کے اندر اسے جھلسا رہی ہے۔

جہاں سوئی اور دھاگے کی امانت بھی ادا کرنی فرض ہے وہاں بڑی بڑی مالی بدعنوانیوں، رقوم کے ناجائز استعمال اور تصرف سے عہدہ برآ ہونا کس طرح ممکن ہوگا؟ اللہ کا مال کھا کر کوئی اللہ کے قہر سے بچ سکے گا؟

[1] ترمذی، الرقم:۲۳۷۶

[2] مسلم رقم الحدیث:۳۰۳

سامعین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ افتراق وانتشار کی تہہ میں چھپے ہوئے گناہ کس قدر مہیب اور خطرناک ہیں۔ جب اختلاف وانتشار کی غلطی کے نادانستہ ارتکاب سے سزا پانے سے گروہ صحابہ نہ بچ سکا، جن کی نیتیں صالح تھیں اور تعلق باللہ انتہائی قوی تھا، تو ہم اس فعلِ بد کے دیدہ ودانستہ ارتکاب سے سزا پانے سے کیسے بچ سکیں گے جبکہ ہماری نیتیں بھی فاسد ہیں اور تعلق باللہ بھی کمزور ہے، کیونکہ ہم توحبِ منصب، حبِ مال، ریاکاری، تجسس، غیبت، چغلی الزام تراشی اور دیگر بہت سی نجس اور قبیح حرکات کے مرتکب ہوچکے ہیں۔

اعاذنا اللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا

دروس ونتائج

برادرانِ اسلام! ہمارے اس مختصر سے مقالے کا خلاصہ چند بنیادی مسائل پر مشتمل ہے:

① ہماری دنیوی اصلاح اور اخروی فلاح صرف اور صرف وحی الٰہی پر قائم اور موقوف ہے، اور وحی الٰہی قرآن وحدیث کے مبارک اور معطر مجموعے کا نام ہے جو محفوظ ہاتھوں اور مخلص بندوں سے منتقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا اور قیامت تک قائم رہے گا۔

② چونکہ قرآن وحدیث قیامت تک کے لوگوں کی ہدایت وفلاح کے لئے نازل کئے گئے ہیں، اس لئے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام مسائل وقضایا کا حل ان میں موجود ہے۔

③ قرآن وحدیث کے حاملین اور وارثین کیلئے عزت اور غلبہ ہے، مگر ہماری حالت بالکل برعکس اور قطعی مختلف ہے اور ہم تباہی وبربادی کے دہانے پر کھڑے ہیں جس کا لازمی

مطلب یہ ہے کہ یہ تعلق اب ڈھیلا اور کمزور پڑ چکا ہے۔

④ ہم اپنے عجز وضعف وانحطاط کی تشخیص خود کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے صحیح علاج تک رسائی نہیں ہوتی کیونکہ صحیح علاج تو صحیح تشخیص کے مرہونِ منت ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے مسلمانوں کے ضعف وزوال کا بنیادی اور مرکزی طور پر ایک ہی سبب تجویز فرمایا ہے اور وہ آپس کا انتشار، افتراق اور اختلاف ہے، اللہ اصدق القائلین کی یہ تشخیص بالکل صحیح اور مطابقِ واقع ہے، چنانچہ آج اگر ہم اپنی جماعتی کیفیت کا مشاہدہ کریں تو اختلاف وانتشار اور افتراق کی بھرمار نظر آتی ہے۔

گروپ بازی کا مرض اور اس کا طریقہ واردات

سامعین کرام! اختلاف سے مراد مسائل کا اختلاف نہیں، بلکہ اس سے مراد گروپ بازی اور تنظیم سازی کا مرضِ مجرمانہ ہے جس کے نتیجے میں متعدد جماعتیں اور امارتیں قائم ہوچکی ہیں، کوئی بیس سال قبل، کوئی پندرہ اور دس اور پانچ سال قبل اور شاید یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہے۔

طریقہ واردات یہ ہے کہ امیر سے ذاتی وجوہ سے اختلاف ہو یا بعض اوقات کسی شرعی مسئلہ کی بنیاد پر اختلاف ہو تو فوراً علیحدگی اختیار کرلی، ناراضگیاں قائم کرلیں۔ حالانکہ یہ علیحدگی اور ناراضگی بلا جواز ہے، شریعت کے خلاف ہے، میں اپنی ناقص عقل سے یہی سمجھتا ہوں کہ اختلاف کے باوجود امیر کے ساتھ صبر واستقلال کے ساتھ چمٹا رہے تا کہ امت کی صفوں میں دراڑ نہ پڑ جائے۔ اپنی طرف سے اصلاح کی کوشش جاری رکھے، اگر اصلاح میں کامیاب ہوگئے تو اضعافاً مضاعفۃ اجر وثواب کے مستحق قرار پاؤ گے اور اگر کامیاب نہ

ہو سکے تو صبر کے ساتھ چلتے رہو، عنداللہ آپ سرخرو ہیں اور اس سلسلہ میں کسی جوابدہی کا بوجھ آپ کے کاندھوں پر نہیں ہوگا۔

لیکن یہاں ہوتا یہ ہے کہ پہلے اختلاف کیا، پھر اسے خوب ہوا دی، غیبت اور بہتان طرازیوں کا طوفان بدتمیزی بپا کر دیا، بالآخر جماعت سے علیحدگی اور خروج اور اس کے بعد چند افراد کو ملا کر ایک نئی جماعت کی تشکیل اور خود اس کے امیر۔ بقول شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ بھی شیطان کا ایک زبردست وار ہے، کچھ لوگ کام کرنا چاہتے ہیں، شیطان ان کی نفسیات کو پڑھ لیتا ہے، انہیں کام سے نہیں روکتا، بلکہ ایک نئی تنظیم بنوا کر کام کرنے کی سمجھاتا ہے، وہ خوش ہے کہ خوب کام ہو رہا ہے اور شیطان خوش ہے کہ میں نے ایک نئی تنظیم بنوا کر امت کی صفوں میں مزید دراڑیں پیدا کر دی ہیں۔ فالی اللہ المشتکی

ہمارا کردار

اب ان تنظیم سازیوں اور تنظیموں سے ہمارا کیا تعلق ہونا چاہئے؟ وہی جو اللہ نے بیان فرمایا ہے:

[إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾][1]

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں بس ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔ پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے۔

[وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ

[1] الانعام:۱۵۹

لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾][1]

ترجمہ: تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا، اور اختلاف کیا، انہیں لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔

[مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾][2]

ترجمہ: ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔

''جمعیت اہل حدیث سندھ'' ایک قدیمی نظم

میں جمعیت اہل حدیث سندھ کی اسٹیج پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ بحمد اللہ وفضلہ آپ کوئی نیا گروہ نہیں ہیں۔ آپ کا مقام تفریق وتشتیت کی لعنت سے بہت اعلیٰ وبالا ہے جس مرکز میں آپ تشریف فرما ہیں اس کی خدمات کا سلسلہ قیام پاکستان سے قبل ہی سرزمین سندھ میں بالخصوص اور دیگر مناطق واقالیم میں بالعموم جاری وساری ہے۔

جس شخصیت کی امارت سے آپ منسلک ہوئے ہیں، وہ ایک عالم ہے، محدث ہے، فقیہ ہے، صالح العمل اور بلند کردار ہے، وہ عرب وعجم کا شیخ ہے، وہ عظیم داعی اور مجاہد ہے، وہ بلا خوف لومۃ لائم دعوت کا عظیم کام اس طرح انجام دے کر سرخرو ہو گیا کہ روز قیامت بالخصوص سندھ کی خاک کا ایک ایک ذرہ، درختوں کا ایک ایک پتہ، اور پانی کا ایک ایک قطرہ ان شاء اللہ، اللہ کے دربار میں گواہی دے گا کہ: اے اللہ! ہم نے تیرے عظیم بندے بدیع الدین شاہ الراشدی کی زبان سے توحید وسنت کی اذانیں سنی تھیں، رحمہ اللہ

[1] آل عمران:۱۰۵

[2] الروم:۳۲

رحمة واسعة وضاعف اجره وغفر ذنوبه وادخله جنة الفردس.

آپ اپنے اس نظم کی حفاظت کیجئے، سچائی اور وفاداری کے ساتھ، صحت عقیدہ اور صداقتِ منہج کے زیر سایہ عصرِ حاضر کی مکارانہ سیاست اور سیاسی شعبدہ بازوں سے دور رہتے ہوئے، تربیت اور دعوت واصلاح کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہوئے عظیم فریضہ جہاد کی ہمرکابی کرتے ہوئے۔ واللہ ولی التوفیق

تنظیم سازوں کی اصلاح کیلئے دو قواعد

جو لوگ تنظیم سازیوں کے جرم میں مبتلا ہو چکے ہیں، ان کیلئے اصلاح کی ایک ہی آواز موثر اور کارگر سمجھتا ہوں اور وہ ہے:

اتقوا اللہ۔ اللہ سے ڈرو، ہر تنظیم والا سمجھتا ہے کہ اس کی تنظیم کس دور کی اور کن حالات کی پیداوار ہے، یہ پھوٹ کا راستہ ہے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے مترادف ہے، دنیا کے چند دن لیڈری کی چمک دمک میں گزر جائیں گے مگر اخروی مسئولیت کی تاب کون لا سکے گا:

[يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝][1]

دوسری موثر آواز دعا ہے:

الدعا سلاح المومن[2]

دعا تو مومن کا ہتھیار ہے۔

[1] الشعراء: ۸۸،۸۹

[2] مستدرک حاکم، رقم الحدیث: ۱۸۱۲

[عَسٰى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝][1]

اللہ سے دعائیں مانگنے والا محروم و نامراد نہیں ہو سکتا۔

وہ دعا یہ ہے:

اللھم عدلھم او بدلھم

اے اللہ! ان نئی نئی تنظیموں کے زعماء اور ان کے آلہ کاروں کو ہدایت دے اور اگر تو انہیں ہدایت کے قابل نہیں سمجھتا تو انہیں بدل ڈال۔

برادرانِ اسلام! فرقہ بندی ایک زہر قاتل ہے، ابلیس کی ذریت زمین پر پھیلی ہوئی ہے، اللہ کے بندوں کو ورغلانے، پھسلانے اور گمراہ کرنے کے عمل میں مصروف ہے اور ابلیس اپنے اس چیلے کو باقاعدہ گلے سے لگاتا ہے جو کسی ایک گھر میں پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اور یہاں معاملہ گھر کا نہیں، جماعت اہل حدیث کا ہے، جو اللہ کے نبی کی جماعت ہے۔

آیئے اس جماعت کے ایک ہونے کی، منظم و متحد ہونے کی دعا کریں، یہ جماعت اس طرح ایک ہو جائے کہ اس پر اللہ کے نبی کا یہ فرمان صادق و منطبق آ جائے:

ید اللہ علی الجماعة

جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔[2]

اور ظاہر ہے جس جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوگا اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ نہ امریکہ،

[1] مریم: ۴۸

[2] مرعاة المفاتیح ۱/۲۸۰

نہ روس، نہ ہندوستان نہ ان کے ایٹم بم اور پرتھوی میزائیل، اور نہ ہی یہود وہنود کی کوئی سازش۔

اللهم وفقنا لما تحب وترضى واصلي واسلم على نبيه محمد وعلى آله واهل طاعته اجمعين.اقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم ولسائر المؤمنين.

OOOOOOOOOOOO

صدارتی خطبہ

(1999ء)

موضوع:

مسلکِ اہل حدیث: حقانیت، فضیلت ومنقبت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أفضل الرسل والمبعوثين وعلى آله وأصحابه وأهل طاعته أجمعين و بعد:

سامعین حضرات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کی سب سے اعلیٰ نعمت

آج اگر میں اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات پر نظر ڈالوں تو مجھے سب سے قیمتی اور ارفع واعلیٰ نعمت یہی دکھائی اور سجھائی دیتی ہے کہ اس ذات جل وعلا نے ہمیں مسلک اہل حدیث عطا فرمایا ہے جو ایک سچا، سُچا اور کھرا مسلک ہے جس کی صرف دو ہی بنیادیں ہیں ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ۔ جس کے صرف دو ہی اصول ہیں:

[اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ][1]

حضرات! میں مسلک اہلحدیث کے سچا اور کھرا ہونے کی بات اس لئے نہیں کر رہا کہ یہ میرا یا میرے آباء واجداد یا میرے بزرگوں اور جماعتی دوستوں کا مسلک ہے۔ ہرگز نہیں! دین اسلام میں صداقت کی یہ بنیادیں قطعاً نہیں ہیں بلکہ دین نے تو ان بنیادوں کی بیخ کنی کی ہے۔

[وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾][2]

ترجمہ: اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی

[1] محمد:۳۳

[2] البقرة:۱۷۰

تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں۔

[اِتَّبِعُوۡا مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۳﴾][1]

ترجمہ: تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

ان آیات کریمہ میں وحی الٰہی کے علاوہ پیروی کے ہر راستہ کی نہ صرف صریح نفی موجود ہے بلکہ اسے خلاف عقل وہدایت قرار دیا گیا ہے تو پھر اپنے اہل حدیث ہونے پر کیوں نہ فخر کروں کہ اس مسلک کی بنیاد وحی الٰہی ہے؟

اہل حدیث نام میری پہچان ہے۔

اہل حدیث کی شان میں امام شافعی رحمہ اللہ ودیگر ائمہ کے اقوال

اہل حدیث نام میرے عقیدہ، عمل، خلق اور منہج کی صداقت کی ضمانت ہے امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

أهل الحديث في كل زمان كالصحابة في زمانهم [2]

یعنی ہر دور میں اہل الحدیث کا وہی مقام ومرتبہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے دور میں مقام ومرتبہ تھا۔

امام شافعی رحمہ اللہ مزید فرماتے تھے:

[1] الاعراف:۳

[2] فضل شرف علم الحديث ۱/۱۳ المستخرج على المستدرك ۱/۱۳

[اذا رأیت صاحب حدیث فکانی رأیت أحدا من أصحاب رسول ﷺ] [1]

یعنی میں جب کسی اہل حدیث کو دیکھتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کو دیکھ رہا ہوں۔

ایک بہت بڑے محدث ابوبکر بن عیاش کا قول ہے۔

[أهل الحدیث فی کل زمان کأهل الإسلام مع أهل الادیان] [2]

یعنی اہل حدیث کا ہر دور میں دیگر لوگوں سے وہی فرق ہے جو ہر دور میں اہل الاسلام کا دیگر ادیان والوں سے فرق ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا:

کسی شہر میں اہل حدیث ہو جسے صحیح وضعیف کی زیادہ معرفت بھی مستحضر نہ ہو اور ایک صاحب الرائے ہو تو مسئلہ کس پوچھا جائے؟

فرمایا:

[یسأل صاحب الحدیث ولا یسأل صاحب الرأی] [3]

اہل حدیث سے پوچھا جائے۔ اہل الرائے سے نہ پوچھا جائے۔ مزید فرمایا:

[لا تری أحد ینظر فی کتب الرأی غالباً الا فی قلبه دخل] [4]

جو شخص (حدیث کے بجائے) رائے پر مبنی کتب پڑھتا ہے اس کا دل مکر وفساد سے لبریز ہے۔

---

[1] فضل شرف علم الحدیث ۱/۱۳ المستخرج علی المستدرل ۱/۱۳

[2] فضل شرف علم الحدیث ۱/۱۴ المستخرج علی المستدرل ۱/۱۴

[3] المستخرج علی المستدرل ۱/۱٦

[4] المستخرج علی المستدرل ۱/۱٦

امام احمد بن حنبل کا مذکورہ جواب قرآن پاک کی اس آیات سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے:

[فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ] [1]

تمہیں جس مسئلہ کا علم نہ ہو اس کی بابت اہل ذکر (قرآن وحدیث والوں) سے پوچھا کرو۔

اہل حدیث کی ایک عظیم فضیلت

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اہل حدیث کے مناقب وفضائل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

فرمان باری تعالیٰ: [يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ] [2] (ترجمہ) اس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے اماموں کے ساتھ بلائیں گے۔ اہل حدیثوں کی اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں ہو سکتی (کیونکہ دنیا کے ہر گروہ نے اپنی مرضی سے اپنا کوئی امام بنا رکھا ہے) اور اہل حدیث کے امام تو صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

اہل حدیث کی منقبت میں ایک حدیث

بعض علماء سلف سے منقول ہے: اہل الحدیث کی منقبت وفضیلت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا میں داخل وشامل ہیں:

[نضر الله امرأ سمع منا حدیثا فحفظه حتی یبلغه غیره.....] [3]

اے اللہ! اس شخص کو رونق وتر وتازگی عطا فرما جو ہماری کسی حدیث کو سن کر یاد کر لیتا ہے اور دوسروں تک پہنچا بھی دیتا ہے۔

---

[1] النحل: ۴۳

[2] الاسراء: ۷۱

[3] ابوداؤد، الرقم: ۳٦٦۲، ترمذی، الرقم: ۲٦۵٦

حافظ سفیان بن عیینہ فرمایا کرتے تھے:

الیس من أهل الحدیث أحد الا وفي وجهه نضرة لهذا الحديث [1]

یعنی اس حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ہر اہل حدیث کے چہرہ میں رونق و تروتازگی و شگفتگی موجود ہے۔

اہل حدیث ایک مقدس و برحق جماعت

حضرات! یقینا اہل حدیث ایک مقدس و برحق جماعت کا نام ہے یہ بات میں دل کی گہرائیوں سے پورے قطع و جزم اور یقین و بصیرت کی ساتھ کہہ رہا ہوں جبکہ مجھے یہ بات بھی پورے وثوق کے ساتھ معلوم ہے کہ کل قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہونا ہے اور اس نے زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ اور قلم سے لکھے ہوئے ایک ایک جملہ کا حساب لینا ہے۔

یوم حشر کی پیشی مدنظر ہے اور یہ بات کہہ رہا ہوں کہ جماعت حقہ صرف جماعت اہل حدیث ہے اگر مجھ میں کوئی خامی ہے تو وہ میری ذات کی خامی ہے میرا مسلک و منہج اس سے بری ہے وہ پاک اور سچا ہے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء.

اہل حدیث کی حقانیت وصداقت کا سب سے بڑا نشان

حضرات گرامی! مسلک اہل حدیث کی حقانیت وصداقت کا سب سے بڑا اور عظیم الشان و گرانقدر نشان یہ ہے کہ اس میں تقلید جامد جیسی کراہت وقباحت کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔

[1] المستخرج علی المستدرك ١٣/١

فتنہ تقلید سے میری حفاظت وصیانت میری بہت بڑی سعادت ہے کیونکہ تقلید تو بہت بڑی اور بھیانک اخطاء کا مرقع و مجموعہ ہے، پورے قرآن وحدیث کے ذخیرہ میں اس لفظ کا ذکر تک نہیں ملتا۔

تقلید کی دو بڑی بھیانک غلطیاں

میں آج کی مجلس میں تقلید کی دو بڑی بھیانک غلطیوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں یہ غلطیاں معمولی نہیں ہیں بلکہ انجام کار کے لحاظ سے انتہائی تباہ کن ہیں ان بھیانک غلطیوں کے ارتکاب سے نہ تو انسان کا عقیدہ بچتا ہے اور نہ ہی اس کا عمل محفوظ رہتا ہے بلکہ اگر ناگوار خاطر نہ لگے تو ایمان سے محرومی کی سزا مقدر بن سکتی ہے۔

ان غلطیوں کا تعلق مسئلہ اختلاف امت سے ہے۔ یعنی کسی بھی مسئلہ میں امت کے دو یا زیادہ افراد یا گروہوں میں اختلاف واقع ہوجائے یا کسی بھی مسئلہ میں ہم کسی سے اختلاف کر بیٹھیں تو اس کے حل کا طریقہ کیا ہے اس اختلاف کے ازالہ کی آخری عدالت یا فائنل اتھارٹی کیا ہے؟ بالفاظ دیگر اختلافی امور میں ہماری شریعت نے ہمیں کس حصار کے اندر محصور کیا ہے؟ ہم پر کیا ذمہ داری عائد کی ہے؟ ہمیں کس چیز کا پابند بنایا ہے؟ یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے، بہت ضروری اس لئے کہ یہ ہمارے ایمان، عقیدہ اور عمل کی صحت وسلامتی کی اساس ہے۔

اختلافی مسائل میں اہل تقلید کی روش

اختلافی مسائل میں اہل تقلید کی روش اور طرز عمل یہی ہے کہ اپنے امام کے قول سے چمٹا رہا جائے چنانچہ اگر کوئی شخص حنفی ہے تو اختلافی مسائل میں اس کا مستند امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

ہیں، اگر کوئی شافعی ہے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر اکتفاء کر کے بیٹھ جائے گا، مالکی امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب سے تمسک اختیار کر لے گا اور حنبلی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے فتوی سے جڑا رہے گا۔

[کما لا یخفی علی من له ادنی اطلاع و ممارسة علی مذاهب القوم و کتبهم و أصوانهم]

لیکن یہ طرز عمل شریعت کے خلاف ہے شریعت نے دریں حالت قرآن وحدیث کی طرف رجوع ہونے کا حکم دیا ہے ان حالات میں دوسرا کوئی راستہ ہے ہی نہیں اور جو کوئی دوسرا اختیار کرے گا وہ صریح ضلالت کا شکار ہو گیا۔

اختلاف کا صدور معیوب نہیں لیکن اس کا بقا معیوب ہے

پہلی بات یہ سمجھ لیجئے کے اختلاف کا صدور تو معیوب نہیں ہے لیکن اختلاف کا بقاء بہت ہی معیوب ہے، شریعت نے اختلاف وتنازعہ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا نقیض قرار دیا ہے:

[وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا][1]

اور اللہ اور اس کی رسول کی اطاعت کرو اور اختلاف ونزاع نہ کرو ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کا راستہ اطاعت کی ضد اور نقیض ہے اور جبکہ قرآن و حدیث موجود ہے تو پھر بقاء اختلاف چہ معنی دارد؟ اور جب تک تقلیدی مذاہب کا وجود ختم نہیں ہوتا تب تک اختلاف برقرار رہے گا۔ اور بقاء اختلاف چونکہ اطاعت کے بالمقابل ایک راستہ قرار پا چکا ہے تو پھر یہ ایک ایسا مہلک ہے جس سے امت کا فساد، انتشار، و

[1] الانفال:٤٦

الفراق بڑھتا رہے گا۔ اس لئے پوری امت کی صلاح، عافیت، اور دنیا وآخرت میں فلاح کی بنیاد قرآن وحدیث کی براہ راست اطاعت ہے جس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مسلک اہل حدیث قبول کر لیا جائے۔

قرآن وحدیث نے جہاں بھی اختلاف کا ذکر کیا معرض شر میں کیا اور جہاں اختلاف کے حل اور مخرج کی بات کی وہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹنے یا لوٹا دینے کی پابندی عائد کر دی۔۔۔ تقلیدی مذاہب اس پابندی کو قبول کرنے کی بجائے اپنے اماموں کے فیصلوں پر اڑے رہ گئے، ایک دو یا چند بار نہیں بلکہ بار بار اور ہر بار۔ نتیجہ راہ صواب سے دور سے دور تر ہی ہوتے رہے اور ایمان وعمل کی سلامتی داؤ پر لگا دی۔

اختلاف کے حل اور مخرج کیلئے شرعی اصول

قرآن وحدیث کے نورانی ارشادات ملاحظہ ہوں۔

[يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا][1]

ترجمہ: اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

یہاں تمام مسائل میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم ہے۔ لیکن اختلاف اور

[1] النساء:٥٩

تنازعہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے حکماً یہ پابندی عائد کردی ہے کہ اس قسم کے مسائل اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ اختلافی مسائل میں کسی چھوٹے بڑے کا فیصلہ نہیں چلے گا، کسی نیک یا بد کا قول نہیں چلے گا بلکہ صرف اور صرف اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی بات چلے گی۔

اللہ تعالیٰ نے اس پابندی کے قبول کرنے کو ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کے ساتھ مربوط و منسلک بلکہ مشروط کر دیا ہے۔ دنیا اور آخرت کی تمام اچھائیوں اور بھلائیوں کا منبع قرار دیا ہے۔ اس آیت کریمہ نے جہاں اختلافی مسائل کے حل کا ایک راستہ متعین کر دیا ہے وہاں حضرات مقلدین کی اس روش کی تردید و تفنید بھی کر ڈالی ہے جو وہ اختلافی امور میں اپنائے بیٹھے ہیں یعنی رجوع الی اللہ والرسول کی بجائے اپنے امام سے فیصلہ لینا اور بس!

مقلدین کی تحریفِ قرآن

یہی وجہ ہے کہ حضرات مقلدین کو جب اس آیت کریمہ سے اپنے تمسک بقول امام کا راستہ بند ہوتا دکھائی دیا تو وہ اس آیت کریمہ میں تحریف و اضافہ پر مجبور ہو گئے چنانچہ ایضاح الأدلہ میں مولوی محمود الحسن دیوبندی نے اس آیت میں یوں تحریف کر دی:

[فردوہ الی اللہ والرسول والی أولی الامر منکم]

نصوص میں تحریف کی جسارتِ ناپاک وہی کرتا ہے جو دلیل کے میدان میں تہی دست ہو، انہیں یہ معلوم تھا کہ اختلافات میں قول امام کے ساتھ چمٹے رہنے کی باطل روش کہیں ثابت نہیں ہوسکتی، اس حالات میں تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہی حاکم ہیں تو پھر ہمارا مذہب کہاں باقی رہے گا کیونکہ اختلاف تو ہر مسئلہ میں ہے اور ہر اختلافی مسئلہ میں قرآن وحدیث کی طرف رجوع کا مطلب مسلک اہل حدیث کی ترویج ہوگا لہذا

تحریف کے ذریعہ اس بگاڑ میں مزید اضافہ کر دیا گیا۔ واللہ المستعان

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اگلی آیات میں اختلافات و تنازعات کے حل کے لئے وحی الٰہی پر اکتفاء نہ کرنے والوں کے عمل کو تحاکم الی الطاغوت قرار دیا ہے بلکہ شیطانی اضلال و نفاق تک فرما دیا ہے۔

حضرات سامعین! یہ بات متعین ہوچکی ہے کہ مسائل مختلف فیہا میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے فیصلہ کرانا فرض ہے۔

اللہ سے فیصلہ کرانے سے مراد رجوع الی القرآن اور رسول ﷺ سے فیصلہ کرانے سے مراد یہی ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کی ذات شریفہ کی طرف رجوع کیا جائے اور انتقال فرما جانے کے بعد آپ کی حدیث شریف کو مدنظر رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

[وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ][1]

یعنی جس چیز میں بھی تمہارا اختلاف ہو فیصلہ اللہ کی طرف ہے۔

گویا یہ حق نہ کسی صحابی کے پاس ہے نہ تابعی کے پاس، نہ کسی امام یا مجدد یا مفتی، یا محدث یا فقیہ کے پاس بلکہ اختلافات میں فیصلہ کا حق اللہ احکم الحاکمین کے پاس ہے۔

مذکورہ دونوں آیات میں "شیئ" کی تنکیر سے ایسا عموم و شمول واضح ہورہا ہے کہ ہر اختلافی مسئلہ میں خواہ وہ کسی بھی نوعیت کا ہو، رجوع الی اللہ والرسول ہی امر متعین ہے کسی مسئلہ کا استثناء درست نہیں ہے۔

سورۃ النحل کی آیت نمبر ۶۴ ملاحظہ ہو:

[وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ][1]

ترجمہ: اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لیے اتارا ہے کہ آپ ان کے لیے ہر اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔

اس سے پھر واضح ہوا کہ لوگوں کے اختلاف کا فیصلہ وحی الٰہی کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے فصل و بیان پر موقوف و قائم ہے دوسری کوئی صورت نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو فیصل نہ ماننے والوں کو شدید ترین وعید

اور سورۃ نساء کی آیات نمبر ۶۵ تو بہت ہی قابل غور ہے:

[فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۶۵][2]

ترجمہ: سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ایمان سے محروم ہونے کا اعلان فرما دیا ہے جو اپنے اختلافات میں رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ لینے کے بجائے کہیں اور سے فیصلہ کرا لیتے ہیں، بلکہ ان لوگوں کی ایمان کی بھی نفی کر دی ہے جو فیصلہ تو آپ ﷺ سے کرا لیتے ہیں، قبول بھی کر لیتے ہیں لیکن اپنے دلوں میں کھٹک اور تنگی محسوس کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ

اس آیات کریمہ میں "لا یؤمنون" اور سورۂ نساء سے پیش کی گئی گذشتہ آیت میں

[1] النحل: ۶۴
[2] النساء: ۶۵

"اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ... الاٰية" کے مقتضی پر خوب غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ایمان کی کس طرح نفی فرما رہا ہے جو اختلافی مسائل میں قرآن و حدیث کو اپنانے اور پکڑ رہنے کے بجائے اپنے ائمہ و اصحاب کے اقوال و فتاویٰ سے تعلق و تمسک قائم کر لیتے ہیں، اور ہمیشہ اس روشِ بد پر اڑے رہتے ہیں۔ کبھی تو گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر سوچا جائے کہ اس غلط روی کی سزا کتنی بھیانک ہوگی۔ ہم بڑے درد دل اور اخلاص کے ساتھ ان لوگوں کو رجوع الی الکتاب والسنۃ یعنی اہل حدیث بننے کی دعوت دیتے ہیں جو اختلافی مسائل و امور میں اپنے اپنے ائمہ و قائدین و بزرگان دین کے اقوال پر اکتفاء کئے بیٹھے ہیں۔

ورنہ تم سب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام امور کا قیامت کے دن فیصلہ فرما دینا ہے، پھر کوئی سوچ یا ندامت کام نہیں آئے گی۔

[يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝۲۳][1]

ترجمہ: اس دن انسان کو سمجھ آئے گی مگر آج اس کے سمجھنے کا فائدہ کہاں؟

وہ یوم الحساب ہے، دار العمل نہیں۔

فیصلہ بہر حال اللہ تعالیٰ کا ہی ہے

فیصلہ بہر حال اللہ تعالیٰ کا ہی ہے چاہے یہ حقیقت دنیا میں قبول کر لو اور اس میں فائدہ ہے، اور چاہے یہاں اپنی من مانیاں کر لو اور روز محشر تمام اولین و آخرین کے سامنے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کر لو۔

فرمایا: [ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۵۵][2]

[1] الفجر: ۲۳
[2] آل عمران: ۵۵

ترجمہ: پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کروں گا۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

[ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۝] [1]

ترجمہ: پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا۔ پھر وہ تم کو بتلائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے۔

نیز فرمایا: [اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۝] [2]

ترجمہ: بیشک تمہارے سب کے اختلاف کا فیصلہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آپ کرے گا۔

نیز فرمایا: [اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۝] [3]

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

نیز فرمایا: [اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۝] [4]

ترجمہ: آپ کا رب ان (سب) کے درمیان ان (تمام) باتوں کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا جن میں وہ اختلاف کررہے ہیں۔

---

[1] الانعام:۱۶۴
[2] الحج:۶۹
[3] یونس:۹۳
[4] السجدة:۲۵

نیز فرمایا: [اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۝] [1]

ترجمہ: تو ہی اپنے بندوں میں ان امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ الجھ رہے تھے۔

ان تمام آیات کا مطلب یہی ہے کہ تمام بندوں کو اللہ کی طرف پلٹنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام تنازعات، خصومات اور اختلافات کا فیصلہ فرمانا ہے اور پھر اپنے فیصلوں سے بندوں کو آگاہ کرنا ہے۔ جنہیں قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

تو کیوں نہ اس دن کے آنے سے قبل آج ہی اللہ تعالیٰ کی وحی کے ساتھ سچا تعلق جوڑ لیا جائے، آج یہ وحی ہی اللہ کے فیصلوں کا مجموعہ ہے جسے فیصلہ کن دستاویزات قرار دیا گیا ہے۔

[اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ۝ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ۝ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا۝ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا۝] [2]

ترجمہ: کہ یہ کلام (حق کو باطل سے) جدا کرنے والا ہے اور بیہودہ بات نہیں ہے یہ لوگ تو اپنی تدبیروں میں لگ رہے ہیں اور ہم اپنی تدبیر کررہے ہیں۔

لہذا اللہ کے بندو! آج تمام مختلف فیہ امور کو لے کر اِدھر اُدھر بھٹکنے کی بجائے خالق کائنات کی پناہ میں آجاؤ اس کی توفیق اور رحمت سے مسائل حل ہوں گے اضطرابات و افتراقات ختم ہوں گے۔۔۔۔ ورنہ یہ اختلافات کبھی ختم نہیں ہوسکتے۔

[وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ] [3]

وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے بجز ان کے جن پر آپ کا رب رحم

---

[1] الزمر:۴۶
[2] الطارق:۱۳/۱۶
[3] ھود:۱۱۸

فرمائے۔

یعنی یہ لوگ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے اور بچیں گے صرف وہی جن پر اللہ کی رحمت ہوگی۔ اور یہ رحمت تعلق بالوحی کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

رحمت الٰہی کے مستحقین؟

[وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ][1]

ترجمہ: اور میری رحمت تمام اشیا پر محیط ہے۔ تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں۔۔۔

وحی الٰہی تمام اختلافات سے پاک ہے
اور وہی تمام اختلافات کا خاتمہ کرسکتی ہے

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی تمام دستاویزات کو اختلاف کا مرقع قرار دیا ہے:

[وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝][2]

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔

لہٰذا اللہ کی وحی ہی وہ واحد طاقت ہے جو تمام اختلافات کا خاتمہ کرسکتی ہے اس لئے وحی سے فیصلہ نہ کرانے پر ایمان کی سلامتی مشکوک ہوجاتی ہے۔

---

[1] الاعراف:۱۵۷،۱۵۶

[2] النساء:۸۲

اگر حنفی، حنفی رہے گا، شافعی، شافعی رہے گا، مالکی، مالکی رہے گا، حنبلی، حنبلی رہے گا تو اختلاف قائم ہی رہے گا۔ اور اگر یہ سب لوگ تمام مختلف فیہ مسائل میں اپنے اماموں کے قول کی بجائے اللہ کی وحی کو تھام لیں تو سب اہل حدیث ہوجائیں گے، اختلاف ختم ہوجائیں گے یہی خاتمہ اختلافات کی اساس ہے اور یہی اللہ کا امر ہے:

[وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا][1]

ترجمہ: سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن وحدیث) کو تھام لو اور افتراق واختلاف نہ کرو ۔۔۔ گویا خاتمہ اختلاف اعتصام بحبل اللہ پر موقوف ہے جو قرآن وحدیث کے سوا کچھ نہیں۔

اور اہل تقلید کی یہ بنیادی غلطی قائم ہی رہے گی، کیونکہ تقلید کی تعریف ہی یہ ہے کہ ”بلا دلیل وحجت کسی کی بات کو لے لینا“ ایسے میں قرآن وحدیث تک رسائی کیسے ممکن ہوگی!

اختلاف کے حل کے متعلق ایک عظیم الشان حدیث

رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے بھی یہی بات سامنے آتی ہے چنانچہ مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ وغیرہ میں عیاض بن ساریہ کی مشہور حدیث موجود ہے جس میں پیغمبر اسلام ﷺ کے خطبہ بلیغہ کا ذکر ہے، جسے سن کر سب کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، آنکھوں سے زار وقطار آنسو بہنے لگ گئے۔

کسی نے کہا: ہمیں تو یہ آپ کا آخری خطبہ معلوم ہوتا ہے کوئی جامع وصیت فرمادیجئے اس بڑے اہم اور نازک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے چار وصیتیں فرمائیں جن میں سے

---

[1] آل عمران:۱۰۳

ایک وصیت یہ ہے:

｢وانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوابھاو عضوا علیھا بالنواجذ ....الحدیث｣[1]

یعنی میرے بعد تم زندہ رہے تو بہت زیادہ اختلافات دیکھو گے اس وقت تم پر فرض ہوگا کہ (ہر چیز چھوڑ کر) میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کے ساتھ چمٹ جانا نہ صرف چمٹنا بلکہ مضبوط گرفت میں لے لینا (اور مضبوط گرفت بھی کافی نہیں) بلکہ میری سنت کو اپنی داڑھوں میں مضبوطی سے دبا لینا۔۔۔۔ (تا کہ سنت کا دامن چھوٹنے نہ پائے اور میری سنت کی جگہ کوئی دوسری چیز اس کی جگہ نہ لے لے۔)

اس لئے کہ ｢ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بھا کتاب اللہ وسنة رسولہ｣ میں تمھارے بیچ دو ہی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک انہیں تھامے رہو گے گمراہی تمہارے قریب تک نہیں بھٹکے گی ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ ﷺ۔

اتباعِ رسول، صحابہ کرام کا عظیم وصف

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اللہ کے نبی کی پاکیزہ اور مقدس جماعت، زمین کی پشت پر چلتے پھرتے جنتی انسان اس منہج کے پیروکار رہے اور (رضی اللہ عنھم ورضوا عنه) کے تمغے اپنے سینوں پر سجا کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کے بارہ میں صحابہ کے درمیان موجود اختلاف کس چیز نے حل کیا؟ حدیث رسول اللہ ﷺ نے۔

[1] موطا امام مالک، الرقم: ۳۳۳۸

مانعین زکاۃ وقتال کے بارہ میں موجود اختلاف کیسے رفع ہوا؟ حدیث رسول اللہ ﷺ سے۔

بلکہ اس سے قبل رسول اللہ ﷺ کی تدفین کے بارہ میں اختلاف عظیم کیسے ٹلا؟ اللہ کے پیغمبر ﷺ کی حدیث سے۔

خلیفہ کے تعین کے مسئلہ میں درپیش اختلاف اور ｢منا امیرومنکم امیر｣ جیسا خطرناک دعوی اور نعرہ کس چیز سے سرد ہوا؟ حدیث رسول اللہ ﷺ سے۔

جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب دادی کی میراث کا مسئلہ پیش آیا اور آپ نے دادی کی میراث نہ دینے کا فیصلہ صادر فرمایا تو ایک بڑھیا نے حدیث رسول اللہ ﷺ پیش کر کے خلیفہ اور تمام امتوں میں انبیاء کے بعد سب سے افضل انسان کی اصلاح فرما دی اور انہوں نے قبول کیا اور کسی صحابی نے بڑھیا کے اس فعل کی نکیر نہیں فرمائی۔

بلکہ صد آفرین اس بڑھیا کے لئے جس کا عقیدہ ومنہج یہ تھا کہ دین کے معاملے میں ابوبکر صدیق جیسا انسان بھی پیروی کے لائق نہیں ہے بلکہ یہ حق رہتی دنیا تک محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے جب مغالاۃ مہور کے مسئلہ کی سنگینی دیکھی تو حق مہر کی تحدید کی کوشش کی بلکہ اعلان بھی فرما دیا ایک خاتون نے [وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا][1] سے استدلال کر کے آدھی دنیا کے فاتح، سلطنت روما وفارس کو قدموں تلے کچلنے والے عظیم خلیفہ کی اصلاح کر دی، جسے عظیم القدر شخصیت نے یہ کہہ کر قبول کر لیا: اصابت امراۃ واخطأ عمر.[2] عورت درست کہہ رہی ہے عمر کو ٹھوکر لگ گئی۔ سبحان اللہ!

اللہ تعالی اس خاتون پر کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے، جو اس امت کے تمام افراد کو یہ

[1] النساء: ۲۰

[2] شرح الأربعین النوویة

سبق پڑھا گئی کہ عمر جیسا فاتح اعظم اور علوم نبوت کا حامل و وارث بھی دین کے معاملے میں پیروی کے لائق نہیں بلکہ قیامت کی آخری دیواروں تک یہ حق محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے مخصوص و مرقوم ہے اور جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے تقوی کی بھی داد دیجئے جنہوں نے بھری محفل میں اپنی غلطی تسلیم کر لی اور وحی الٰہی کو نافذ فرما دیا: [ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ]

تقلید کے تعلق سے دوسری غلط روش

تقلید کے تعلق سے آج کی مجلس میں جس دوسری غلط روش کا تذکرہ مقصود ہے وہ انتہائی خطرناک اور ظالمانہ روش ہے جو یہ ہے کہ بعض مسائل میں اہل تقلید کو اپنے آئمہ و اصحاب کے قول کا غلط اور خلاف حق ہونا معلوم ہو جاتا ہے مگر اس کے باوجود وہ اپنے ائمہ یا علماء کے قول ہی کو ترجیح دیتے ہیں گویا جانتے بوجھتے حق کا انکار، عمداً و قصداً ناحق کا تسلیم و تنفیذ۔

[وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ][1]

بلکہ ہم نے تو بعض ایسی مثالیں بھی دیکھی ہیں کہ نہ صرف یہ کہ حق کو پہچان لیا جاتا ہے بلکہ اقرار و اعتراف بھی کر لیا جاتا ہے کہ ہمارے امام کا قول خلاف حق ہے، لیکن اس کے باوجود محض اتباع مذہب کی حجت کی بنا پر اس کو قبول کرنا ہے اور مخالف کا قول حق ہونے کے باوجود چھوڑ دینا ہے۔

تقلید کی بنا پر انکار حق کی چند مثالیں

تقریر ترمذی کے مؤلف نے مسئلہ خیار مجلس کے ضمن میں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابو

[1] العادیات:7

حنیفہ رحمہ اللہ کے مابین اختلاف نقل کیا ہے اور امام شافعی کے مسلک کو کئی احادیث سے درست ثابت کیا ہے، آخر میں اپنا فیصلہ یوں صادر فرماتے ہیں:

[الحق والانصاف ان الترجيح للشافعي ولكن نحن مقلدون يجب علينا تقليد امامنا][1]

اگر حق و انصاف کی بات پوچھو تو اس مسئلہ میں ترجیح امام شافعی کو حاصل ہے (یعنی ان کا قول صحیح اور مطابق حدیث ہے) لیکن ہم پر تو اپنے امام کی تقلید واجب ہے۔ (لہذا گو ہمارے امام کا قول خلاف حق ہے لیکن ہم تو اسے نہیں چھوڑیں گے) انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جانتے بوجھتے حق کا انکار اور باطل کا تسلیم و اقرار بربادئ دین و دنیا کے سوا کچھ نہیں، یہ ایک ایسا مہلک ہے جس سے نجات کی راہیں قطعی مسدود دکھائی دیتی ہیں۔

کنز الدقائق کے شارح نے ایک مقام پر ایک مسئلہ اٹھایا ہے جس کی اصل کچھ یوں ہے کہ وہ کافر جو ہمارے علاقے میں ہماری پناہ اور ذمہ میں رہتا ہے جسے اصطلاحاً ذمی کہا جاتا ہے اور جس کی حفاظت ہم پر فرض ہے اگر وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دے دے تو کیا اب بھی اس کا ذمہ باقی ہے!

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ذمہ برقرار ہے اور گالی دینے کے باوجود نہیں ٹوٹا جبکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا ذمہ ٹوٹ جائے گا شارح اپنا فیصلہ یوں تحریر کرتے ہیں۔

[وقلب المؤمن يميل الى رأى المخالف ولكن اتباع المذهب واجب]

ایک مؤمن کا دل تو اس مسئلہ میں مخالف کی رائے پر ہی ٹکتا اور مطمئن ہوتا ہے لیکن

[1] جهود علماء الحنفية ١٠٨/١

اپنے مذہب کی اتباع بھی تو واجب ہے۔

یعنی اعتراف حق کے باوجود انکار حق اور قبول ناحق (العیاذ باللہ) یہ کتنا خطرناک اقدام ہے۔

صاحب اصول کرخی نے تو انتہا کردی، وہ اپنے مذہب کے اصول بیان کرتے ہوئے یہاں تک کہہ گئے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت، یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث اگر ہمارے آئمہ کے قول کے خلاف آجائے تو قرآن یا حدیث کو تاویل کی کسوٹی پر کس کر مسئلہ حل کرنے کی کوشش کریں گے اگر کامیاب نہ ہو سکے تو آخری حل یہ ہے کہ قرآنی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو منسوخ اور اپنے امام کے قول کو ناسخ قرار دے دیں گے۔

(لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

حضرات سامعین! بتلایئے اس قسم کے قواعد کس دین کی ترجمانی کر رہے ہیں؟ یہاں بربادی اور ہلاکت کے سوا کوئی دوسری صورت دکھائی دیتی ہے؟

حق کو جاننے کے باوجود انکار کرنیوالے کا انجام

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قاضیوں اور مفتیوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں اور فرمایا دو طرح کے قاضی جہنم میں جائیں گے جن میں ایک قاضی کا کردار یہ ہے:

(وقاض عرف الحق و جار فی الحکم)[1]

جو حق کو پہچان لے لیکن فیصلہ خلاف حق کر دے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہے جہنمی قرار دیا، اور آخر میں تکبر کی تعریف یوں فرمائی:

[1] مستدرک حاکم، رقم الحدیث: ۷۰۱۲

(الکبر بطر الحق و غمط الناس)[1]

یعنی حق واضح ہونے کے باوجود اس کا انکار کر دینا اور لوگوں کو حقیر جاننا تکبر ہے۔

واضح ہو کہ علماء یا ائمہ سے غلطی کا صدور گناہ شمار نہیں کیا گیا بلکہ شریعت نے تو غلطی کرنے کے باوجود نہیں ایک اجر کا حق دار قرار دیا ہے، لیکن ظلم و ستم تو وہ لوگ ڈھاتے ہیں جو اپنے آپ کو ان ائمہ کا پیروکار کہتے ہیں اور ان کے غلط فتاوی کو غلط ماننے کے باوجود قبول کر لیتے ہیں۔

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

(یھدم الاسلام ثلاثۃ زیغۃ عالم و مجادلۃ منافق بالقرآن و أئمۃ مضلون)[2]

یعنی تین چیزیں عمارت اسلام کو ڈھا دیتی ہیں (۱) عالم کی لغزش (۲) منافق کا قرآن کے ذریعہ جھگڑنا (۳) گمراہ کن آئمہ

عالم کی لغزش یا غلطی اس لئے اسلام کی عمارت مسمار کر دیتی ہے کہ اس عالم کے پیروکار اس غلطی کی اتباع کرتے رہتے ہیں اور اپنے علماء کو غلط کہنے کی ہمت نہیں کرتے۔ یہ تقلید جامد کا شاخسانہ ہے۔

مقلدین کی بربادی کا سبب

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

(ویل للأتباع من عثرات العالم قیل و کیف ذلک؟ قال یقول العالم من قبل رایہ فیلقی من ھو اعلم برسول اللہ ﷺ منہ فیخبرہ ویرجع ویقضی

[1] مسلم، رقم الحدیث: ۱۴۷

[2] جامع الاحادیث، الرقم: ۳۱۱۲۸، موسوعۃ أطراف الحدیث: ۱/۱۴۲۹۷۷، کنز العمال ۲۹۳۹۲/۱۰

الأتباع بما حکم [1]

یعنی عالم کی غلطی کے باوجود اس کے پیروکار برباد ہوجائیں ان سے پوچھا گیا اس کا کیا مطلب ہے؟ تو فرمایا: ''عالم اپنے رائے سے کوئی مسئلہ بیان کرتا ہے پھر وہ اپنے سے کسی بڑے عالم سے ملتا ہے جو اسے حدیث رسول بتا کر اسکی اصلاح کر دیتا ہے اور وہ عالم رجوع بھی کی کر لیتا لیکن اس کے پیروکار اس کے پرانے فیصلے پر ہی ڈٹے ہوئے ہیں''۔

کیونکہ ان کا عقیدہ یہی ہے کہ ہمارے عالم سے غلطی نہیں ہوسکتی ۔۔۔مقلدین کی یہ روش مقتضائے شریعت سے یکسر مختلف ہے یہ روش دین کے اندر بہت سے بگاڑ کا سبب ہے۔

سامعین حضرات! اس مختصر سے خطبہ میں ہم نے تقلید کے دو انتہائی خطرناک نقصانات کا ذکر کیا ہے اول یہ کہ مقلدین مختلف فیہ مسائل میں اپنے ائمہ کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں اور کتاب وسنت کی طرف رجوع کی زحمت گوارا نہیں کرتے یہ بات مقاصد شریعت کے سراسر خلاف ہے چنانچہ شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں تو بالخصوص قرآن وحدیث کی طرف رجوع لازمی ہے۔ دوسرا نقصان یہ بتایا ہے کہ مقلدین حضرات بعض اوقات بعض مسائل میں اپنے ائمہ کے قول کا غلط ہونا جان بھی لیتے ہیں اور اس غلطی کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں لیکن پھر اسی غلط قول کو اپنانا ضروری سمجھتے ہیں اس کو تمام عمر پڑھتے پڑھاتے ہیں اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔

یہ دونوں اقسام باطل ہیں بہت سی قباحتوں اور ضلالتوں کا پلندہ ہیں خیر القرون کے تعامل سے قطعی مختلف۔

[1] الکواکب النیرات ۱/۲۱

خیر القرون سے عمل بالحدیث کی چند مثالیں

میں آخر میں خیر القرون کے تعامل سے کچھ مثالیں پیش کرتا ہوں جن سے واضح ہوگا کہ ہمارے اسلاف کا عقیدہ ومنہج کیا تھا؟ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جنت کی بشارتیں دے دیں ان کا معیار حق وصداقت کیا تھا؟ تاکہ یہ بات خوب نکھر کر بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے آجائے کہ جو چیز اس دور میں حق تھی وہ آج بھی حق ہے اور جو چیز اس دور میں باطل تھی وہ آج بھی باطل ہے۔

(۱) جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متعہ کے جواز کے قائل ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا:

ان رسول اللہ ﷺ نہی عنہا یوم خیبر [1]

رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر اس سے منع فرمادیا تھا۔

ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بذات خود فرمایا:

انظر ماذا تفتی فاشھد أن رسول اللہ ﷺ نہی عن نکاح المتعہ

یعنی تم غور تو کرو کیا فتویٰ دے رہے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح متعہ سے منع فرمادیا تھا۔

اور طبرانی اوسط کی روایت کے مطابق یہی بات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمائی تھی۔

(۲) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خبر ملی کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عورتوں کو

[1] بخاری، الرقم: ۴۲۱۶، مسلم، الرقم: ۱۴۰۷

حکم دیتے ہیں کہ وہ غسل جنابت کے موقع پر اپنے سر کے بالوں کی تمام مینڈھیاں کھولا کریں تو آپ نے فرمایا:

عبداللہ بن عمر پر تعجب ہے!!۔۔۔۔۔اس کا بس چلے تو عورتوں کو گنجا ہی کر دے۔ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن میں غسل کیا کرتے تھے اور اس سے زیادہ میں نے کچھ نہیں کیا کہ اپنے سر پر تین دفعہ اچھی طرح پانی کے چلو ڈال لیتی تھی۔[1]

(۳) ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بیان کی:

[لا تمنعوا نسائکم المساجد اذا استاذنکم الیها...][2]

یعنی جب تمھاری عورتیں تم سے مسجد میں آنے کی اجازت طلب کریں تو انہیں مت روکا کرو تو ان کے بیٹے بلال نے کہا: ہم تو روکیں گے تو اس پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے اس قدر لعن طعن کی کہ اس طرح کی لعن طعن کرتے ہوئے انہیں کبھی نہیں دیکھا گیا۔ اور آپ بار بار فرماتے:

[أخبرك عن رسول الله ﷺ وتقول والله لنمنعهن][3]

میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں اور تم کہتے ہو ہم روکیں گے!!

(۴) عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو خذف کرتے ہوئے دیکھا (ایک مخصوص طریقے سے ہاتھ سے پتھر پھینکنا خذف کہلاتا ہے) تو فرمایا:

"ایسا مت کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خذف سے روکا ہے اور فرمایا ہے: خذف

[1] صحیح مسلم
[2] مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۱۷
[3] مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۱۷

سے نہ تو شکار ہو سکتا ہے نہ دشمن ہلاک ہو سکتا ہے البتہ کسی کا دانت ٹوٹ سکتا ہے یا آنکھ پھوٹ سکتی ہے۔"[1]

کچھ عرصے بعد عبداللہ بن مغفل نے دوبارہ اس شخص کو خذف کرتے ہوئے دیکھا، فرمایا:

میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی تھی تم پھر بھی باز نہیں آئے جاؤ میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔

(۵) ہذیل بن شرجیل فرماتے ہیں:

ایک شخص ابوموسیٰ اشعری اور سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور پوچھا کہ ایک شخص بیٹی، پوتی اور سگی بہن چھوڑ کر مر گیا اس کی میراث کیسے تقسیم ہوگی؟

ان دونوں نے جواب دیا:

آدھا بیٹی کو اور بقیہ بہن کو ملے گا جبکہ پوتی محروم رہے گی۔

پھر انہوں نے کہا:

تم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ وہ بھی ہماری تائید کریں گے۔

وہ شخص عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان دونوں کا فتویٰ بتایا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

اگر میں نے بھی یہی فتویٰ دے دیا تو گمراہ ہو جاؤں گا اور میرا شمار کبھی ہدایت یافتہ لوگوں میں نہیں ہوگا میں تمہیں اس مسئلہ کی بابت رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سناتا ہوں:

[1] بخاری و مسلم

بیٹی کو آدھا مال، پوتی کو چھٹا حصہ تاکہ ان دونوں میں دو تہائی کی تقسیم پوری ہو جائے اور باقی مال بہن کو دیا جائے گا۔

وہ شخص دوبارہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آگیا اور انہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے آگاہ کیا، تو ابو موسیٰ نے فرمایا:

[لاتسئلوني مادام هذا الحبر فيكم]

جب تک یہ عالم تمھارے اندر موجود ہے تب تک ہم سے سوال نہ کیا کرو۔[1]

(۶) موطا امام مالک، مسند احمد، اور الرسالہ للشافعی وغیرہ میں ہے:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سونے کا ایک برتن، اس سے زیادہ وزن کے سونے کے عوض فروخت کر دیا صحابی رسول ﷺ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو اس سودے کی خبر ہوگئی تو آپ نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے سودے سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ وہ برابری کی بنیاد پر ہو۔

امیر معاویہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا۔

تو ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

معاویہ کی طرف سے کون میری عذر خواہی کرے گا؟ جسے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بتلا رہا ہوں اور وہ اس کے مقابلے میں اپنی رائے بیان کر رہا ہے۔ اے معاویہ! جس سرزمین میں تم رہتے ہو میں وہاں قیام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

جناب ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو

[1] صحیح بخاری

اس واقعہ کی خبر دے دی تو امیر المؤمنین نے باقاعدہ خط لکھ کر انہیں اس اقدام سے روکا اور فرمایا آئندہ اس قسم کا سودا وزن کی برابری کی بنیاد پر کرنا۔[1]

(۷) مروان بن الحکم فرماتے ہیں:

میں عثمان غنی اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا، عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک آرڈر کے ذریعہ حج تمتع اور قران سے منع فرما دیا۔ جب میقات آیا تو علی رضی اللہ عنہ نے حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھ لیا اور فرمایا:

[ما كنت لادع سنة النبي ﷺ لقول احد][2]

یعنی میں کسی کے قول پر سنت رسول اللہ ﷺ نہیں چھوڑ سکتا۔

(۸) ایک بار امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جب تم دس ذوالحج کو رمی جمار، قربانی اور حلق سے فارغ ہو چکو تو تمہارے لئے عورت اور خوشبو کے علاوہ ہر چیز حلال ہو جائے گی۔ یہ بات ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوئی تو فرمایا۔

خوشبو کیسے حلال نہیں ہوگی؟ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو رمی جمار کے بعد اور طواف زیارت سے قبل خوشبو لگائی تھی اور اس موقع پر سالم (عائشہ کے شاگرد) نے کہا:

[فسنة رسول الله ﷺ احق ان نأخذ بها من قول عمر][3]

یعنی عمر کے قول کے بجائے سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہم پر فرض ہے۔

[1] نضرۃ النعیم ۵/۱۷۱۱، فتح المجید

[2] بخاری، رقم الحدیث: ۳۶۵۱

[3] مسند احمد: ۶/۱۰۶، الرقم: ۲۴۷۵۰

(۹) ایک موقع پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کیا تھا۔

عمر بن زبیر نے کہا: لیکن ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے تو حج تمتع سے روکا ہے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے غضب ناک ہو کر فرمایا:

لگتا ہے تمہاری بربادی کے دن قریب آ چکے ہیں میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنا رہا ہوں اور تم مقابلے میں ابو بکر و عمر کا قول پیش کر رہے ہو!

(۱۰) سید التابعین سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے مسجد میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فجر کی اذان کے بعد مسلسل نفل پڑھ رہا ہے تو آپ نے اسے کنکری مار کے اپنی طرف متوجہ کیا اور فرمایا:

اگر مسئلہ معلوم نہ ہو تو پوچھ لینا چاہئے۔ فجر کی اذان کے بعد رسول اللہ ﷺ سے صرف فجر کی سنتیں ثابت ہیں اور کوئی نفل ثابت نہیں۔

اس شخص نے جواب دیا: زیادہ نوافل پڑھنے سے ثواب ہی ملے گا۔

تو سعید بن مسیب نے فرمایا: ہرگز نہیں!! بلکہ مخالفت سنت پر تمہیں اللہ کا عذاب ملے گا۔[1]

(۱۱) ابو السائب فرماتے ہیں۔

ہم عظیم محدث وکیع کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حج کی قربانی کا اشعار کیا تھا لیکن امام ابو حنیفہ اسے مثلہ قرار

[1] سنن الدارمی ۱/۴۰۴، رقم الحدیث: ۴۵۰

دیتے ہیں اس پر ایک شخص نے کہا: اشعار کو تو امام ابراہیم نخعی نے بھی مثلہ کہا ہے؟

اس پر امام وکیع کو شدید غصہ آ گیا اور فرمایا:

میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان بتلا رہا ہوں اور تم اس کے مقابلے میں ابراہیم نخعی کا قول پیش کر رہے ہو تمہیں تو عمر بھر کے لئے جیل میں بند کر دینا چاہئے الا یہ کہ توبہ کر لو!! امام وکیع نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

لا تنظروا الی قول اهل الرأی فی هذا فان الاشعار سنة وقولهم بدعة[1]

یعنی اشعار کے بارہ میں اہل الرائے کے قول پر کوئی توجہ نہ دو کیونکہ اشعار رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور اہل الرائے کا قول بدعت ہے۔

(۱۲) حکم بن عتیبہ فرماتے ہیں، کسی نے امام زہری سے ام ولد کی عدت کے بارہ میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا: سنت رسول سے چار ماہ دس دن کی عدت ثابت ہے، اس پر حکم بن عتیبہ نے کہا: ہمارے علماء تو اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیتے؟

امام زہری غصہ میں آ گئے اور فرمایا:

تمہیں اللہ کے نبی کی حدیث بتائی جا رہی ہے اور تم اس کے مقابلے میں اپنی رائے لئے بیٹھے ہو، نبی ﷺ کے دور میں بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا تو آپ ﷺ نے اسے آزاد عورت کی عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔

سامعین حضرات! یہ تمام مثالیں اور اس قسم کی پچاسوں مثالوں سے یہ بات نکھر کر سامنے آ رہی ہے کہ صحابہ وتابعین کے دور میں تعامل امت کیا تھا؟ اختلاف کے وقت ان کا مرجع ومستند کیا تھا؟

[1] ترمذی، رقم الحدیث: ۹۰۶

اور اگر کسی کی بات رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے خلاف ہوتی تو خواہ ابوبکر وعمر ہی کیوں نہ ہوتے ان کا رویہ کیا ہوتا تھا؟

اور صحابہ وتابعین کے دور کو رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون یعنی امت کا سب سے بہترین دور قرار دیا تھا۔

آج فکر اہل حدیث اور منہج اہل حدیث بھی یہی ہے اور الحمدللہ یہ عظیم اور پاکیزہ فکر اللہ تعالیٰ نے صرف جماعت اہل حدیث ہی کو عطا فرمائی ہے باقی مذاہب وفرق تقلید یا تعصب کی بناء پر اس انتہائی پاکیزہ منہج سے یکسر محروم ہیں۔

حالانکہ دنیوی واخروی فلاح اور کامیابی کا یہی راستہ ہے۔ اگر پوری امت اس جادۂ مستقیم اور منہج قیم کو اپنا لے تو اللہ تعالیٰ تمام پریشانیاں ختم کردے۔

میرے اہل حدیث بھائیو! اور بالخصوص نوجوان ساتھیو! تم اس پاکیزہ منہج نبوی کے وارث ہو تم پر اللہ تعالیٰ نے بڑی بھاری ذمہ داری عائد کردی ہے لہذا اس منہج کے داعی بن جاؤ، عقیدۃً وعملاً واعمالاً ونشراً وبلاغاً۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

أقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم وأصلی وأسلم علی نبیه محمد وعلی آله وصحبه وأھل طاعته أجمعین.

OOOOOOOOOOO

صدارتی خطبہ

(2000ء)

موضوع:

جمعیت اہل حدیث سندھ کا منہج اور اس کی خدمات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی اشرف الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ وأهل طاعتہ اجمعین، وبعد:

جمعیت اہل الحدیث سندھ، صحیح عقیدہ ومنہج کی حامل ایک عظیم جماعت ہے۔ استقلال پاکستان کے ساتھ ہی بڑے مخلص اور متقی افراد نے "لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ ...." کے بمصداق اس کا تاسیسی بیج بویا اور اسے ایک منظم شکل دی، اگرچہ قیام پاکستان سے قبل بھی کتاب وسنت کی دعوت کی صورت میں جہادِ کبیر کا عمل جاری تھا جو بعد میں ایک مربوط ومضبوط شکل اختیار کر گیا۔ گویا "جمعیت اہل الحدیث سندھ" کا قیام سندھ کی سرزمین پر توحید وسنت کی پہلی اذان ہے۔ شیخ العرب والعجم علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے تاحیات قرآن وحدیث کے آبِ حیات سے اس پودے کی آبیاری فرمائی۔ اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ پودا ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

سامعین کرام! تناور درخت سے مراد کثرتِ وسائل وافراد نہیں ہے بلکہ عقیدہ کی صلابت اور منہج کی صداقت ہے۔ اور یہی شرعی مطلوب ہے۔ جمعیت اہل الحدیث سندھ کے تعلق سے ہمارے لئے صد اطمینان ومسرت کا پہلو یہی ہے کہ اس کی تاسیس بھی قرآن وحدیث کے مطابق تھی اور آج تک اس کا منہج ومنشور بھی شریعت کے عین مطابق رہا ہے۔ ذلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء.

جمعیت اہل الحدیث سندھ کی تاسیس کے قرآن وحدیث کے مطابق ہونے کا معنی یہ ہے کہ یہ نہ تو کسی اہل الحدیث جماعت کی موجودگی میں متوازی فرقے یا تنظیم کی شکل میں معرضِ وجود میں آئی اور نہ ہی کسی جماعت سے ٹوٹ کر الگ جماعت بنی۔

کیونکہ شریعت نے ان دونوں صورتوں کو از قبیل تفرق مذموم قرار دیا ہے، فرقہ بندی اور تنظیم سازی کا عمل کسی صورت قابل تعریف نہیں ہو سکتا۔ اور بالخصوص ہمارے ہاں یہ عمل اور بھی زیادہ مذمت کے قابل ہے، یہاں اپنی اپنی تنظیموں کی خاطر جھوٹے اور سچے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے ہیں، تنظیموں کے امراء ورؤساء کے ہر جائز وناجائز اعمال واختراعات کی وکالت کی جا رہی ہے۔ یہ کتنی بڑی جرأت وجسارت ہے:

[هٰأَنْتُمْ هٰؤُلَاۤءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا (۱۰۹)][1]

ترجمہ: ہاں تو یہ ہو تم لوگ کہ دنیا میں تم نے ان کی حمایت کی لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا؟ اور وہ کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟

تفرق وتحزب – قابلِ نفرت ومذمت

ہمارے ہاں تفرق وتحزب کا پہلو اس لئے بھی بہت زیادہ نفرت ومذمت کا مستحق ہے کہ اپنی اپنی تنظیموں کی بناء پر باقاعدہ الولاء والبراء کا عمل شروع ہو چکا ہے یعنی محبت یا نفرت کی بنیاد تنظیم ہے، توحید نہیں ہے۔ اس طرح یہ توحید کے مقابلے میں ایک بت بن گیا ہے۔

محبت ونفرت کی بنیاد کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[من احب للہ وأبغض للہ وأعطى للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان][2]

جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے بغض رکھا، اور اللہ تعالیٰ کے لئے

[1] النساء: ۱۰۹

[2] ابوداود، رقم الحدیث: ۴۶۸۳

دیا اور اللہ تعالیٰ کے لئے روکا، اس نے ایمان پورا کرلیا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

[ان اوثق عری الایمان ان تحب فی اللہ وتبغض فی اللہ][1]

یعنی ایمان کا سب سے مضبوط کنڈا، اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ کے لئے بغض رکھنا ہے۔

گویا محبت یا نفرت کی دینی بنیاد توعقیدہ توحید ہے، مگر آج اس تنظیم سازی کے عمل نے تنظیم اور کاز کو توحید کے مقابلے میں بت بنا کر کھڑا کر دیا چنانچہ جو تنظیم سازی کے تمہارے تراشے ہوئے بت سے متفق نہیں ہے، وہ قابل نفرت ہے خواہ اس کی توحید کتنی ہی خالص کیوں نہ ہو اور جو اس کاز اور تنظیم سے متفق ہے وہ قابل محبت ہے خواہ وہ قبر پرست ہی کیوں نہ ہو۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون. یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حزبیت اور تنظیم سازی کے عمل کو مشرکین کے اعمال ووظائف میں شمار کیا ہے۔

[وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾][2]

ترجمہ: اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔

سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کا ان گروہوں سے

---

1 مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۸۵۲۴

2 الروم: ۳۱،۳۲

کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے:

[اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾][1]

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی فرقے ہو گئے ان سے تم کو کچھ کام نہیں ان کا کام اللہ کے حوالے پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو (سب) بتائے گا۔

عزیز دوستو اور بھائیو! آپ کو مبارک ہو کہ جمعیت اہل الحدیث سندھ کی بنیاد، تقویٰ و اخلاص پر قائم ہے۔ حزبیت مذمومہ پر نہیں۔

ہمارے نزدیک جمعیت واجتماع کی اساس عقیدۂ توحید ہے، جبکہ آج لوگوں کی اکثریت توحید کو باعثِ تفریق قرار دینے کی سعیٔ مذموم میں مصروف ہیں، ان کے نزدیک توحید کی حقیقی دعوت توڑ کا سبب بنتی ہے، افسوس یہی الزام مشرکینِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ پر لگایا تھا کہ انہوں نے اپنی دعوت کے ذریعے بھائی کو بھائی سے اور باپ کو بیٹے سے جدا کر دیا ہے۔ فافھم وتدبر.

جمعیت اہل حدیث سندھ کا ایک قابلِ فخر سرمایہ

جمعیت اہل الحدیث سندھ، توحید وسنت کی دعوت کا جذبہ اور درد رکھنے والے علماء صالحین کا متفق علیہ پلیٹ فارم ہے اور یہ پلیٹ فارم اس وقت تشکیل پایا جب سرزمینِ سندھ میں کوئی دوسرا سلفی پلیٹ فارم موجود نہیں تھا۔

اس مبارک اور شرعی پلیٹ فارم کی قیادت شیخ العرب والعجم الشیخ سید ابو محمد بدیع الدین

---

1 الانعام: ۱۵۹

شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے فرمائی۔ ان کی قیادت کا سلسلہ تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔

شیخ بدیع الدین رحمہ اللہ کیا تھے! ایک چلتی پھرتی انجمن۔

قرآن کے حافظ تھے۔ حدیث کے حافظ تھے۔ فن جرح وتعدیل کے امام تھے۔ علم رجال اور دیگر علوم میں مرجع خلائق تھے۔ عظیم مجاہد تھے، سندھ کے وڈیرہ پرست اور پیر پرست معاشرے سے بھرپور پنجہ لڑایا۔ پوری عمر اس دشت میں جہادِ کبیر کے زیر سایہ گھومتے گھومتے صرف کر دی۔

اللہ تعالیٰ نے بلا کا حافظ دیا۔ استدلال واستحضار میں آج تک ان سے بہتر کوئی شخصیت نہیں دیکھی۔

علم کی دولت کے ساتھ ساتھ عمل کی قوت سے مالا مال، پوری زندگی نماز تہجد کا اہتمام کیا۔

پاکستان میں توحید اسماء وصفات کو خاص طور پر صحیح نہج کے ساتھ سمجھانے والے ہمارے شیخ تھے۔ سرزمین سندھ، صوفیوں اور حلولیوں کا گڑھ ہے، اس فتنہ کے خلاف علمی و عملی جہاد کیا۔ آپ کی کتاب، توحیدِ خالص اس کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ مفتی عالم اسلام شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے جب اس کتاب کا تعارف کرایا گیا تو انہوں نے فرمایا: کاش اس کتاب کا عربی ترجمہ ہو جائے تاکہ ہم بھی مستفید ہو سکیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ حدیث رسول (لا یخافون فی اللہ لومة لائم) کی عملی تفسیر تھے، جس علاقے میں دعوت وتبلیغ کے لئے جاتے اس علاقے والوں میں موجود کمیوں اور کوتاہیوں کا تذکرہ ضرور فرماتے، اس علاقے میں موجود جاہلیت کی بھرپور تنقید فرماتے۔

سندھ کے علاقے مٹھی میں اغلب آبادی ہندوؤں کی ہے وہاں کے مرکزی چوک پر جمعیت اہل الحدیث سندھ کے زیر اہتمام جلسہ عام رکھا گیا۔ شاہ صاحب مرحوم کا ہندومت کے

خلاف خطاب اور توحید کی دعوت اور ان کی شجاعت آج تک یاد ہے۔

ٹھٹھہ قبروں اور مزاروں کی سرزمین ہے وہاں ایک آدھ گھر کے علاوہ اہل الحدیث بھی نہیں ہیں۔ کراچی اور حیدرآباد کی جماعت کو وہاں دعوت دی اور جلسہ عام کا انعقاد کیا۔ وہاں خالص توحید کی دعوت دی اور قبور ومزارات کے شرک کی بڑی دلیری کے ساتھ مذمت کی۔

بلوچستان کا شہر تربت اور اس سے بھی آگے مکران کے علاقے ضامران، جہاں ذکری فرقے کی اکثریت ہے۔ وہاں شیخ عبدالغفار ضامرانی رحمہ اللہ کی دعوت پر تشریف لئے گئے اور ذکری فرقہ اور ان کے عقائد پر بڑا مدلل خطبہ ارشاد فرمایا۔

سیالکوٹ کی ایک سالانہ کانفرنس میں اسٹیج پر علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی قد آدم تصویر رکھ دی گئی، اسے وہاں سے اتروایا، حالانکہ کئی علماء اس تصویر کی موجودگی میں خطاب کر چکے تھے، نیز جب دیکھا کہ نوجوانوں نے علامہ صاحب مرحوم کی تصویر کے لاکٹ گلوں میں پہن رکھے ہیں۔ تو اس فتنہ کے خلاف تقریر فرمائی، جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام نوجوانوں نے وہ لاکٹ توڑ کر پھینک دیئے۔

ماموں کانجن کی سالانہ کانفرنس میں مدعو تھے، ادارے کے اندر موجود صوفی عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کی قبر کے تعلق سے لوگوں کی عقیدت اور اس سلسلہ میں کچھ غلو کے متعلق سنا اور دیکھا تو اسی موضوع پر علمی خطاب فرمایا۔

سامعین حضرات! اس داعی حق، عالم باعمل، مجاہد کبیر، ترجمان قرآن وحدیث اور مبلغ توحید وسنت کی پوری زندگی جمعیت اہل الحدیث سندھ کے پلیٹ فارم پر دعوت حق دیتے دیتے گذری۔

جمعیت اہل الحدیث سندھ کا یہ امتیاز ایک قابل فخر سرمایہ ہے۔

شاہ صاحب مرحوم اس چمنستانِ حق کو سوگوار چھوڑ گئے۔ جن کی موت یقیناً علم کے اُٹھ جانے سے تعبیر کی جائے گی۔

کاش کوئی ایسا طریقہ ہوتا کہ ہم اپنی عمریں اپنے شیخ کو دے دیتے۔

یحییٰ بن جعفر البیکندی کو جب امام بخاری رحمہ اللہ کی وفات کا علم ہوا تو فرمایا:

"لو قدرت أن أزيد من عمري في عمر محمد بن اسماعيل لفعلت فان موتي يكون موت رجل واحد و موت محمد بن اسماعيل فيه ذهاب العلم"[1]

یعنی کاش مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں اپنی عمر امام بخاری رحمہ اللہ کو دے کر ان کی عمر میں اضافہ کر دیتا۔ کیونکہ میری موت تو فرد واحد کی موت ہے لیکن امام بخاری کی موت سے گویا علم کا جنازہ اٹھ گیا"۔

سامعین حضرات! جس جماعت کی قیادت و تربیت ایسے عالم باعمل نے فرمائی ہو وہ یقیناً عقیدہ، منہج عمل بالکتاب والسنہ میں منفرد مقام کی حامل ہوگی۔ اور فعلاً ایسا ہی ہے۔

ہمارا عقیدہ و منہج

ہمارا عقیدہ نصف النہار کے سورج کی طرح روشن ہے، ہمارا منہج عین کتاب وسنت و نمونہ سلف صالحین ہے، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بہت سے اعتقادی انحراف پر مشتمل فتنے پھوٹ پڑے، شہادت کے اس جانکاہ واقعہ سے قبل امتِ مسلمہ کا عقیدہ انتہائی نفیس، اُجلا اور ٹھوس تھا، بحمد اللہ جمعیت اہل حدیث سندھ اسی صاف ستھرے عقیدہ پر قائم ہے جو ہر قسم کی تاویل وتعطیل سے مبرہ و منزہ ہے، وذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

پاکستان میں رائج فرنگی سیاست میں ہمارے ہاتھ قطعاً ملوث نہیں ہوئے، ہم جمہوری

[1] مقدمہ فتح الباری ۱/۴۸۵

نظام سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، صرف دعویٰ کی حد تک نہیں بلکہ عملی طور پر بھی۔

ہماری سیاست توحید کی اشاعت و اقامت پر مرکوز ہے۔ اہل توحید ہماری محبتوں اور قربتوں کے حق دار ہیں، انہی کے شانہ بشانہ دعوتِ توحید دے رہے ہیں۔ توحید کے لئے ہمارا جہاد ہے، جو صرف اہل توحید کے ساتھ مل کر ہوگا۔

یہاں مشرکین سے ملنے، یا انہیں اپنے اسٹیجوں پر مدعو کرنے یا ان کے شانہ بشانہ لڑنے یا ان کے سامنے کاسہ گدائی لے جا کر ان سے بھیک مانگنے جیسی کوئی نحوست نہیں ہے۔ ہمارے اجلاسوں کی صدارتیں سرکاری وزیر یا گورنر نہیں کرتے۔ ہم صرف مؤحد اور متبع سنت کی توقیر کے قائل ہیں۔ البتہ دعوت سب کے لئے عام ہے۔

سامعین حضرات! جمعیت اہل الحدیث سندھ کی جہود و مساعی محض کسی ایک نکتہ پر مرکوز و موقوف نہیں۔ جبکہ یہاں تو حزبیت مذمومہ کا یہ عالم ہے کہ لوگوں نے اپنے ذوق کے کسی ایک مسئلہ کو لیکر اس کی بنیاد پر جماعتیں اور امارتیں تشکیل دے رکھی ہیں۔ کوئی اس کی شرعی دلیل پیش کرسکتا ہے؟

جمعیت اہل الحدیث سندھ، دعوت، جہاد، مدارس، غرباء وفقراء کی کفالت، تعمیر مساجد اور دیگر تمام شعبوں پر پوری دیانتداری کے ساتھ کام کر رہی ہے۔

ہماری جہادی پالیسی

بالخصوص جمعیت اہل حدیث سندھ کی جہادی پالیسی کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں، جو محترم شاہ صاحب مرحوم نے واضح کی، اور جس کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ یہ عین قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ جہاد میں تفرق نامی کسی نحوست کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میدانِ جہاد میں مؤحدین کی ایک ہی جماعت ہوتی ہے، دو یا تین یا اس سے زائد نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ] [1]

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔

آج دنیا میں جہاد ہجومی کہیں بھی نہیں ہو رہا۔ اس کیلئے شرعی امارت شرط ہے، مسلمان جہاں بھی برسرِ پیکار ہیں، اپنے دفاع کی جنگ لڑ رہے ہیں اور ہر جگہ اس کی حیثیت مظلوم کی ہے۔

ان بھائیوں تک پہنچنا، ان کی مدد کرنا ہمارا فریضہ ہے، امام طبرانی اپنی المعجم الأوسط میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان لائے ہیں:

[من لم يهتم بأمر المسلمين فليس منهم] [2]

جو ہمارے دکھوں کی داستان سنے اور ان کو دور کرنے کا اہتمام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

چنانچہ مسلمان جہاں بھی مظلومیت کا شکار ہیں، وہ ہماری ہمدردی اور تعاون کے حقدار ہیں۔ اور اگر وہ مظلوم ہونے کے باوجود مشغول جہاد ہیں تو اور زیادہ تعاون کے مستحق ہیں۔

تعاون کی صورت کیا ہے؟

جمعیت اہل الحدیث سندھ کا منہج تربوی یہ ہے کہ جس کسی علاقے میں کفار کی یلغار ہو

[1] الصف: ۴

[2] المعجم الأوسط، الرقم: ۷۴۷۳

وہاں دیکھا جائے گا کہ اہل الحدیث پلیٹ فارم موجود ہے یا نہیں؟ اور اگر اہل الحدیث پلیٹ فارم ہے تو دیکھا جائے گا کہ کفار کے خلاف برسرِ پیکار ہے یا نہیں؟

اگر اہل الحدیث پلیٹ فارم موجود ہو اور وہ عملاً جہاد میں شریک بھی ہو تو وہ وہاں ہماری جماعت ہے جو اذان دے کر بصورتِ جہاد، جماعت قائم کر چکی ہے۔ اب ان کے متوازی نظم قائم کرنا خواہ وہ کتنا مضبوط ہو، افتراق انتشار کا راستہ ہے۔ یہ وہ حزبیت مذمومہ ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے سختی سے روکا ہے، کچھ قرآنی نصوص اس مضمون میں بھی بیان ہو چکے۔

اس وقت مقبوضہ جموں و کشمیر، وہ خطہ ہے جہاں جہادی شمع پوری آب و تاب کیساتھ روشن ہے۔ وہاں مظلومیت کی داستانیں بھی اپنے عروج پر ہیں اور دوسری طرف مجاہدین کی شجاعت و بسالت کے روح پرور واقعات بھی تسلسل سے وجود میں آ رہے ہیں۔

کشمیر کی وادی چاروں طرف سے بلند و بالا پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں سے ہجرت ممکن نہیں صرف بارڈر کی پٹی سے کچھ لوگوں کو ہجرت کا موقع مل سکا اور وہ آزاد کشمیر میں خیمہ زن ہیں۔ باقی سب لوگ جن میں بوڑھے، بچے اور خواتین خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس وادی میں محصور ہیں اور بھارتی افواج کے مظالم کی چکی میں پس رہے ہیں، عفت مآب بہنوں کی عزتوں کو روندا جا رہا ہے، بوڑھوں اور بچوں کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ نوجوانوں کو ٹارچر سیلوں میں اذیت ناک مراحل سے گزار کر بالآخر موت کی تاریک وادی میں دھکیل دیا جاتا ہے۔

جہاد کشمیر کی پہلی گولی کے چلنے سے لیکر آج تک جمعیت اہل الحدیث مقبوضہ جموں و کشمیر کا عسکری شعبہ، تحریک المجاہدین اپنا جہادی کردار بڑے بھرپور طریقے سے انجام

دے رہا ہے۔

سب سے زیادہ تعجب اور خوشی کی بات یہ ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں تمام اہلحدیث ایک پلیٹ فارم پر منظم ومتحد ہیں اور وہاں پاکستان یا ہندوستان یا بنگلہ دیش یا نیپال کی طرح کوئی جماعتی اختلاف نہیں ہے۔

سامعین حضرات !جمعیت اہل الحدیث سندھ نے جب پوری چھان بین اور تحقیق بسیار سے یہ معلوم کرلیا کہ مقبوضہ کشمیر میں اہلحدیث احباب تحریک المجاہدین جو کوئی الگ جماعت نہیں بلکہ جمعیت اہل الحدیث جموں وکشمیر کا عسکری ونگ ہے، کے نام سے مصروف جہاد ہیں (اور اسی مقصد کے لئے شاہ صاحب مرحوم نے بھی آغازِ امر میں تفصیلی دورہ کیا تھا) تب سے ہم نے کشمیر کے جہاد میں تحریک المجاہدین کے پلیٹ فارم میں شمولیت کا عملی فیصلہ کرلیا۔اور تحریک کے ساتھ یہ تعاون، یہ تعلق، یہ محبت پہلے دن کی طرح آج بھی قائم ودائم ہے،اس میں گو ہمارا نام یا تشخص اجاگر نہیں ہوتا لیکن ہم مطمئن ومسرور ہیں۔اور یہ بات پوری وضاحت وصراحت سے سمجھ لیجئے کہ جہاد، نام ونمود یا ریاکاری جیسے بدنما ڈراموں کا نام نہیں، بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کا سودا ہے۔

سامعین حضرات !اب تحریک المجاہدین کے حوالے سے دو باتیں ہیں۔

ایک: یہ کہ تحریک المجاہدین کے ساتھی جہاد کررہے ہیں۔

دوسری: یہ کہ تحریک المجاہدین کے ساتھی کچھ کام نہیں کررہے۔

اگر جہاد کررہے ہیں تو پھر یہ ہمارے ہرطرح کے تعاون کے مستحق ہیں اور اگر جہاد نہیں کررہے تو بھی ہمارے ہرطرح کے تعاون کے یہی مستحق ہیں، کیونکہ یہ مظلوم ہیں۔

تقریباً پانچ سو کے قریب اہلحدیث مجاہد شہید ہوکر اپنے خاندانوں کو بے سہارا چھوڑ

گئے۔ان کی کفالت کون کرے گا؟

ہم اپنے پاکستانی ساتھیوں سے گذارش کرتے ہیں کہ اپنی دنیوی واخروی مسؤولیت کو پہچانیں اور دیکھیں کہ آپ کے کثیر جہادی تعاون کا کوئی ایک آدھ روپیہ ان مظلومین، بیواؤں اور یتامیٰ تک پہنچتا ہے؟

اور یہ بات بھی نوٹ کرلیجئے کہ ان تک آپ کا تعاون اگر پہنچنا ممکن ہے تو وہ صرف تحریک المجاہدین کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

جہادی تعلق سے منہجی خرابی

سامعین حضرات ! آج جہادی تعلق سے منہج کی خرابی بہت سے حوالوں سے اپنے عروج پر ہے۔

مقبوضہ کشمیر میں اہلحدیث جماعت کی موجودگی کے باوجود اپنے نظم قائم کرنا، حزبیت مذمومہ ہے۔

اہلحدیثوں کو چھوڑ کر غیر اہل حدیثوں حتیٰ کہ قبروں کے پجاریوں تک کے ساتھ مل کر جہاد کرنا خلافِ عقیدہ ومنہج اور غیرت توحید کے منافی ہے۔

جہاد کے حوالے سے جھوٹ پر مبنی پروپگنڈہ، مبالغہ آمیزی اور نمود ونمائش اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید وبرکت سے محرومی کا باعث ہے۔

"المؤمن يطبع على الخلال كلها غير الخيانة والكذب"[1]

یعنی مؤمن جھوٹ اور خیانت سے پاک ہوتا ہے۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبة، رقم الحدیث:۲۶۱۱۷

بحمد اللہ جمعیت اہل الحدیث سندھ کا جہادی پروگرام ان تمام خرابیوں سے مبریٰ اور منزہ ہے۔

ہمارے پاس دنیوی وسائل کی قوت نہیں ہے لیکن دلیل اور حجت کی قوت موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کامیابی دینے کیلئے ان ظاہری وسائل کا محتاج نہیں ہے۔

سامعین حضرات! جمعیت اہل الحدیث سندھ جہاد کبیر یعنی دعوت وتبلیغ کے فریضے کو ہر کام پر ترجیح اور تقدیم دیتی ہے۔

سندھ بھر میں دعوتی پروگرام منعقد ہو رہے ہیں اور سندھ کی جاہلیت کا بھرپور مقابلہ کرنے کے لئے مدارس کی اقامت اور سرپرستی قائم ہے۔ اور تازہ ترین اقدام کراچی میں (المعهد السلفي للتعليم والتربية) کا قیام ہے جس میں ایک سو کے قریب طلبہ، جن میں بیشتر صوبہ سندھ سے تعلق رکھتے ہیں، تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

ہمیں امید قوی ہے کہ شاہ صاحب مرحوم کی وفات سے پیدا ہونے والے خلا کو پر کر سکیں گے۔ (ان شاء اللہ العزیز)

اس اولین نظم، اس پہلی اذاں اور جماعت کے ساتھ مکمل وفاداری اور کامل ایثار کے ساتھ جڑے رہیں۔

ہم نے باہم مل جل کر دعوت وجہاد کی بہت سی مشترکہ اور اجتماعی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے۔

دعوت وجہاد کا عمل انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔

ایک نیا عزم اور ولولہ پیدا کیجئے، غفلت کے آثار اگر موجود ہیں تو انہیں دور کر دیجئے۔

اور یقین کر لیجئے کہ جمعیت اہل الحدیث سندھ کا پورا پروگرام قرآن وحدیث کے مطابق

ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا ومحبت کا حصول ہماری اصل منزل ہے۔

اللهم انا نسألك حبك وحب من يحبك وحب عمل يقربنا الى حبك. وصلى الله على محمد وعلى أله وصحبه وأهل طاعته وسلم تسليما كثيرا.

○○○○○○○○○○○○

صدارتی خطبہ

(2001ء)

موضوع:

دین اسلام کی بنیاد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ خاتم الأنبیاء والمرسلین نبینا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین.

اما بعد!

تمہید-خطبہ صدارت کی بنیاد

حضرات گرامی! آج ہمارے اس خطبہ صدارت کی بنیاد امام اہل السنۃ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک قول ہے: انہوں نے فرمایا ہے:

"اصول الاسلام علی ثلاثۃ أحادیث"

یعنی تین احادیث پورے اسلام کی بنیاد ہیں۔

(۱) حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ:

[انما الاعمال بالنیات]

یعنی تمام اعمال کی صحت کا دارو مدار صحیح نیت پر ہے۔

(۲) حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

[من أحدث فی أمرنا ھذا مالیس منہ فھو رد]

یعنی ہمارے دین میں آنے والی ہر نئی چیز مردود ہے۔

(۳) حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

[الحلال بین والحرام بین ......]

یعنی حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ (الحدیث)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہی قول امام حاکم نے بھی ذکر کیا ہے لیکن اس میں حدیث

(الحلال بین) کی بجائے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث (ان احد کم یجمع خلقه فی بطن أمه اربعین یوما.....الحدیث) مذکور ہے، اس حدیث میں انسان کی تخلیق سے لے کر اس کے انجام تک کے تمام مراحل کا بیان ہے۔

امام احمد بن حنبل کے ایک ہم عصر محدث امام اسحاق بن راہویہ، جو کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد بھی ہیں، نے بھی انہی چار احادیث کو "اصول دین" قرار دیا ہے۔ گویا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کی دونوں روایتوں اور امام اسحاق بن راہویہ کے قول کو اگر جمع کیا جائے تو مجموعی طور پر چار احادیث بنتی ہیں جن کے متعلق ان کا ارشاد ہے کہ یہ پورے دین کی بنیاد ہیں۔ یعنی اگر ان چار احادیث کے صحیح معانی ومفاہیم سمجھ لئے جائیں اور انہیں اپنا مشغلہ حیات بنا لیا جائے تو دین کے اہم اور بنیادی قواعد کا احاطہ ہوسکتا ہے۔ میں آج ان چاروں حدیثوں کے مکمل متن، مختصر ضروری تشریحات کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہوں گا اور اپنے آپ کو پہلے اور آپ تمام حضرات کو میں یہ نصیحت کروں گا کہ ان احادیث میں بیان شدہ مسائل وقواعد کو اچھی طرح سمجھ لیں اور انہیں معمول زندگی اور وظیفہ حیات قرار دیکر فرمان باری تعالیٰ: "ادخلوا فی السلم کافة" پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔

والتوفیق بید اللہ سبحانه وتعالیٰ، اللهم وفقنا لجمیع ما تحبه وترضاه.

پہلی حدیث

عن امیر المومنین أبی حفص عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: انما الأعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی فمن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله ومن کانت هجرته لدنیا یصیبها اوامرأة ینکحها فهجرته الی ماهاجر الیه.[1]

امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

بیشک تمام اعمال کی صحت کا دارومدار صحیح نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل سے وہی کچھ ملے گا جو اس نے نیت کی، چنانچہ ہجرت جیسا وقیع وعظیم عمل اگر اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کا پورا ثواب مل جائیگا اور اگر اس ہجرت سے حصول دنیا یا کسی عورت سے نکاح مقصود ومنوی ہے تو اس کے کھاتے میں یہی کچھ درج کردیا جائے گا (جب کہ ہجرت کے ثواب سے وہ یکسر محروم قرار پائے گا)۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

ائمہ وعلماء کے نزدیک اس حدیث کی عظمت واہمیت

امام بخاری رحمہ اللہ نے تو اس حدیث سے اپنی کتاب کا افتتاح فرمایا ہے اور اسے خطبہ کتاب کے قائم مقام قرار دے کر یہ تنبیہ فرمادی کہ ہر وہ عمل جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا

[1] رواه البخاري ومسلم

مقصود نہ ہو وہ باطل ہے، اس کا نہ تو دنیا میں کوئی ثمرہ ہے نہ آخرت میں۔

عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ کا قول ہے: کہ جو شخص بھی کسی کتاب کی تالیف کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اس حدیث سے آغاز کرے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر میں نے کوئی کتاب لکھی تو اس کے ہر باب سے قبل یہ حدیث تحریر کروں گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هذا الحديث ثلث العلم ويدخل في سبعين بابا من الفقه"[1]

یعنی علم دین کا ایک تہائی حصہ اس حدیث میں موجود ہے اور فقہ کے ستر ابواب میں اسے داخل کیا جا سکتا ہے۔

امام ابوعبید فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے تمام امور آخرت اپنے فرمان: [من احدث فی أمرنا هذا ماليس منه فهورد] میں اور تمام امور دنیا اپنے فرمان: [انما الأعمال بالنيات] میں سمیٹ کر رکھ دیئے ہیں، اور دونوں حدیثیں ہر باب کی بنیاد ہیں"۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میرے شمار کے مطابق مسند احادیث چار ہزار ہیں اور ان چار ہزار احادیث کا مدار چار احادیث ہیں۔ (جن میں سے ایک حدیث) "انما الأعمال بالنيات" بھی ہے

بلکہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے جب اپنی معروف کتاب (سنن ابی داؤد) تصنیف فرمائی تو فرمایا:

میں نے اس کتاب میں چار ہزار آٹھ سو احادیث درج کی ہیں اس میں سے چار

[1] جامع العلوم والحکم ۱/۹۱

احادیث انسان کے دین کے لئے کافی ہیں جن میں سے پہلی حدیث "انما الأعمال بالنيات" ذکر فرمائی۔

اس حدیث کے ایک تہائی علم ہونے کا قول علی بن مدینی، ترمذی، دارقطنی اور حمزہ سے بھی منقول ہے، امام بیہقی نے اس کی توجیہ اس طرح فرمائی ہے کہ بندے کا کسب و عمل دل، زبان اور بقیہ اعضاء سے ہوتا ہے، تو چونکہ دل ان اقسام ثلاثہ میں سے ایک مستقل قسم ہے اور نیت فعلِ قلب ہے لہذا نیت دین کا تیسرا حصہ ہی بنے گی، بلکہ عمل ہمیشہ نیت کا محتاج ہوتا ہے اور کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

سامعین حضرات! ہم نے علماء سلف کے چند اقوال پیش کئے ہیں تا کہ اس حدیث کی عظمت و اہمیت مزید واضح ہو جائے اور حدیث میں بیان شدہ مسئلہ کی حقیقت اور اہمیت و ضرورت مزید بڑھ جائے۔

صحتِ نیت کی اہمیت

چنانچہ اگر آپ مضمونِ حدیث پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تمام اعمال کی صحت و مقبولیت صحیح نیت پر موقوف ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ہر وہ شخص جو نماز، روزہ، صدقہ یا کسی بھی نیکی کی صورت میں کوئی عمل کرے تو ضروری ہے کہ عمل سے قبل نیت کر لے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے"۔

فضل بن زیاد نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا نیت کس طرح کرے؟ جواب میں فرمایا:

"یعالج نفسه اذا اراد عملا لا یرید به الناس"[1]

"یعنی مکمل محنت اور پوری شدت کے ساتھ اپنے آپ کو آمادہ کرے کہ نیکی کا مقصد لوگوں کو دکھانا نہیں، بلکہ اللہ رب العزت کی رضا جوئی ہے"

کیونکہ نیت کا فساد، عمل کو فاسد کر دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان (انما لکل امرئ ما نوی) کا مطلب یہی ہے کہ ہر عامل کے عمل کا حصہ اور نصیب اس کی نیت ہے، اگر نیت نیک ہے تو عمل بھی نیک قرار پائے گا اور اسے اس کا باقاعدہ اجر ملے گا اور اگر نیت فاسد ہے تو عمل بھی فاسد قرار پائے گا اور اسے اس کے گناہ اور بوجھ کا متحمل ہونا پڑے گا۔

اہمیت نیت مزید اجاگر کرنے کے لئے ہم چند احادیث پیش کرتے ہیں:

مسند احمد اور سنن نسائی میں عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"من غزا فی سبیل الله ولم ینو الا عقالا فله ما نوی"[2]

جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے اور اس کی نیت حصول زر ہو تو اسے اس (نیت فاسدہ) کا صلہ مل جائے گا۔ (یعنی وہ ثواب سے یکسر محروم رہے گا)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی مسند میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث لائے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان اکثر شهداء امتی أصحاب الفرش و رب قتیل بین صفین الله أعلم بنیته"[3]

---

[1] جامع العلوم والحکم ۱/۱۰

[2] نسائی، رقم الحدیث: ۳۱۳۸

[3] مسند احمد، الرقم: ۳۷۷۲

میری امت کی شہداء کی زیادہ تر تعداد بستر پر فوت ہونے والوں کی ہے، جب کہ صفِ معرکہ کے زیادہ تر مقتولین کی نیت اللہ خوب جانتا ہے۔

حافظ ابن رجب، ابن ابی الدنیا کے حوالہ سے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع روایت کے یہ الفاظ بھی نقل فرماتے ہیں:۔

"انما یبعث المقتتلون علی نیاتهم"

میدان جنگ میں لڑ کر شہید ہونے والے قیامت کے دن اپنی اپنی نیت کے مطابق اٹھائے جائینگے۔

مسند احمد وغیرہ میں جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کا معنی یہ ہے:

"جس شخص کا مقصود حصولِ دنیا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام بکھیر دیتا ہے اور اس کا فقر اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اور اسے دنیا اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کیلئے مقدر ہے۔ اور جس کی نیت آخرت کا حصول ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام مرتب کر دیتا ہے اور اس کے دل میں استغناء پیدا فرما دیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس آتی ہے"[1]

صحیح بخاری و مسلم میں جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت ہے:

"تم اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے جو بھی مال خرچ کرو حتیٰ کے اپنی بیوی کے منہ میں کھانے کا نوالہ ڈال دو تو تمہیں ضرور اس کا ثواب عطا کیا جائے گا"[2]

مسند احمد اور سنن ابی داؤد ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے:

"من تعلم علما مما یبتغی به وجه الله لا یتعلمه الا لیصیب عرضا من

---

[1] ابن ماجة، الرقم: ۴۱۰۵

[2] صحیح بخاری، الرقم: ۲۹۳۶

الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة [1]

جو شخص دین کا علم اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی بجائے دنیا کی منفعتوں کو سمیٹنے کیلئے حاصل کرے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا۔

سنن ابی داؤد میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی بابت دریافت فرمایا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

ان قاتلت صابرا محتسبا بعثك الله صابرا محتسبا وان قاتلت مرائیا مكاثرا بعثك الله مرائیا مكاثرا ...... الحدیث [2]

اگر تم نے صبر کے ساتھ اور صرف اللہ تعالیٰ سے اجر لینے کی نیت سے جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا تو اللہ تمہیں اسی طرح (یعنی صابر و محتسب) اٹھائے گا اور اگر تم نے طلب مال اور ریاکاری کی بنیاد پر جنگ وقتال کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں روز قیامت حریص مال اور ریاکار کے طور پر اٹھائے گا۔

سنن نسائی میں ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ایک انسان جہاد کے لئے جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے اجر کا خواہاں بھی ہے اور شہرت و ناموری کا طالب بھی تو اسے کیا ملے گا؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے کچھ نہیں ملے گا۔ اس شخص نے اپنا سوال تین بار دہرایا، اور آپ نے تینوں بار یہی جواب دیا، بلکہ آخر میں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ بندے کا صرف وہی عمل قبول فرماتا ہے جو اس کے لئے خالص ہو اور جس

[1] ابوداؤد، الرقم: ۳۶۶۴

[2] ابوداؤد، الرقم: ۲۵۲۱

عمل سے اس کی رضا جوئی مقصود ہو''

مستدرک حاکم میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں عمل کے ایسے درجے پر فائز ہونا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رضاء بھی مل جائے اور لوگوں کو بھی میرے اس درجے کا علم ہو جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

[فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿١١٠﴾] [1]

ترجمہ: پس جو اپنے رب کی ملاقات چاہتا ہے وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

مقصد یہ ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے عمل سے لوگ واقف اور مطلع ہوں تو یہ پروردگار کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرنا ہے اور اس کی تائید ایک انتہائی واضح اور صریح حدیث سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ مسند احمد میں شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من صلى يرائي فقد أشرك، ومن صام يرائي فقد أشرك ومن تصدق يرائي فقد أشرك [2]

یعنی دکھاوے کی نماز، دکھاوے کا روزہ اور دکھاوے کا صدقہ سب شرک ہے۔

مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ابو سعید بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

[1] الکہف: ۱۱۰

[2] مسند احمد، الرقم: ۱۷۲۷۰

ﷺ نے فرمایا تھا:

''جب اللہ تعالیٰ روز قیامت تمام اولین وآخرین کو جمع فرمائے گا تو ایک منادی ندا کرے گا جس نے اپنے عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا ہے (یعنی ریا کاری کی ہے) تو وہ اسی سے اس کا ثواب وصول کرے۔

صحیح بخاری ومسلم وغیرہ کی مشہور حدیث، جس میں تین افراد پر سب سے پہلے جہنم کی آگ گرم کرنے اور بھڑکانے اور انہیں الٹا گھسیٹتے ہوئے ڈالے جانے کا ذکر ہے آپ سے مخفی نہیں ہے، وہ تین افراد کون ہیں؟

(۱) ریاء کار عالم دین وقاری قرآن۔

(۲) ریاء کار سخی۔

(۳) ریاء کار شہید۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث سنی تو بہت روئے حتی کہ بے ہوش ہوکر گر گئے، جب ہوش آئی تو فرمانے لگے: اللہ اور اس کے رسول کا ہر فرمان سچا ہے۔

عظیم محدث یحیی بن ابی کثیر فرمایا کرتے تھے:

[تعلموا النية فانها أبلغ من العمل][1]

نیت کی حفاظت کرنا سیکھو، کیونکہ یہ عمل سے زیادہ اہم ہے۔

داؤد الطائی فرمایا کرتے تھے: ہر خیر کا سرچشمہ حسن نیت ہے۔

یوسف بن اسباط کا قول ہے: عاملین کے لئے طویل وعریض عبادات سے زیادہ، اخلاص نیت بھاری اور مشکل ہے۔

---

[1] جامع العلوم والحکم ۳۱/۳، الاربعین النوویة ۳/۱

سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

[ماعالجت شيئا أشد على من نيتي لأنها تنقلب علي][1]

تمام اعمال میں مجھے سب سے زیادہ مشکل، اپنی نیت کی حفاظت میں پیش آتی ہے کیونکہ یہ بدلتی رہتی ہے۔

سہل بن عبداللہ کا قول ہے: نفس پر سب سے مشکل اور گراں چیز اخلاص ہے، کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"رب عمل صغير تعظمه النية"[2]

بہت سے چھوٹے اعمال کو نیت، عظیم الشان بنادیتی ہے اور بہت سے بڑے اعمال کو نیت، حقیر وصغیر بنادیتی ہے۔

قاضی فضیل بن عیاض، قولہ تعالیٰ: [لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا][3] میں احسن عمل کی تفسیر فرماتے ہیں کہ وہ اخلص (بالکل خالص) اور اُصوب (بالکل درست) ہوتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں: عمل اگر خالص ہو لیکن درست نہ ہو تو بھی عنداللہ مقبول نہیں ہوتا۔ خالص کا معنی یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہو اور درست کا معنی یہ ہے کہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہو۔

نافع بن حبیب سے کسی نے کہا: ایک مسلمان بھائی کا جنازہ آیا ہے کیوں نہ پڑھ لیا

---

[1] ارشیف المجلس العلمی

[2] جامع العلوم والحکم ۲۸۰/۲، سیر اعلام النبلاء ۴۰۰/۸

[3] الملک: ۲

جائے؟ فرمایا: ٹھہرو میں ذرا نیت کرلوں، چنانچہ تھوڑی دیر کچھ سوچتے رہے، پھر فرمایا: اب چلو۔

زید بن ابی حبیب سے سفیان بن سعید الثوری نے حدیث سنانے کو کہا، لیکن زید بن ابی حبیب خاموش بیٹھے رہے، جب سفیان کا اصرار اور تقاضہ بڑھا تو فرمانے لگے:

"لاحتی تجیئی النیة"

نہیں ابھی نہیں، ذرا نیت درست کرنے دو۔

سامعین حضرات! میں نے یہ احادیث رسول ﷺ اور اقوال سلف اسقدر بسط وطوالت کے ساتھ اس لئے عرض کئے ہیں تاکہ آپ کو اخلاص نیت کی حقیقت وعظمت کا بخوبی ادراک ہوجائے۔ اخلاص کے بغیر جو بھی عمل ہوگا وہ غیر مقبول، بے برکت و بے ثمر ہوگا، روزِ قیامت "هباء منثورا" اور (خسر الدنیا والآخرة) کا نمونہ پیش کررہا ہوگا۔

اخلاص سے خالی عمل (خواہ کتنا ہی بڑا ہو) نہ صرف یہ کہ قابل قبول نہیں ہوسکتا بلکہ بندے کی ہلاکت، بربادی اور تباہی کا باعث بن جاتا ہے، بلکہ سب سے پہلے جہنم کا لقمہ بننے کا سبب بن جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

اس کے برعکس وہ عمل جو اخلاص کی دولت سے مالا مال ہو (خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو) مقبول بھی ہوگا، محفوظ بھی ہوگا اور قیامت کے قائم ہونے تک ڈھیرے ڈھیرے بڑھایا جاتا رہے گا۔

صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق بندے کی اخلاص سے خرچ کی ہوئی کھجور، احد پہاڑ کے برابر پہنچ چکی ہوگی۔

عالم دین، سخی اور شہید کو اخلاص کے فقدان پر جہنم میں ڈال دینے والی بے پرواہ قادر

مطلق ذات کے ہاں مخلصانہ عمل کی اتنی پذیرائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں نے بندے کے نامہ اعمال میں سے اس کی یہ نیکی بھی درج دیکھی جو اس نے راستے سے پتھر کو چلتے قدم سے ٹھوکر مار کر ہٹا دینے کی صورت میں انجام دی۔

[وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝] [1]

ترجمہ: تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے۔

خلاصہ نصیحت

لہذا یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے ہر عمل کو زیور اخلاص سے آراستہ اور نورِ للّٰہیت سے منور کرلیں اور ایسا کیوں نہ کریں جبکہ ہمیں معلوم ہوچکا کہ اخلاص نیت وللّٰہیت، قبول عمل کی اساسی شرط ہے۔

نماز، روزہ، صدقہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، امر بالمعروف، نھی عن المنکر اور دیگر تمام فرائض و نوافل اسی بنیاد پر قابل قبول ٹھہریں گے ورنہ ان پہاڑ جیسے اعمال کی رائی کے برابر بھی قیمت نہیں بنے گی۔

عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: "بشر هذه الامة بالثناء والعز والرفعة والدين والتمكين فی الأرض فمن عمل منهم عمل الأخرة للدنيا لم يكن له فی الأخرة من نصيب" [2]

ابی بن کعب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس امت کو اچھی ثنا، عزت ورفعت اور تمام زمین پر غلبہ پالینے کی بشارت دے دو، لیکن جس نے خالص آخرت والا

[1] مریم: ۶۴

[2] المستدرک للحاکم [illegible]

عمل دنیا کی خاطر کیا تو اسے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

نبی ﷺ کی اس بشارت کی صداقت ایک ٹھوس اور اظہر الشمس حقیقت ہے جس کا ذرہ برابر انکار ممکن نہیں ہے، لہذا جب پوری زمین کے غلبہ، سلطنت اور تمکین کے وعدے موجود ہیں اور اس مقدس اور پاکیزہ عمل کو دنیا کے مال، یا تنظیم یا منصب کی خاطر انجام دینے والے کے لئے آخرت میں مکمل محرومی کی وعیدیں موجود ہیں تو کیوں نہ ہم صرف اخلاص و تقویٰ اور تعلق باللہ پر توجہ دیں اور جھوٹ مبالغہ آمیزی یا شہرت پسندی جیسے مذموم ہتھکنڈوں کی بجائے رب ذوالجلال کی رضاء جوئی کو اپنا نصب العین اور ہدف حقیقی قرار دے لیں، کیونکہ مکمل فتح ونصرت اور غلبہ ارض کے نبوی وعدے بہر حال موجود ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمادیا:

(یبلغ هذا الدين مابلغ الليل)[1]

جہاں جہاں تک رات پہنچتی ہے وہاں وہاں تک یہ دین پہنچے گا۔

تو یہ دین دنیا کے کونے کونے میں پہنچ اور چھا کر رہے گا۔

لہذا ہم جادۂ مستقیم سے کیوں انحراف کریں؟ قوانین کتاب وسنت اور اسوۂ رسول ﷺ کو کیوں ترک کریں؟

ہمیں چاہئے کہ اللہ رب العزت کی رضاجوئی کو اپنا مقصد حیات بنالیں اور اپنے آپ کو باور کرالیں کہ یہی وہ ''عروۃ الوثقی'' ہے جس کے چھوٹنے سے ہم تائید ایزدی سے محروم قرار پائیں گے جبکہ اسے تھامے رہنے سے اللہ کی نصرت، محبت اور رحمت ہمیشہ میسر رہے گی۔

واللہ تعالیٰ ولی التوفیق

[1] طبرانی

دوسری حدیث

عن أم المؤمنين عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت : قال رسول الله ﷺ: من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد" وفي رواية مسلم : "من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد".[1]

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو دین میں نہ ہو تو وہ مردود ہے''۔

اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے جبکہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہے:

جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہ ہو تو وہ مردود ہے:

حدیث کا ماحصل!

سامعین کرام! یہ حدیث بھی دین اسلام کا ایک اصلِ عظیم ہے۔ بیان کردہ حدیث (الاعمال بالنیات) اعمال کی باطنی میزان ہے جبکہ یہ حدیث اعمال کی ظاہری میزان ہے۔

جس طرح ہر وہ عمل جو اللہ رب العزت کی رضاجوئی و اخلاص نیت سے خالی ہو باطل و مردود ہوتا ہے، اسی طرح اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے امر اور سنت کی موافقت ومطابقت سے خالی ہو تو باطل و مردود قرار پائے گا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے ہر خطبہ میں ان مبارک الفاظ کا اعادہ فرمایا کرتے تھے:

[1] بخاری، الرقم [illegible]

[وان أصدق الحديث كتاب الله و خير الهدى هدى محمد و شر الامور محدثاتها و كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة و كل ضلالة في النار][1]

بیشک سب سے سچا کلام کتاب اللہ ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور سب سے بدترین کام وہ ہے جو نیا ہو کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم کی آگ ہے۔

مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی چار وصیتوں کے ذریعہ رہتی دنیا تک کیلئے سعادت وفلاح کا پروگرام پیش فرمایا۔ ان میں سے ایک وصیت یہ تھی۔

[ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة][2]

نئے نئے امور سے بچو اس لئے کہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بدعت، اعمال کی بربادی کا باعث

سامعین کرام! مذکورہ بالا تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے ہٹ کر جو کام بھی کیا جائے گا وہ محدَث اور بدعت ہے۔ وہ شر الامور ہے۔ وہ عمل باطل اور مردود ہے، اس عمل کا امر منتہی یہ ہے کہ وہ عمل کرنے والے کو جہنم میں پہنچادے گا۔

بدعت، اعمال کی بربادی کا باعث کیوں؟

اس وعید شدید کی وجہ یہ ہے کہ شریعت سازی صرف اللہ تعالیٰ کا منصب ہے۔ وہ ذات

[1] نسائی، الرقم: ۱۵۷۹

[2] ابوداؤد، الرقم: ۴۶۰۷

باری تعالیٰ شارع یعنی شریعت بنانے والا ہے۔ تو جو شخص شریعت میں اپنی پسند یا مرضی کا کوئی عمل جاری کرے یا اپنائے گا وہ گویا اللہ تعالیٰ کے منصب شریعت سازی میں دخل اندازی کررہا ہے۔

[أَمْ لَهُمْ شُرَكَؤُا شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ][1]

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کررکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کردیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔

اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"من استحسن فقد شرع"[2]

(جس نے اچھا سمجھتے ہوئے کوئی کام نکالا اس نے شارع بننے کی کوشش کی)

یہ فعل کتنا بدترین وہیبت ناک ہے اللہ تعالیٰ نے پورا دین بنایا اور ہمیں عطا فرمادیا اس کی تکمیل کا اعلان بھی فرمادیا:

[اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا][3]

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا ہے اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کردی ہے اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کرلیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے پورا دین مکمل امانت کے ساتھ ہم تک پہنچادیا۔ اور فرمایا:

[1] الشوری: ۲۱

[2] حجة الله البالغة، ص: ۳۱۶، نضرة النعيم ۵۸۱/۱

[3] المائدة: ۳

"ما ترکت من شئی یقربکم الی الجنة الا وقد حدثتکم به" [1]

میں نے جنت میں پہنچانے والی ہر چیز بیان کر دی ہے۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"لم یکن نبی قبلی الا کان حقا علیه أن یدل أمته علی خیر ما یعلمه لهم وینذرهم عن شر ما یعلمه لهم" [2]

اللہ تعالیٰ کے ہر نبی کی یہ ڈیوٹی ہوتی ہے کہ وہ اپنی امت کو خیر کے ہر راستہ سے آگاہ کر دے اور شر کے ہر راستہ سے ڈرا دے۔

تو جنت کا ہر راستہ بتایا جا چکا ہے اور جب تمام تر جدوجہد حصولِ جنت کے لئے ہی کی جاتی ہے تو پھر کسی نئے عمل کو اپنانے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟ کیا یہ لوگ نعوذ باللہ نبی ﷺ کو شریعت کے پہنچانے کے معاملے میں خائن سمجھتے ہیں؟

امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"من ابتدع فی الاسلام بدعة ویراها حسنة فقد زعم أن محمدا ﷺ خان الرسالة" [3]

جو شخص اچھا سمجھتے ہوئے کسی نئے عمل کو اپنا لیتا ہے اس کا یہ خیال ہے کہ محمد ﷺ نے شریعت و رسالت کے پہنچانے میں خیانت سے کام لیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بدعت کا انجام بڑا بھیانک ہے: قولہ تعالیٰ: "يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ

[1] سنن دارمی

[2] مسلم، الرقم: ۴۸۸۲

[3] الاربعین النوویة ۲۰/۱

وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ" [1] (جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہونگے) کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: "تبیض وجوہ أهل السنة وتسود وجوہ اهل البدعة" [2]

(حدیث اور سنت پر عمل کرنے والوں کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے، جب کہ بدعت کو اپنانے والوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔)

مذمتِ بدعت و اہل بدعت سے برتاؤ!

بدعت ایک اتنی خطرناک حقیقت ہے کہ اہل بدعت کسی تعلق یا دوستی کے قابل نہیں بلکہ اسلام کے عقیدہ "الولاء والبراء" کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں یکسر چھوڑ دیا جائے۔ (صرف دعوت دینے کے لئے ایک واجبی سا تعلق رکھا جا سکتا ہے)

[اِنَّ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهُمۡ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ۝١٥٩] [3]

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں بس ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔ پھر وہ ان کو ان افعال سے آگاہ کر دے گا۔

بہت سے علماء سلف کا بیان ہے کہ یہ آیت کریمہ اہل بدعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

[1] آل عمران:۱۰۶

[2] تفسیر ابن کثیر، سورہ آل عمران:۱۰۶

[3] الانعام:۱۵۹

ابوقلاب تو یہاں تک فرمایا کرتے تھے:

"ما ابتدع رجل بدعة الا استحل السیف" [1]

جو آدمی کسی بدعت کو جاری کرے وہ اپنے لئے تلوار حلال کر لیتا ہے۔

سلیمان التیمی ایک بدعتی کو سلام کر بیٹھے۔ موت سے قبل اس گناہ کو یاد کر کے حساب کے ڈر سے روتے رہے۔

امام اوزاعی نے صحابی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

جو قوم کسی بدعت کو اپنا لیتی ہے اللہ تعالی ان سے سنت کو اٹھا لیتا ہے پھر وہ انہیں قیامت تک نصیب نہیں ہوتی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"اتبعوا ولا تبتدعوا فقد کفیتم" [2]

اتباع کے راستہ پر چلو۔ بدعت کی راہ مت اختیار کرو۔ قرآن وحدیث تمھارے لئے کافی ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

"کل بدعة ضلالة وان راها الناس حسنة" [3]

ہر بدعت گمراہی ہے خواہ لوگ اسے کتنا ہی اچھا سمجھیں۔

امام ابوحنیفہ کا قول ہے:

[1] الاعتصام للشاطبی ۱/۸۳

[2] دارمی، الرقم: ۲۱۱

[3] الآثار الصحیحة ۱/۴۲

"عامل بالاثر و طریقة السلف و ایاك و کل محدثة فانها بدعة"

تم حدیث اور طریقہ سلف کو لازم پکڑ لو اور نئے عمل سے اجتناب کرو کیونکہ وہ بدعت ہے۔

سامعین حضرات! ان تمام ادلہ نصوص اور اقوال سلف سے ثابت ہوا کہ بدعت گمراہی اور مہلک ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی شدید ترین مذمت وارد ہے۔ عملِ بدعت، بدعتی پر مردود ہے اور عنداللہ غیر مقبول ہے۔

قرونِ خیر اور مذمتِ بدعت

رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک شخص نے زمانہ بھر کے روزے رکھنے کا عمل شروع کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا: "من صام الأبد فلا صام" جس شخص نے ہمیشہ کے روزے شروع کر دیئے ہیں اس نے کوئی روزہ نہیں رکھا۔ [1]

ایک شخص نے سفر حج کے تعلق سے زیادہ ثواب کمانے کی غرض سے پیدل چلنے، دھوپ میں بیٹھنے، بھوکا اور پیاسا رہنے کا عزم کر لیا تو آپ نے فرمایا: "ان اللہ لغنی عن تعذیبه نفسه" اس نے اپنے آپ کو جس عذاب میں ڈال رکھا ہے اس سے اللہ ناراض ہے۔ [2]

تین افراد نے رسول اللہ ﷺ کے دور میں اپنا اپنا عزم کر لیا۔ ایک نے زمانے بھر کے روزے رکھنے کا' دوسرے نے رات بھر عبادت کیلئے جاگتے رہنے کا' اور تیسرے نے کبھی شادی نہ کرنے کا تاکہ پوری یکسوئی سے عبادت کر سکوں۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے طریقہ مبارکہ سے آگاہ فرما دیا اور پھر فرمایا اگر تم نے

[1] نسائی، الرقم: ۲۳۷۳

[2] مسند احمد، الرقم: ۱۳۸۶۶

اس سے اعراض کیا تو میرے دین یا امت سے تمھارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔[1]

عبداللہ بن عمر ایک مسجد میں نمازِ ظہر کے لئے تشریف لے گئے' موذن نے اذان دینے کے بعد تثویب کی تو اپنے ساتھی سے فرمایا ہمیں یہاں سے لے چلو یہ بدعت ہے۔ ان کی مجلس میں ایک شخص نے چھینک مار کر "الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ" کہا تو فرمایا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس طرح نہیں سکھایا بلکہ صرف الحمدللہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔[2]

سامعین کرام! رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے دور کی ان مثالوں سے بدعت کی مذمت اور اہل بدعت سے برتاؤ کا طریقہ واضح ہوا۔ چنانچہ اب ہمارے سامنے دین کا ایک اصلِ عظیم خوب واضح ہوگیا۔

[يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾][3]

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔

[وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا][4]

اور اگر تم صرف رسول کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے۔

والتوفیق بیداللہ تعالیٰ

---

[1] بخاری، الرقم:۵۰۶۳

[2] المعجم الأوسط، الرقم:۵۲۹۸

[3] محمد:۳۳

[4] النور:۵۴

تیسری حدیث

عن ابی عبداللہ النعمان بن بشیر رضی اللہ عنهما قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ان الحلال بین وان الحرام بین وبینهما أمور مشتبهات لا یعلمهن کثیر من الناس فمن اتقی الشبهات فقد استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام مثل الراعی یرعی حول الحمی یوشك أن یقع فیه ألا لكل ملك حمی وان حمی الله محارمه ألا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب.[1]

ابوعبداللہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"بے شک حلال بھی واضح ہے اور بے شک حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں، جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص ان شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ بنالیا اور جو شبہات میں واقع ہوگیا وہ حرام میں داخل ہوگیا۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے جو اپنے جانور کو اپنے کھیت کے اندر لیکن دوسرے شخص کے کھیت کے کنارے پر چرنے کیلئے چھوڑ دے۔ بہت جلد وہ جانور دوسرے کے کھیت میں داخل ہوکر چرنا شروع کردے گا۔

خبردار! ہر بادشاہ کی ایک سرحد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی سرحد، اس کے محارم ہیں۔

---

[1] رواہ البخاری ومسلم

خبر دار! انسانی جسم میں ایک لوتھڑا ہے۔ اگر وہ درست ہے تو تمام جسم درست ہے اور اگر وہ فاسد ہے تو تمام جسم فاسد ہے اور وہ لوتھڑا دل ہے۔ (اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے)

تفہیم الحدیث

سامعین حضرات! حدیث کا ترجمہ آپ نے سن لیا۔ اس کی شرح میں بڑے تفصیلی مباحث آسکتے ہیں لیکن مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ یہ خطبہ خاصہ طویل ہوتا جا رہا ہے۔ لہذا تفصیلی بحث کسی دوسرے موقع کیلئے ملتوی کرتے ہوئے صرف بنیادی قواعد و اصول کی نشاندہی کر دیتا ہوں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جو چیزیں حلال محض ہیں وہ بالکل واضح ہیں اور ان میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔ لہذا ان حلال امور کی تعلیم حاصل کیجئے اور انہیں اپنا لیجئے۔

۲۔ اسی طرح جو حرام محض ہیں وہ بھی بالکل واضح ہیں انہیں جاننا بھی ضروری ہے تا کہ ان سے بچا جا سکے۔

۳۔ حلال و حرام کے مابین کچھ اور امور ہیں جو بہت سے لوگوں پر مشتبہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ راسخین فی العلم ان سے واقف ہوتے ہیں، عامۃ الناس ان کے بارے میں الجھن اور تشویش کا شکار رہتے ہیں۔

عوام الناس کی ذمہ داری اور مشتبہ امور سے اجتناب

چنانچہ اب ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ حلال محض کو اختیار کریں اور حرام محض سے اجتناب کریں اور علماء راسخین واھل الذکر سے ایک قوی اور مستقل رابطہ رکھیں تا کہ امور مشتبہ کے

تعلق سے ان کے شبہات دور ہوتے رہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کے تجاوز و تعدی سے بچ سکیں۔

یہ سب کچھ کتاب وسنت کی تعلیمات سے ہی ممکن ہوگا۔ کیونکہ علماء سے رابطہ کی صورت میں قرآن وحدیث سے رابطہ بحال رہے گا اور جوں جوں قرآن وحدیث کا نور سینے میں اترتا جائے گا توں توں شبہات واضطرابات دور ہوتے جائیں گے۔ مشتبہات سے بچنے کی رسول اللہ ﷺ نے بڑی فضیلت بیان کی ہے۔

(فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه)

یعنی جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین وعزت کو محفوظ کر لیا۔ وہ ہر قسم کی بے دینی اور بے عزتی سے نکل گیا۔

اور اس کے برعکس امور مشتبہ کو اپنانے والا بہت تیزی سے امور محرمہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس لئے صحیح بخاری ومسلم کی ایک حدیث اس طرح وارد ہوا ہے:

فمن ترك ما شبه عليه من الاثم كان لما استبان اترك.[1]

جو شخص گناہ کے تعلق سے مشتبہ امور کو چھوڑ دے گا اسے واضح محرمات چھوڑنے کی زیادہ توفیق دی جائے گی اور یہ ظاہری بات ہے کہ جب وہ مشتبہ امور میں ورع کا پہلو اختیار کرتا ہے تو صراحت کے ساتھ ثابت شدہ حرام امور کا کیسے ارتکاب کریگا؟۔

صحابی رسول ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

تمام تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے حتی کہ رائی کے دانے کے برابر بھی گناہ نہ کرے۔ حتی کہ ایسے امور کو بھی چھوڑ دے جنہیں وہ حلال تو سمجھتا ہے لیکن ان کے اپنانے

[1] [illegible]

سے حرام کے ارتکاب کا اندیشہ ہو۔[1]

قلبِ سلیم کی اہمیت

۴۔حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے انسانی جسم کے ایک ٹکڑے یعنی دل کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر وہ درست ہے تو پورا جسم درست ہے اگر فاسد ہے تو پورا جسم فاسد ہے۔

درست دل کو قلب سلیم کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

[يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾][2]

جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی۔لیکن فائدہ والا وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بے عیب دل لے کر جائے۔

رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے:

[اللهم انی اسالك قلبا سليما][3]

''اے اللہ: میں تجھ سے قلب سلیم کا سوال کرتا ہوں''

قلب سلیم بہت ضروری ہے۔رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

[لا يستقيم ايمان عبد حتى يستقيم قلبه][4]

---

[1] فتح الباری ۱/۱۵، جامع العلوم والحکم ۸/۲۲

[2] الشعراء:۸۹،۸۸

[3] نسائی،الرقم:۱۳۰۴

[4] مسند احمد،الرقم:۱۳۰۴۸

بندے کا ایمان اس وقت تک سیدھا نہیں ہوتا جب تک اس کا دل سیدھا نہ ہو۔

قلب سلیم کے لئے ضروری ہے کہ وہ شرک و بدعت سے پاک ہو، ریا کاری سے پاک ہو، اخلاص و توحید کے نور سے منور ہو، اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا مرکز ہو، اللہ تعالیٰ کی معرفت، عظمت محبت، خشیت، مہابت، توکل اور رجاء سے معمور ہو اور (الولاء والبراء) کے تعلق سے کوئی خلل یا اضطراب اس کے دل میں نہ ہو۔لوگوں کے ساتھ معاشرت و مخالطت میں بھی دل استقامت اور اصلاح کا آئینہ دار ہو۔اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت و نفرت کی اساس پر قائم ہو۔اپنے بھائیوں کے خلاف کوئی کینہ، حسد، بغض یا کسی مکر وفریب کی نیت نہ ہو، ایک حدیث میں تو اس کو جنت کا شارٹ کٹ قرار دیا گیا ہے۔

"وان تصبح وليس فی قلبك غش لاحد"[1]

دل کو ٹٹولو اگر اس پر کوئی میل کچیل نہ ہو تو سمجھو یہ نکتہ قوارب نجات میں سے ہے۔

الغرض یہ حدیث دین اسلام کے عظیم قواعد پر مشتمل ہے۔اللہ تعالیٰ سے عمل و استقامت کی توفیق کا سوال ہے۔

---

[1] ترمذی، الرقم:۲۶۷۸

چوتھی حدیث

عن ابی عبدالرحمن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال : حدثنا رسول اللهﷺ وهو الصادق المصدوق (قال) " ان احدكم يجمع خلقه فى بطن أمه أربعين يوما نطفة ثم يكون علقه مثل ذلك ثم يكون مضغة مثل ذلك ثم يرسل اليه الملك فينفخ فيه الروح ويؤمر بأربع كلمات : يكتب رزقه وأجله وعمله و شقى ام سعيد فوالله الذى لا اله غيره ان احدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى مايكون بينه وبينها الا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل النار فيدخلها وان أحدكم ليعمل بعمل أهل النار حتى مايكون بينه وبينها الا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل الجنة فيدخلها "[1]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں پیغمبر صادق و مصدوق محمد ﷺ نے بیان فرمایا: ''ہر شخص کی خلقت اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ کی صورت میں' پھر چالیس دن جمے ہوئے خون کی صورت میں' اور پھر چالیس دن گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں جمع کی جاتی ہے۔ پھر اس کی طرف فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے۔ فرشتے کو چار کلمات کا حکم دیا جاتا ہے۔

۱۔اس کا رزق لکھنے کا

۲۔اس کی موت کا وقت لکھنے کا

[1] رواہ البخاری، الرقم:۳۲۰۸

۳۔اس کی زندگی کا عمل لکھنے کا

۴۔ یہ لکھنے کا، کہ یہ بدبخت ہوگا یا نیک بخت

مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تم میں سے ایک شخص جنت والے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی کتاب سبقت لے جاتی ہے اور وہ جہنم والا عمل کر کے جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔

اور تم سے ایک شخص جہنم والا عمل کرتا ہے حتی کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے پھر اس کی کتاب سبقت لے جاتی ہے اور وہ اھل جنت کا عمل کر کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے)

حدیثِ مذکور سے ملنے والا ایک واضح درس!

سامعین حضرات! میں اس حدیث کی تفسیر و شرح کسی اور وقت کے لئے چھوڑتا ہوں لیکن اس حدیث کے اندر موجود ایک واضح درس کا اعادہ کرتا ہوں کہ چونکہ بندے کی سعادت و شقاوت اور اعمال کا تعلق خاتمہ کے ساتھ ہے لہذا ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ خاتمہ ہونا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کس طرح ہونا ہے۔

اہل جنت و اہل جہنم کے نام لکھ کر قلم خشک ہو چکی ہے ہمیں اپنے خاتمہ تک اعمال صالحہ اختیار کئے رکھنے کا عزم کرنا ہے۔ یہ تمام زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اطاعت کے دائرے میں گزر جائے یہ سعادت کا راستہ ہے۔

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، کہا: جنتیوں اور جہنمیوں کے فیصلے ہو چکے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔

اس نے پوچھا: پھر عمل کرنے والے عمل کیوں کرتے ہیں؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو جس گھر کے لئے پیدا کیا ہے اس کے عمل اس کے لئے آسان بنا کر توفیق عطا فرما دیتا ہے۔[1]

اس لئے ہمیں ہمیشہ اپنے عمل کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

احادیثِ اربعہ کا پیغام اور نصیحت

سامعین حضرات! ان چاروں حدیثوں نے اصلاح نیت سے لیکر خاتمہ تک کا سارا پروگرام ہمارے سامنے واضح کر دیا ہے۔ دین کے تعلق سے سارے احکام و مسائل مجتمع ہو کر ہمارے سامنے آ چکے ہیں۔

اب باری عمل کی ہے اس کی استعداد پیدا کیجئے دعائیں بھی کیجئے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"الدعاء سلاح المؤمن"

دعا مؤمن کا ہتھیار ہے۔[2]

عمل کا مرکز اور مضبوط ترین پلیٹ فارم جمعیت اہل حدیث سندھ کی صورت میں موجود ہے۔ دعوت الی اللہ کی تخطیط موجود ہے۔ جہاد کی مشعل روشن ہے۔ مدارس و مساجد سے درس و تدریس اور "قال اللہ وقال رسول اللہ" کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ دامے، درمے، سخنے، قدمے اس پروگرام کا حصہ بن کر اصلاح دارین وسعادت دین و دنیا کا اہتمام کیجئے۔ تمام صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کر کے آخرت بنا لیجئے۔

---

[1] البخاری، الرقم: ۷۵۵۱

[2] المستدرک، الرقم: ۱۸۱۲

وہ شخص گھاٹے پر ہے جو آخرت نہیں بناتا کیونکہ دنیا نے تو ہمیشہ رہنا ہی نہیں تو پھر خسر الدنیا والآخرۃ. (دنیا وآخرت دونوں برباد) کی وعید ہی باقی رہ جائے گی۔

والله يوفقنا للصواب والسداد ويجيب دعوتنا وهو السميع القريب المجيب للدعوات و صلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

OOOOOOOO

صدارتی خطبہ

(2003ء)

موضوع:

مواعظ وتقاریر سننے وسنانے کے آداب

شیخ صاحب حفظہ اللہ نے یہ خطبہ تحریراً پیش نہیں کیا تھا بلکہ زبانی تقریر کی تھی جسے تحریری شکل دے کر قارئین کیلئے پیش کیا جارہا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ، ونستغفره ، ونعوذ بالله من شرور انفسنا، ومن سيئات أعما لنا، من يهده الله فلا مضل له ، ومن يضلل فلاهادى له وأشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۱۰۲﴾

(آل عمران:102)

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴿۱﴾ (النساء: 1)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴿۷۱﴾

(الاحزاب:70،71)

أما بعد:

فان أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدى هدى محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة فى النار.

تعلق بالوحی

[فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ][1]

ترجمہ: میرے بندوں کوخوشخبری سنادیجئے، جو بات کوکان لگا کر سنتے ہیں پھر جو بہترین بات ہواس کی اتباع کرتے ہیں۔

[1] الزمر:۱۸،۱۷

قال رسول الله ﷺ نضر الله امرا سمع مقالتی فحفظها ثم اداها کما سمعها.[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات کو سنا پس اس کو یاد رکھا پھر اسے اسی طرح پہنچا دیا جس طرح سنا۔

قال رسول الله ﷺ تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم.[2]

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم مجھ سے سنتے ہو اور تم سے سنا جائے گا اور ان سے سنا جائے گا جنہوں نے تم سے سنا۔

قال رسول الله ﷺ السامع المطیع لاحجة علیه والسامع العاصی لاحجة له.[3]

سن کر اطاعت کرنے والے کے خلاف کوئی حجت نہیں اور سن کر نافرمانی کرنے والے کے حق میں کوئی حجت نہیں۔

دینی جلسوں کی افادیت واہمیت

محترم علماء کرام، اراکین وکارکنان جمعیت اہل حدیث سندھ ودیگر تمام حاضرین مجلس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ جمعیت اہل حدیث سندھ کے زیر اہتمام 21 ویں سالانہ کانفرنس شروع ہو چکی ہے۔ بڑا منفرد پروگرام ہے اور اس کانفرنس کی افادیت کے بڑے آثار دیکھے گئے ہیں۔ اللہ رب العزت اس مبارک سلسلہ کو تا قیامت قائم ودائم رکھے اور اس کی برکات اس سے بھی بہتر انداز سے پھیلتی رہیں، اور اس کانفرنس کے انعقاد میں جو ساتھی پرجوش ہیں، حصہ لیتے ہیں، اور سرگرم ہیں یا معاونین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور

[1] ترمذی وغیرہ

[2] مسند احمد ۱/۳۲۱

[3] مسند احمد ۴/۹۲

ان کی نیتوں میں اخلاص پیدا فرمائے، بالخصوص اس عظیم کانفرنس کے بانی ومبانی ہم سب کے مربی وشیخ علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ، جن کا یہ صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ ان پر کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے اور اس کا اجر جزیل ان تک پہنچائے اور ہم سب کی حاضری قبول فرمائے۔ میں انتہائی اختصار کے ساتھ جلسوں اور کانفرنسوں کے حوالہ سے چند گذارشات کروں گا۔ درحقیقت تقریریں کرنا اور سننا، جلسے منعقد کرنا ایک مستقل عمل ہے۔ اور اس عمل کا رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کے طریقہ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ کانفرنس اور جلسے ہونے چاہئیں کیونکہ ان کے ذریعہ دین کی دعوت پھیلتی اور پہنچتی ہے اور لوگ سنتے اور مستفید ہوتے ہیں بالخصوص اہل حدیث منہج کے حاملین کو کانفرنس اور جلسے منعقد کرنے چاہئیں، کیونکہ اس زمین کی پشت پر سب سے کھری نکھری اور سچی دعوت جماعت اہل حدیث کی دعوت ہے۔ باقی تمام جماعتوں میں کہیں نہ کہیں جھول ہے کہیں نہ کہیں شکوک وشبہات ہیں لیکن یہاں یقین ہے، بصیرت ہے، اور اللہ کا فضل وکرم ایک منہجِ صافی لوگوں کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ تو اہل حدیث کے زیر اہتمام کانفرنس ہونی چاہئیں کیونکہ ہماری دعوت بالکل وہی دعوت ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت تھی۔ توحید کی دعوت، رسول اکرم ﷺ کی سنت کے ساتھ تمسک کی دعوت، شرک کی تفنید، بدعات کی بیخ کنی، ہماری دعوت کے اصول ہیں۔ لہذا جماعت اہل حدیث کے تحت کانفرنسوں کا خوب انعقاد ہونا چاہیے۔

مقررین وسامعین کی ذمہ داریاں

اب کانفرنسوں کے حوالے سے دو طبقے سامنے آتے ہیں، ایک سننے والوں کا اور دوسرا

سنانے والوں کا، سننے والے کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اور سنانے والوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ ان کو سمجھنا چاہئے تاکہ یہ عمل بھی اللہ کے پیغمبر ﷺ کی سنت کے مطابق ادا ہو کیونکہ ہر چیز میں رسول اکرم ﷺ کی سنت کی اتباع ضروری ہے۔ آپ ﷺ کی سنتوں کا دائرہ محض چند امور تک سمٹا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ پورا منہج حیات ہے، مکمل منہج حیات جس میں عبادات، معاملات، تصرفات، خرید وفروخت، کھانا پینا، حتی کہ انتہائی خفیہ گھریلو امور بھی، سب کے سب شامل ہیں۔ اس کائنات میں محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت وہ واحد شخصیت ہیں جن کی زندگی کا کوئی گوشہ چھپا ہوا نہیں حتی کہ وہ گوشے جو ہر شخص چھپا کر رکھتا ہے، اللہ رب العزت نے انہیں بھی لوگوں کے سامنے لانے کے اسباب مہیا فرمائے، تاکہ تمام امور میں اللہ کے پیغمبر علیہ السلام کی اتباع ہو۔ سننا اور سنانا تو انتہائی اہم امر ہے، بلکہ مقاصدِ نبوت میں شامل ہے لہذا اسے بھی مکمل طور پر سنت کے مطابق ہونا چاہئے۔

میرے دوستو اور بھائیو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی کہ آپ علماء کرام کے مواعظ سننے کیلئے یہاں تشریف لائے۔ یقیناً یہ قرآن وحدیث کی تڑپ ہے جو آپ کے سینوں میں موجود ہے۔

۱۔ اخلاصِ نیت

اس میں آپ کا اول واجب اور ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی نیتوں کو اللہ کی رضا کیلئے مخلص بنائیے۔ یہاں آنے کی نیت کیا ہونی چاہئے؟ یہ کہ اللہ راضی ہو اور یہ کہ ہم قرآن وحدیث سنیں گے، اور اپنے آپ سے جہل کی تاریکیاں دور کریں گے، اور یہ بھی ایک مقصد ہے کہ جب وہاں پہنچیں گے تو بہت سے دوستوں اور بھائیوں سے ملاقات ہوگی، ان کی زیارت ہوگی۔ یہ بھی شرعی نیت ہے کیونکہ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وجبت محبتي للمتزاورين في.[۱]

میری محبت ان لوگوں کیلئے واجب ہو جاتی ہے جو آپس میں میری رضا کیلئے ملاقاتیں کرتے ہیں۔

یہ نیت بھی انتہائی مثبت ہے، اگر نیت تنقیدی ہے، یا یہ کہ جا کر رونق میلہ دیکھیں یا ان جیسے دیگر منفی امور ہیں تو آپ کا وقت ضیاع کر رہے ہیں۔ اگر نیت یہی ہے تو اللہ کیلئے واپس چلے جائیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب لینا ہے اور وہی لمحہ کارآمد ہے جو شریعت کے مطابق گذرے۔ اس وقت یہاں جو لمحات گذر رہے ہیں ان کو شریعت کے مطابق بنانے کیلئے ضروری ہے کہ ہماری نیتوں میں اللہ کی رضا ہو، ہمیں قرآن سننے کا شوق ہو، اپنے بھائیوں سے اللہ کیلئے ملنے کا شوق ہو، ظاہر ہے اس قسم کے پرگراموں میں آنے اور قرآن وحدیث سننے کا بڑا مقام ہے۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے:

نضر الله امرا سمع مقالتي فحفظها ثم اداها كما سمعها.[۲]

اے اللہ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ کردے جو میری حدیث کو سنتا ہے سن کے یاد کرتا ہے اور آگے پہنچا دیتا ہے۔

۲۔ ذوق، شوق وتوجہ سے سننا

یقیناً یہ سننا ایک انتہائی مثبت اور کارآمد ہے، نبی علیہ السلام میدانِ منی میں دعائیں کررہے ہیں کہ یا اللہ ایسے لوگوں کے چہروں کو تروتازگی دینا، رونق اور سرور عطا فرمانا، جن کے دلوں میں لگن ہے کہ وہ میری حدیث کو سننے کیلئے پہنچتے ہیں بڑی توجہ اور یکسوئی سے سنتے ہیں

[۱] الاوسط للطبرانی ۲۱/۶
[۲] ترمذی: ۲۶۵۸

اورحضور قلبی سے سنتے ہیں پھر آگے پہنچا دیتے ہیں یہ سننا بڑا اہم عمل ہے۔ رسول اکرم ﷺ
ایک دفعہ وعظ فرمارہے تھے کہ ایک شخص آیا اس نے کوشش کی کہ میں راستہ بنا کر آگے
بڑھوں اور رسول اللہ ﷺ کے قریب بیٹھوں اور وہ کامیاب ہوگیا۔ اسے راستہ ملا اور وہ
آگے بڑھ گیا اور نبی ﷺ کے سامنے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ دوسرے نے کوشش نہیں کی کہ
وہ شرما گیا، کہ اس طرح آگے بڑھوں گا تو لوگ دیکھیں گے اسے پیچھے جہاں جگہ ملی وہیں
بیٹھ گیا۔ تیسرا یہ سب کچھ دیکھتا ہے بیٹھا نہیں وہاں سے نکل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
یہ تین افراد آئے تھے۔ ان میں سے ایک جو پہلا ہے جو آگے بڑھا:

فأوى الى الله فآواه

پناہ میں آنے کیلئے اللہ کی طرف بڑھا، اللہ نے اس کو پناہ دے دی اسے قبول کرلیا اور
اسے جگہ دے دی، اور دوسرا:

فاستحيا فاستحيا الله منه

وہ شرما گیا تو اللہ اس سے شرما گیا، یعنی اسے مبتلائے عذاب نہیں کرے گا۔

اور تیسرا

فأعرض فأعرض الله عنه.[1]

اس نے اعراض کیا منہ پھیرا اللہ نے اس سے اعراض کرلیا۔

تو پہلے دو افراد جو ہیں ان کا عمل کتنا قابل قدر ہے محدثین نے دونوں باب قائم کیے
ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص آتا ہے اور وہ محدث کے قریب جگہ دیکھتا ہے اگر وہ آہستہ
آہستہ جگہ بنا کر اس کے قریب بیٹھنے کی کوشش کرے تو اس کا یہ عمل بڑا افضل ہے، اس کا یہ

[1] بخاری ۱/۱۸۰، ۳۶، مسلم ۲۱۷۲

عمل اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے اور اس کی پناہ میں آنے کے مترادف ہے، اس کو سننے کی لگن
اور شوق ہے، صرف خطبہ جمعہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے گردنیں
پھلانگنے اور آگے بڑھنے سے منع فرمایا ہے یہ لوگوں کی ایذاء کا باعث ہے۔ دوسرا وہ شخص
ہے جسے جہاں جگہ ملی وہاں بیٹھ گیا دونوں سننا چاہتے ہیں لیکن ایک کی طلب زیادہ ہے وہ
آگے بڑھا اور قریب بیٹھنے کی کوشش کی اور کامیاب ہوا اسے اللہ نے قبول کرلیا۔ اسے جگہ
اور پناہ دے دی اسے عزت دے دی۔ بہرکیف ان دونوں شخصوں کے عمل سے یہ بات
ثابت ہوتی ہے کہ دین کو سننا بڑا افضل اور مبارک فعل ہے۔ تو بڑی توجہ اور یکسوئی سے
سنیں۔ سننے میں بھی سنت نبوی ﷺ کو پیش نظر رکھیں کہ جب نبی ﷺ وعظ فرماتے تو صحابہ
کرام کس طرح سنتے تھے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب وعظ فرماتے تو

كان على رؤوسنا الطير.[1]

ہم اس طرح پر سکون بیٹھتے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے ذرہ برابر جنبش
نہ کرتے کہ اگر سر ہلائیں گے تو پرندہ اُڑ جائے گا۔ فرمایا کہ نبی ﷺ کے وعظ کے دوران
ہماری یہ کیفیت ہوتی تھی کہ جیسے کوئی شخص ان پرندوں کو بچانے کیلئے بیٹھے، کوئی حرکت نہ
کرے اور نہ ہلے جلے۔

سننے کے حوالے سے رائج چند غیر شرعی امور

یہاں یقیناً اس غلط روش کی نشاندہی کی جائے گی جو آج کل اکثر جلسوں اور کانفرنسوں
میں لوگ اپناتے ہیں یعنی اُچھل کود، نعرے بازی اور کانفرنس کے دوران چھل پہل اور

[1] نسائی: ۲۰۰۳

گھومنا پھرنا یہ سننے کی سنت کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ کے سامنے صحابہ کیسے بیٹھتے اور کس طرح سنتے اس سنت کو اپنائیں آخر یہ قرآن اور حدیث ہے، کیا کوئی ان کا بدل ہے اور بعض لوگ صرف لذت کے حصول کیلئے سنتے ہیں، ان کے کوئی پسندیدہ واعظ یا مقرر آئے تو بیٹھ جاتے ہیں اور اس سے پہلے یا اس کے بعد چاہے کتنا بڑا محدث گفتگو کر رہا ہو قرآن وحدیث کی بارش برسا رہا ہو انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی، یہ سب کتاب وسنت کے مقام کے ساتھ استہزاء ہے، جب آپ سننے کیلئے آتے ہیں تو سنیں اور سننے کے تعلق سے جو نبی ﷺ اور صحابہ کرام کا منہج ہے اس کو اپنائیں یہ گھومنا پھرنا، چہل پہل، یہ آنا جانا کتاب وسنت کے آداب کے خلاف ہے۔

میرے دوستو اور بھائیو! ہر چیز میں سنت کی اتباع کیجئے۔ یہ بات بھی اکثر دیکھنے میں آتی ہے کہ تلاوت شروع کرادی جاتی ہے اور اس کے بعد منتظمین آپس میں گفتگو شروع کر دیتے ہیں اور پروگرام کی ترتیب بنانے میں مصروف ہو جاتے ہیں گویا جو تلاوت ہو رہی ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں، اس کے مقابلے میں ان کی آپس کی باتیں زیادہ اہم ہیں، حالانکہ قرآن پاک کو ذوق وشوق سے سننا بلکہ رقتِ قلبی اور خشوع وخضوع کے ساتھ سننا ایک امرِ مطلوب ہے اور مومن کے ایمان کی علامت ہے۔

تلاوت کے دوران حاضرین بھی اکثر باتوں میں مصروف رہتے ہیں، ان کے نزدیک بھی تقاریر کی اہمیت ہے، تلاوت قرآن کی نہیں، یہ سب قلتِ تربیت کے مظاہر ہیں، گویا ایک مقرر کی ذاتی گفتگو کی اہمیت، کلام اللہ سے بڑھ کر ہے۔ فانا للہ وإنا الیہ راجعون.

حالانکہ اللہ کے بندو قرآن کی تلاوت کو سننا تو سب سے اہم پروگرام ہے، ایک ایک حرف کو پڑھنے اور سننے پر ثواب کے وعدے ہیں، پھر قرآن پاک کے ساتھ حسن ادب کا

تقاضا یہ ہے کہ اسے کلام اللہ سمجھ کر محبت اور شوق سے سنا جائے، نبی ﷺ کا فرمان ہے:

ما أذن الله لشيء ما أذن للنبي ﷺ يتغنى بالقرآن.[1]

جب پیغمبر علیہ السلام قرآن کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جس شوق اور پیار سے ان کی تلاوت کو سنتا ہے اس طرح اور کوئی چیز نہیں سنتا۔

یہ بڑا مبارک فعل ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بعض اوقات قرآن کی تلاوت سنتے، صحابہ کو حکم دیتے کہ تم پڑھو اور آپ ﷺ سنتے۔ اس کو پڑھنا اور سننا دونوں موجب برکت اور موجب اجر ہیں۔ آپ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

ان الله أمرني أن أقرأ عليك سورة البينة.

یعنی: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم پر سورۃ البینہ پڑھوں۔

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

اقرأوا القرآن فانه يأتي يوم القيامة شفيعا لأصحابه.[2]

قرآن کی تلاوت کرو قرآن قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرتا ہوا آئے گا۔

[وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ][3]

جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو۔

اور جہاں تک قرآن پاک سننے کے شوق وذوق کی دلیل ہے تو رسول اللہ ﷺ نے

[1] بخاری: ۴۷۳۵، مسلم: ۷۹۲

[2] مسلم: ۸۰۴

[3] الاعراف: ۲۰۴

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

إقرأ علي شيئا من القرآن.

یعنی: مجھے کچھ قرآن پڑھ کر سناؤں۔

بہرحال سننے کے تعلق سے جو ذمہ داریاں آپ پر عائد ہوتی ہیں ان کا ملخص یہ ہے کہ نیتوں کی اصلاح، یکسوئی اور وقار کے ساتھ بیٹھنا، یہ ظاہر ہو کہ آپ اللہ کا دین سن رہے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، پھر خشیت وانابت اور فہم، جب یکسوئی سے بیٹھیں گے تو فہم بھی حاصل ہوگا اور حفظ بھی حاصل ہوگا، وہ حدیث اور مسئلہ دل میں نقش ہوگا۔

۳۔ آگے پہنچانے کا عزم

پھر یہ عزم کریں کہ ہم نے اسے آگے پہنچانا ہے کیونکہ دین کی بقاء اسی طریق سے قائم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث طبرانی کبیر (۲/۷۱) میں بسند ثابت مروی ہے۔

تسمعون ويسمع منكم ويسمع ممن يسمع منكم.[1]

یہ دین تم مجھ سے سنتے ہو، تم سے آگے لوگ سنیں گے، ان سے آگے لوگ سنیں گے۔

اس طرح یہ سماع کا سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا اور یہ ہے دین کی بقاء کا سلسلہ۔ تو سنیں اور یاد کریں پھر آگے سنائیں اور پہنچائیں۔

بلغوا عني ولو آية.[2]

میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

[1] مسند احمد ۱/۳۲۱

[2] بخاری: ۳۲۷۴

الا فليبلغ الشاهد الغائب.[1]

خبردار چاہئے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو پہنچا دے۔

یہ عزم لے کر اٹھیں کہ ہم نے اسے آگے پہنچانا ہے تاکہ دین کو پہنچانے کا سلسلہ قائم رہے، اور یہ دین کے بقاء کی بڑی قوی اساس ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کے تعلق سے چار قواعد ہمیشہ پیش نظر رہیں: ایک سماعِ حدیث، دوسرا حفظِ حدیث، تیسرا فہمِ حدیث؛ کیونکہ ایک حدیث میں (فوعاہ) کا لفظ بھی ہے، چوتھا نشرِ حدیث۔ والتوفیق بید اللہ تعالیٰ.

۴۔ عمل کا عزم

پھر یہ بھی عزم کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو عمل کی بھی توفیق دے کیونکہ علم کی زینت عمل ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ

تعلمنا العلم والعمل جميعا.

ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ سے علم اور عمل اکٹھے حاصل کیے۔

یعنی علم لیتے اور اس پر فوری عمل کرتے۔

قرآن کی دس آیات اترتیں، اگلی وحی کے نزول سے پہلے ان دس آیات پر عمل ہو چکا ہوتا۔ جو نبی علیہ السلام فرماتے ہم اس پر فوراً عمل کرتے، یوں علم اور عمل دونوں ساتھ ساتھ چل رہے ہوتے۔ ایسا نہیں کہ آج علم حاصل کر لو، عمل کل کر لینگے جب ریٹائر ہوں گے اور بوڑھے ہوں گے تب عمل کریں گے۔ نہیں علم کی اصل زینت، عمل ہے، بلکہ علم حاصل کرتے ہی عمل کی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ہر بندے کو سامنے کھڑا

[1] بخاری: ۶۸، مسلم: ۳۳۰۴

کر کے پانچ سوال کرنے ہیں اور جب تک بندہ ان سوالوں کے جواب نہ دے دے اس وقت تک اس کے قدم ہل نہیں سکیں گے،ان میں سے آخری سوال :(وعن عمله فيما علم) یعنی: جوعلم حاصل کیااس کے مطابق عمل پیش کرو۔

علم کے پہنچتے ہی اس کی حجت انسان پر قائم ہوجاتی ہےاورعمل ضروری ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ یہ کچھ ذمہ داریاں سننے کے حوالے سے ہیں۔

۱۔سامعین کے وقت کوامانت سمجھنا

کچھ ذمہ داریاں سنانے کے حوالے سے ہیں۔جوہمارے دوست، علماء، مقررین تشریف لائے ہیں اس کانفرنس میں یا کسی بھی کانفرنس میں وہ یہ بات نوٹ کرلیں یہ جوسامعین سامنے بیٹھے ہیں معلوم نہیں کہاں کہاں سے،تھر سے،کراچی سے،حیدرآباد سے، سکھر سے،ایسے ایسے دوردراز علاقوں سے تشریف لائے ہیں،ہرمقرر یہ سمجھے کہ یہ لوگ اتنی دور سے چل کرآئے ہیں، پیسہ بھی خرچ کیا، وقت بھی صرف کیا،اور یہاں بیٹھے ہیں،ان کا ایک ایک لمحہ میرے کندھوں پرامانت ہے،ان لمحات کوضائع نہ کروں بلکہ یہاں کھڑے ہوکر میرا جوان کے ساتھ تعلق ہو،وہ وہی ہو جومحمد رسول اللہ کا اپنے سامعین یعنی صحابہ کرام کے ساتھ ہوا کرتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

فأنا اخذ بحجزكم عن النار.[1]

کہ میں تمہیں آگ میں داخل ہونے سے تمہاری پشتوں سے پکڑ پکڑ کر کھینچ رہا ہوں۔

آپ ﷺ کوجہنم سے بچانے کی اوراصلاح کی کتنی فکر ہوتی تھی۔عقیدہ کی اصلاح کی، منہج کی اصلاح کی کہ میں تمہیں تمہاری پشتوں سے پکڑ پکڑ کر کھینچ رہا ہوں اورتم جہنم میں

[1] مسلم:۵۹۵۸

کودنے کی کوشش کررہے ہو،لہٰذا سامعین کے تعلق سے ایسا اخلاص ہوکہ ان کا ایک ایک لمحہ میرے کندھوں پرامانت ہے ان کو نہ ضائع کروں اور نہ ضائع ہونے دوں۔ان کو دین سکھاؤں،دین کو ان تک منتقل کروں۔یہ ہے رسول اللہ ﷺ کا منہج! اللہ کے پیغمبر فرمایا کرتے تھے۔

انما انا لكم بمنزلة الوالد.[1]

میں تمہارے لئے تمہارے والد کے مقام پر ہوں۔

تم سے میرا تعلق ایسا ہے کہ جیسے بیٹے کا تعلق باپ سے ہوتا ہے۔اور باپ اپنے بیٹے سے کس قدر مخلص ہوتا ہے،کوئی باپ اپنے بیٹے کی برائی چاہے گا؟اس کا نقصان چاہے گا؟ اس پر بری نگاہ ڈالے گا؟ بڑے مسائل میں بھی اس حدیث کوسامنے رکھیں،بیسیوں مسائل کا استخراج اس حدیث سے ہوتا ہے کہ عالم اور متعلم یا شیخ اور سامع یا مقرر اور سامع ان کا آپس میں کیا تعلق ہو۔نبی ﷺ کا فرمان کہ میں تمہارے لئے تمہارے والد کے مقام پر ہوں تمہیں ہر خیر اور شر سے آگاہ کروں گا۔

ماتركت شيئا يقربكم من الجنة ويباعدكم عن النار الاقد بينته.[2]

جنت میں لے جانے والی ہر چیز میں نے بیان کردی ہے جہنم سے بچانے والی ہر چیز میں نے بیان کردی ہے۔

ہر نبی اسی منہج کا پیروتھا۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

[1] ابوداؤد،رقم الحدیث:۸

[2] الجامع لمعمر بن راشد:۲۵۷۲

انه لم یکن نبی قبلی إلا کان حقا علیه ان یدل امته علی خیر ما یعلمه لهم وینذرهم شر ما یعلمه لهم.[1]

اللہ نے مجھ سے قبل جس پیغمبر کو بھیجا اس کی یہ ڈیوٹی تھی اور فرضِ منصبی تھا کہ وہ اپنی امت کو ہر خیر کا راستہ بتائے اور شر کے ہر راستے سے آگاہ کرے۔

اور یہ مخلصانہ تعلق ہے ایک داعی اور سامع کا کہ یہ ان کے وقت کو برباد نہ کرے بلکہ ان کے ہر لمحہ کو کارآمد بنائے اور ان کی حاضری کو اپنے کندھوں پر بطور امانت تصور کرے، جب کہ ہم وقت برباد کرتے رہتے ہیں۔

سامعین کو ہنسانا ان کا ذوق بگاڑنا ہے

ہماری کانفرنسوں میں وقت کی بربادی کا عالم یہ ہے کہ ایک مقرر یا واعظ لطیفے سنا سنا کر لوگوں کو قہقہے لگانے اور مستقل ہنسانے پر مجبور کرتا ہے، کیا یہ طریقہ منہجِ نبوی یا طریقۂ سلف صالحین سے ثابت ہے؟ پورے ذخیرہ احادیث سے صرف ایک حدیث بتلا دیں جس میں یہ ہو کہ آپ ﷺ نے دورانِ وعظ اپنے صحابہ کو ہنسایا ہو۔ یہ تو ثابت ہے صحابہ کرام آپ ﷺ کے وعظ کے دوران اپنی جھولیوں میں منہ ڈال کر روتے رہتے۔

فاضت العیون ورقت القلوب.[2]

یہ تو ثابت ہے کہ صحابہ کہتے ہیں دوران وعظ ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے، ہماری آنکھیں بھیگ جاتیں لیکن یہ لطیفے، ہنسنا ہنسانا یہ کس منہج سے ثابت ہے یہ وقت کا ضیاع ہے۔ اللہ تعالیٰ روز قیامت اپنے سامنے کھڑا کرے کہ تمہارے سامنے ہزاروں افراد لا کر بٹھائے

---

۱ مسلم: ۱۸۴۴

۲ بخاری: ۴۴۴۹

تو نے ان کا یوں وقت برباد کیا؟ تو بتایئے اس وقت کا کیا جواب ہوگا۔ یہ کوئی دین نہیں، یہ کوئی منہج نہیں اور ہمارے ہاں یہ خرابی بڑھتی جا رہی ہے۔ جس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ لوگوں کا ذوق خراب ہو گیا۔ بعض کانفرنسوں میں، میں نے بچشم خود دیکھا کہ ایک مدرسہ کے شیخ الحدیث بڑی علمی گفتگو کر رہے ہیں اور لوگ ٹہل رہے ہیں۔ ان کی گفتگو ختم ہوئی اور کسی گویے، مسخرے کا اعلان ہوا۔ سارے لوگ بھاگ بھاگ کر آ رہے ہیں۔ اور اپنی ٹوپیں درست کر رہے ہیں۔ یہ ہے جہالت، علم کا فقدان، علم کا نقصان، منہج کی خرابی۔ ذوق بگڑتا جا رہا ہے اصل علم سے لوگ دور ہوتے جا رہے ہیں اور بے عملی پھیلتی جا رہی ہے۔

میرے دوستو اور بھائیو! اس اقدام کی حوصلہ شکنی ہونی چاہئے ایسا کوئی عالم یا مقرر جو لطیفے سنائے، ہنسائے اس کی حوصلہ شکنی ہونی چاہئے۔ یہ کامیابی کا شعار بنتا جا رہا ہے اور لوگ یہ باتیں کرتے ہیں کہ فلاں عالم کی تقریر سنی ہنس ہنس کر پسلیاں درد کرنے لگیں، یہ کون سا ذوق ہے؟ کون سا دین ہے؟ کیا اللہ کے پیغمبر کی سنت یہی ہے؟

دورانِ تقریر مقرر کا گانا

ایک اور خرابی اللہ معاف کرے یا اللہ ہماری حالتوں پر رحم فرمایئے کیا ہو گیا ہے، یہ قوم کس طرف جا رہی ہے۔ باقاعدہ گایا جاتا ہے اور وہ بھی گانوں کی طرز پر گویا کہ اس شخص نے یہ گانا بار بار سنا ہوگا، میوزک کو بار بار سنا ہوگا تا کہ وہ دھن پکی ہو اور وہ آگے لوگوں کو سنا سکے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

مجھے قطعاً یہ بات پسند نہیں کہ میں کسی کے لہجے میں نقل اتاروں اگرچہ اس کے بدلے

مجھے کتنا ہی مال ودولت حاصل ہو۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے لہجے میں نقلیں اتارنے سے منع کیا ہے۔

نقلیں اتارنا وہ بھی گویوں، میراثیوں کی، فحش گویوں کی، یہ کتنا معیوب عمل ہے اور وہ بھی اسٹیج پر دوران وعظ دوران تقریر! میرے دوستو یہ منہج کی خرابی ہے۔ بڑا گھٹیا ذوق ہے یہ سننا بھی گناہ اور سنانا بھی گناہ۔ یہ سارے اعمال منہج نبوی ﷺ کے خلاف ہیں۔ سنت صرف چند امور کا نام نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ مکمل دستور حیات ہے اور سننا سنانا تو دین کا اہم ترین شعبہ ہے۔ جو لوگ سننے کیلئے آتے ہیں ان کیلئے محمد رسول اللہ ﷺ کی دعا ہے کہ یا اللہ ان کے چہرے تروتازہ کردے۔ تو سننے اور سنانے میں یہ شیطانی عمل شامل ہوجائے! لطیفے سنو، لطیفے سناؤ اور فلمی گانوں کی طرز پر اشعار پڑھو۔ چاہے اشعار کیسے ہی کیوں نہ ہوں، کتنا خطرناک تشبہ ہے، کتنی خطرناک محاکات ہے یہ فعل مجرمانہ ہے جو اس قوم کی صفوں میں سرایت کرتا جارہا ہے۔ لہذا کانفرنسوں میں ہونے والے یہ امور قطعی طور پر خلاف منہج نبوی ﷺ ہیں۔

دورانِ تقریر ایک بدعت کا ارتکاب

ایک چیز اور جسے میں بدعت کہوں گا وہ یہ کہ جب مقرر تقریر کرتا ہے اور لوگوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ سب لوگ مل کر سبحان اللہ کہو، سب لوگ سبحان اللہ کہتے ہیں پھر کہتا ہے اور زور سے کہو لوگ اور زور سے کہتے ہیں پھر کہتا ہے فلاں کونے سے آواز نہیں آئی، اور زور سے کہو، لوگ اور زور سے کہتے ہیں۔ میرے دوستو یہ اجتماعی ذکر کتاب وسنت کی کس نص

[1] جامع ترمذی، الرقم: ۲۵۰۲

سے ثابت ہے؟ یہ لوگوں سے اجتماعی ذکر کروانا کہ مل کر لا الٰہ الا اللہ کہو، مل کر سبحان اللہ کہو، پھر اللہ اکبر کہو۔ صحابہ تو اس روش کو بدعت کہتے ہیں۔ سنن دارمی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ پورا قصہ آپ کے سامنے ہے کہ مسجد میں ایک جماعت کو دیکھا جو باقاعدہ مستقل اللہ کا ذکر کررہی ہے ایک شخص ان کی قیادت کررہا ہے وہ کہتا ہے کہ سب مل کر سبحان اللہ کہو مل کر لا الٰہ الا اللہ کہو۔ لوگ کہہ رہے ہیں جب وہ اس عمل سے فارغ ہوئے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا:

لقد جئتم ببدعة ظلما.[1]

تم نے اس دین پر ظلم کرتے ہوئے ایک بدعت کو جاری کیا ہے۔

اس موقعہ پر انہوں نے یہ بھی فرمایا:

فعدوا سیآتکم فأنا ضامن أن لا یضیع من حسناتکم شئی.[2]

کہ جو کام تم کررہے ہو اس سے بہتر یہ ہے کہ تم گناہ کرکے آؤ اور وہ گناہ شمار کرو۔

تم بآواز بلند اجتماعی آواز سے مل کر سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ رہے ہو اور اسے گنتے جارہے ہو اس سے بہتر یہ ہے کہ تم گناہ کرکے آؤ اور وہ گناہ گنو۔

کیوں! اس لئے کہ اگر تم گناہ کروگے وہ شمار کروگے تو گناہ کا ایک وبال ہے مگر وہ نیکیوں کو برباد نہیں کرے گا۔ گناہ اپنی جگہ اور نیکیاں اپنی جگہ، گناہوں کے پلڑے میں گناہ رکھے جائیں گے اور نیکیوں کے پلڑے میں نیکیاں ہوں گی دونوں کا وزن ہوگا اور فیصلہ ہوگا۔ لیکن جو کام تم کررہے ہو چونکہ یہ بدعت ہے اور بدعت نیکیوں کو بھی برباد کردیتی ہے، نمازیں برباد

[1] مصنف عبدالرزاق، الرقم: ۵۴۰۹

[2] سنن دارمی ۱/۷۹

ہو رہی ہیں، روزے برباد ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں نے کیا کہا:

ماأردنا الا الخير.[1]

جو آج لوگ کہتے ہیں کہ اچھا کام ہی تو کر رہے ہیں خیر ہی تو کر رہے ہیں۔

صحابی رسول نے فرمایا:

وكم من مريد للخير لن يصيبه.[2]

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو بہت سے لوگ جن کی نیت خیر ہی کی ہوتی ہے لیکن خیر ان کو نصیب نہیں ہوتی۔ کیوں کہ خیر کی بنیاد محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ پھر اگر یہ کام خیر کا ہے، افضل ہے، تو اللہ کے پیغمبر ﷺ سے پوچھو کہ آپ ﷺ نے کبھی دوران وعظ کہا ہو کہ مل کر سبحان اللہ کہو، مل کر اللہ اکبر کہو، مل کر نعرہ تکبیر کہو، کیا اللہ کے نبی ﷺ کے منہج سے یہ چیزیں ثابت ہیں؟؟ قطعاً نہیں، کہیں کوئی ذکر نہیں، کہیں کوئی وجود نہیں۔ یہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ہم بڑے واعظ ہیں۔ (نعوذ باللہ)

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

بعثت بجوامع الكلم.[3]

مجھے اللہ نے جوامع الکلم دیے ہیں۔

اللہ نے مجھے یہ مقام دیا ہے کہ صرف ایک جملہ بول کر جنت کا پورا پروگرام واضح کر سکتا ہوں صرف ایک جملے سے۔۔۔ یہ میرا مقام ہے کہ صرف ایک جملہ سے پورا دین سمجھا سکتا ہوں۔ منہج سمجھا سکتا ہوں، جنت کا پورا راستہ بیان کر سکتا ہوں، اور احادیث میں ایسی

[1] الصحيحة، الرقم: ۲۰۰۴

[2] ایضا

[3] بخاری: ۲۸۱۵

بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ تو ایک واعظ کا یہ کہنا کہ سبحان اللہ کہو، بھائی ذرا زور سے کہو، بھائی لگتا ہے میں کسی قبرستان میں بیان کر رہا ہوں۔ مُردوں سے خطاب کر رہا ہوں حالانکہ اپنا دل مردہ ہوتا ہے، جب سنت چھوٹے گی تو یقیناً یہ وبال آئے گا۔ لہذا یہ تمام چیزیں سننے اور سنانے کی سنت کے خلاف ہیں۔

ایک خطرناک روش

ایک بڑی خطرناک روش میں نے دیکھی پروگرام ہو رہا ہے، تقریر ہو رہی ہے، قرآن کی تلاوت ہو رہی ہے یا پیغمبر کی حدیث بیان ہو رہی ہے اور کوئی صاحب اسٹیج پر آتے ہیں ان کو دیکھتے ہی لوگ نعرہ بازی شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا کیا معنی؟ یہ جو تقریر ہو رہی ہے، جو قرآن پڑھا جا رہا ہے اسے روکا جائے، اس قرآن سے، پیغمبر ﷺ کے فرمان سے، یہ آنے والا بڑا ہے، اس کی تعظیم کرو قرآن بند کرو، حدیث بند کرو، آنے والا بڑا ہے، اس کی تعظیم کرو۔ کتنی افسوسناک اور باطل روش ہے۔ یہ سارے امور جلسوں اور کانفرنسوں کی سننے اور سنانے والی جو سنت ہے، اس کے منافی ہیں۔

یہاں تو ایک ایک لمحہ اللہ کی رضا میں بسر ہو اور دین کے مطابق بسر ہو، تاکہ ہمارا آنا جانا، سننا، سنانا اللہ قبول فرمائے، اللہ ہم سے راضی ہو۔ تو یہ وہ چند امور تھے جو دیکھنے میں آتے ہیں، سننے میں آتے ہیں، بڑے افسوسناک ہیں، ان کا تدارک باہمی تعاون کے ساتھ ہونا چاہئے۔

ایک اور انتہائی خطرناک روش

ایک انتہائی خطرناک روش یہ بھی ہے کہ بغیر تحقیق وبصیرت کے موضوع روایات، من گھڑت قصے اور واقعات کا سہارا لیا جاتا ہے، انہیں سنایا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے، یہ

خطرناک عمل ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار.[1]

جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے گا اور کہے کہ یہ قولِ رسول اللہ ﷺ ہے، حالانکہ وہ بات میں نے نہیں کہی تو وہ دنیا میں طے کرلے کہ روز قیامت میرا ٹھکانہ جہنم کے سوا کچھ نہیں۔ وہ آج طے کر کے جائے میں قیامت کے دن جہنم میں جاؤں گا۔

ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

من يقل على ما لم أقل فليتبوأ مقعده من النار.[2]

جس شخص نے میری طرف وہ بات منسوب کی جو میں نے کہی ہی نہیں، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

تو یہ بھی ایک خطرناک روش ہے۔ دعوت میں بصیرت ہونی چاہئے۔ دیکھیں جو اللہ کے دین کا داعی ہے وہ انبیاء کا جانشین ہے۔ اللہ اس سے وہ کام لے رہا ہے جو کام انبیاء سے لیتا ہے لہذا اس عمل کو ہم کوشش کریں کہ انبیاء کے منہج اور ان کی سنت کے مطابق بنائیں تاکہ اس کا فائدہ ہو ورنہ میرے بھائیو یہ لاکھوں کے فنڈز جمع کرنا، خرچ کرنا، کھانا کھلانا، رونقیں لگالینا یہ کافی نہیں ہے۔ جب تک یہ سارے امور اور یہ سارے کام اللہ کے پیغمبر ﷺ کی سنت اور ان کے منہج کے مطابق نہ ہوں۔ اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمادے۔

خلاصہ نصائح

میرے دوستو اور بھائیو! جو لوگ اس سماع اور اجتماع ایسے عظیم عمل کو منہج نبوی ﷺ کے

[1] صحیح ابن حبان: ۲۰۰۰، مسند احمد: ۱۰۷۵

[2] بخاری: ۱۰۹

خلاف بناتے ہیں یا گذارتے ہیں وہ لوگ خطرناک ہیں ان کا نام چاہے کتنا بڑا ہو، القاب چاہے کتنے بڑے ہوں لیکن ہمارے لئے شخصیتیں نہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر ﷺ کا منہج اہم ہے اور یہ بات یاد رکھو حق رجال سے نہیں پہچانا جاتا، رجال حق سے پہچانے جاتے ہیں۔

الحق ما يعرف بالرجال وإنما يعرف الرجال بالحق.

رجال جو ہیں وہ حق سے پہچانے جاتے ہیں، رجال کی پہچان حق سے ہوتی ہے اگر وہ حق سنتے اور سناتے اور حق اپناتے ہیں تو وہ قابل قدر ہیں، محترم ہیں، اگر وہ حق سے دور ہیں تو ان کی کوئی وقعت نہیں، تو اس قسم کی روش کی حوصلہ شکنی ہونی چاہئے۔

سننا اور سنانا یہ مستقل ایک عبادت ہے، دین کا اہم شعبہ ہے، اس عمل کا اجر وثواب ہے، اور یہ حاصل تب ہوگا جب یہ سارا عمل اللہ کے پیغمبر کی سنت اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق ہوگا۔

صحابہ کیسے سنتے، اللہ کے پیغمبر کیسے سناتے، رسول اللہ ﷺ کا سامعین کے ساتھ کیا مخلصانہ تعلق ہوتا۔ کس طرح ان کے ایک ایک لمحے کو اپنے کندھوں پر امانت تصور کرتے، ان کو دین کی غذا دیتے، روحانیت ان کی طرف منتقل کرتے، یہ سب باتیں بالکل واضح ہیں۔ اللہ کا خوف ہونا چاہئے اور شریعت کی ان بنیادوں کو پورا کرنا چاہئے، تاکہ یہ سارے امور جو یقیناً اہم ترین ہیں، قرآن وحدیث کے مطابق انجام پائیں اور جو سارے منفی کام ہیں جو نہ قرآن سے ثابت نہ حدیث سے ثابت یہ سارا عمل باطل اور بے کار ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں اور جو لوگ اس عمل کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں وہ مشکوک ونا قابل اعتماد لوگ ہیں۔ لہذا ہم اس اہم ترین کام کو رسول اللہ ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دیں گے تو قابل قدر نتائج حاصل ہوسکتے ہیں۔ ہمارے بزرگ، ہمارے اسلاف

انہوں نے مسلک اہل حدیث کس طرح پہنچایا ان سادہ قرآن وحدیث کے دروس کے ذریعہ۔ وہ منہجِ سلف، صحابہ کے اقوال بڑی سادگی سے پیش کرتے، بیان کرتے اور لوگ سنتے اور سن کر اسلام قبول کرتے، عمل کرتے، عقیدے پختہ ہوتے۔ آج وہ چیزیں مفقود ہیں اس لئے کہ سننے اور سنانے میں جو اخلاص کا عمل ہے، اخلاص کا راستہ ہے اور جو تقویٰ کے تقاضے ہیں اور اللہ کے پیغمبر کی اتباع کے تقاضے ہیں وہ تقاضے مفقود ہوتے نظر آرہے ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم اس اہم ترین عمل کو اللہ کے پیغمبر ﷺ کے بتائے ہوئے راستے اور منہج کے مطابق اپنانے کی کوشش کریں۔ اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

یہ چند چیزیں جن کا کانفرنس سے تعلق تھا، ارادہ تھا کہ ان کو لکھوں گا، لیکن گذشتہ ہفتے، میں ملک سے باہر شارجہ میں تھا اور اس قدر پروگرام میں الجھا ہوا تھا کہ وقت نہیں نکال سکا لہذا زبانی یہ گذارشات پیش کردیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اخلاص پیدا فرمادے، ہمارے قلوب کو تقویٰ کے نور سے منور فرمادے، ہمیں خالص کتاب وسنت سننے اور سنانے کی توفیق عطا فرمادے۔

اقول قولی هذا استغفرالله لی ولکم وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین۔

OOOOOOOOOOO

صدارتی خطبہ

(2004ء)

موضوع:

فرقہ واریت کے دور میں ایک عام مسلمان کی ذمہ داری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ، ونستغفره ، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا ، من يهده الله فلا مضل له ، ومن يضلل فلاهادي له ،وأشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله .

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿١٠٢﴾

(آل عمران:١٠٢)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا ﴿١﴾ (النساء: ١)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ﴿٧٠﴾ يُّصۡلِحۡ لَـكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ﴿٧١﴾

(الاحزاب:٧٠،٧١)

أما بعد:

فان أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدى هدى محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها ، وكل محدثة بدعة ، وكل بدعة ضلالة ، وكل ضلالة في النار .

اما بعد اعوذ بالله من الشيطان الرجيم :[وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۠][1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں افتراق نہ کرو۔

[1] آل عمران:١٠٣

موضوع ومقدماتِ موضوع

''فرقہ بندی کا دور اور ایک مسلمان کی ذمہ داری'' کے موضوع پر چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔(وما توفیقی الا باللہ)

یہ دور فرقوں کا دور ہے اور فرقے ظاہر ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہینگے۔ تنظیمیں بنتی رہتی ہیں اور بنتی رہیں گی۔ ان حالات میں ایک مسلمان کی کیا ذمہ داری ہے اور کیا کردار ہے، اس موضوع کے تعلق سے پہلے کچھ مقدمات ہیں جن کا فیصلہ ضروری ہے۔

پہلا مقدمہ:

یہ ہے کہ ہم یہ فیصلہ کریں کہ زیادہ علم کس کو ہے؟ ہمیں یا اللہ تعالیٰ کو، ہم زیادہ جانتے ہیں یا پروردگار؟ پہلے اس بات پر سوچیں، غور کریں اور اس کا فیصلہ کریں۔ قرآن بھی کہتا ہے:

[ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ][1]

ترجمہ: کیا تمہیں زیادہ علم ہے یا اللہ تعالیٰ کو۔

اگر زیادہ علم اللہ تعالیٰ کو ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے فرامین ہماری کسی وضاحت کے محتاج ہیں؟ ہماری کسی تاویل کے محتاج ہیں؟ ظاہر ہے کہ ہم سب کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم پوری کائنات پر حاوی ہے۔ صحیح بخاری میں [موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ میں یہ بات مذکور ہے کہ جب وہ کشتی میں تھے تو انہوں نے ایک پرندہ دیکھا جس نے اپنی چونچ میں

[1] البقرة:١٤٠

سمندر میں سے پانی بھرا، (جن کا تعلق اللہ کے ساتھ ہوتا ہے وہ دنیا کی ہر چیز کو دین کے ساتھ، آخرت کے ساتھ مربوط کرتے ہیں اور جوڑتے ہیں یہ منظر اللہ کے دونبیوں نے دیکھا) تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: تم نے یہ پرندہ دیکھا اس نے اپنی چونچ میں پانی بھرا؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، تو خضر علیہ السلام نے فرمایا: کہ میرا علم، تمہارا علم اور پوری مخلوقات کا علم (ان مخلوقات میں فرشتے اور جن ہیں اور انسان بھی ہیں جو بڑے مدبر، مفکر اور فلسفی اور منطقی ہیں اور ان میں محدثین، خطباء اور شعراء بھی ہیں) اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنا ہے جتنا پرندے کی چونچ کا پانی اس سمندر کے مقابلے ہیں]

یہ تشبیہ صرف سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ اللہ رب العزت کا علم، اور اس کی صفات مثالوں میں مقید نہیں ہوسکتیں۔

دوسرا مقدمہ:

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں کو اپنے دین کا مکلف اور پابند بنایا ہے، ہماری حاجات کیا ہیں اور دین کے تعلق سے ہماری ذمہ داری کیا ہے، اس کا علم زیادہ کس کو ہے؟ ہمیں یا اللہ تعالیٰ کو؟ قرآن مجید میں ہے:

[اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝][1]

یعنی: (اللہ رب العزت اپنی مخلوق کو خوب جانتا ہے) کیونکہ وہی خالق ہے، لہٰذا وہی زیادہ جانتا ہے کہ مخلوقات کے لئے کیا بہتر ہے اور کیا بدتر، وہ خوب جانتا ہے کہ بندوں کے امراض کیا ہیں اور ان کا علاج کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے

[1] الملک: ۱۴

"اللہ الطبیب"[1]

یعنی (طبیب تو اللہ تعالیٰ ہے)

یہ سب مقدمات ہیں جن سے سب مسلمان متفق ہیں، ان میں کسی مسلمان کو کوئی اختلاف نہیں۔

تیسرا مقدمہ:

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان کے نقصان اور امراض سے آگاہ کردیا ہے یا نہیں؟ (یعنی کونسی چیز نقصان دہ ہے اور کونسی چیز نافع) یہ قرآن کا اصل موضوع ہے، کیونکہ کتاب وسنت کا موضوع انسان ہے، انسان ہی مخاطب ہے اور الحمد للہ رب العالمین سے لیکر الناس تک انسان ہی موضوع بحث ہے۔

یہ سارے مقدمات بالکل واضح ہیں، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی صورت میں ایک ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ضابطہ حیات مقرر فرمایا ہے وہی ہمارے لئے بہتر ہے، اسکے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ][2]

ترجمہ: (میں نے اسلام کو بطور دین تمہارے لئے پسند کرلیا ہے) یہی میرا پسندیدہ دین ہے کوئی اور نہیں، چنانچہ دوسری جگہ فرمایا:

[1] ابوداؤد، الرقم: ۴۲۰۷

[2] المائدۃ: ۳

[فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ] [1]

یعنی جب حق متعین ہوجائے تو باقی جو کچھ ہے وہ گمراہی ہے چنانچہ کتاب وسنت کا حق ہونا متعین ہے، اس لئے کتاب وسنت کے سوا جو کچھ ہے وہ گمراہی ہے (یہ سب واضح مقدمات ہیں) امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"نحن قوم اعزنا الله بالاسلام فاذا طلبناه فی غیره اذلنا الله" [2]

یعنی [ہم وہ قوم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عزت، دین اسلام میں رکھی ہے اگر ہم نے اپنی عزت، دین اسلام کے علاوہ کسی اور جگہ سے تلاش کرنے کی کوشش کی (کہ فلاں ضابطہ، فلاں قانون ہمارے لئے عزت کا باعث ہوسکتا ہے) تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کردے گا]

لہٰذا ایک مومن کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ہر مسئلہ اور معاملہ میں دین اسلام کی طرف رجوع کرے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے اور ہماری عزت ورفعت کی اساس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۳۹﴾] [3]

ترجمہ (نہ تم سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایماندار رہو)

اس معنی کی اور بھی بہت سی آیات ہیں، جب اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو پھر ہم کبھی ذلیل، شکست خوردہ اور مغلوب ومقہور نہیں ہوسکتے، اور اگر ہمیں شکست لاحق ہو یا ہم کبھی

---

[1] یونس: ۳۲

[2] تفسیر ابن کثیر ۲/۴۰

[3] آل عمران: ۱۳۹

الت کی دلدل میں پھنس جائیں تو اس کا لازمی معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں چھوڑ دیا ہے (کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ کا ساتھ ہے دنیا کی کوئی طاقت ہمیں زیر نہیں کرسکتی) ہماری شکست اور ذلت کا یہی ایک معنی ہے اور کوئی نہیں۔ ہماری شکست اور ذلت کا یہ معنی قطعاً نہیں کہ ہماری طاقت، وسائل، اسلحہ اور تعداد کم تھی۔ جنگ موتہ میں مسلمان ۱۳ ۰۰۰ اور دشمن ایک لاکھ پھر بھی مسلمانوں نے مقابلہ کیا اور شکست نہ کھائی، اس کا معنی یہ ہوا کہ ہم تعداد وغیرہ کے محتاج نہیں۔۔۔۔ ہمارے مغلوب ومقہور ہونے کا ایک ہی معنی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں چھوڑ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جانتا ہے، ہمارے نفع ونقصان کا علم بھی اس کو ہے، ہمارا اصل طبیب بھی وہی ہے اور اس نے سب باتیں طے کردی ہیں۔

فشل کا سبب اور علاج

اللہ تعالیٰ نے ہمارے فشل (ناکامی، ذلت، ورسوائی) کے اسباب بیان کردیئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ] [1]

ترجمہ (آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے (جو کہ ہمارا خالق ومالک ہے، جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہے، جو ہمارے نفع ونقصان کو جانتا ہے، جو ہمارا خیرخواہ ہے، جو امراض کی تشخیص رکھتا ہے اور ان کا علاج بھی جانتا ہے) ہمارے فشل کا ایک ہی سبب بیان فرمایا ہے اور وہ ہے فرقہ بندی، تنازعات، اختلافات۔ اب اس فشل کا علاج بھی اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے، چنانچہ

---

[1] الانفال: ۴۶

پہلے تمہیداً فرمایا:

[يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ] [1]

ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہئے اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا) یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جیسے ڈرنے کا حق ہے اور یہ بات مسلسل تمھارے دھیان میں رہے کہ تم پر موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے، کفر میں نہ آئے کیونکہ موت کی دو حقیقتیں اٹل ہیں، ایک یہ کہ اس نے سب پر آنا ہے، دوسری یہ کہ بتا کر نہیں آنا، جب موت نے سب پر آنا ہے اور اچانک آنا ہے تو ذمہ داری اور بڑھ گئی لہٰذا یہ بات ہمیشہ دھیان میں رہے کہ تم پر موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے، اپنے آپ کو ٹھیک کرلو اپنا قبلہ درست کرلو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ موت کو یاد رکھو، اور اپنے آپ سے پوچھو کہ اگر آج موت آجائے تو کیا میں موت کے لئے تیار ہوں، اگر آج میں مرجاؤں تو کامیاب ہوجاؤنگا؟ کیا میں شرک وبدعت میں گرفتار تو نہیں؟ کیا کوئی گناہ تو نہیں کررکھے، جن سے ابھی تک توبہ نہیں کی؟ کسی کا حق تو نہیں مارا، کسی کی غیبت تو نہیں کی، چغلی تو نہیں کھائی، کیونکہ یہ سارے امور وہ ہیں جن کے متعلق باز پرس ہوگی، اگر آج ابھی موت آجائے تو کیا ہم مستعد ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے کیا کہا؟ اگر تم اس دعوی میں سچے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے پیارے ہو تو اپنے لئے موت کی تیاری کرو، کیونکہ موت سے ہی تم اپنے پیارے سے مل سکو گے، پھر فرمایا کہ یہ موت کی تمنا نہیں کریں گے کیوں؟ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ آگے ہمارے اعمال کیا ہیں، کیا کیا سیاہ کاریاں ہیں، کیا گندہ عقیدہ ہے، کیا نجس اعمال ہیں، انہیں

[1] آل عمران:۱۰۲

معلوم ہے کہ اس حال میں موت آئے گی تو ہمارا ستیاناس ہوگا، عذاب الیم میں مبتلا کئے جائینگے، اس عذاب کو کیسے برداشت کریں گے۔

بہر حال یہ تو ابھی تمہید چل رہی ہے کہ حقِ تقوی اختیار کرو اور اس بات پر پورا دھیان رکھو کہ موت، اسلام پر آنی چاہئے، اس کے بعد تقوی اختیار کرنے اور اسلام پر مرنے کا طریقہ اور اس کی راہ بتائی چنانچہ فرمایا:

[وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا] [1]

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کی رسی سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو) یعنی یہ اس طرح ممکن ہے کہ مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو تھام لو اور تفرقہ نہ کرو، فرقہ نہ بنو، تنازع نہ کرو یہ اصلاح کا راستہ ہے، اس راہ پر چلو گے تو حق تقوی بھی ادا ہوگا، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد اور بہتری کی تدبیر فرمائے گا اور تمہارے خاتمہ کی حفاظت فرمائے گا کیونکہ تم نے اپنا قبلہ درست کرلیا، کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو تھام لیا اور اپنی ذات کو تفرقے کا باعث نہیں بنایا۔

یہ سارے مقدمات بالکل باہم مربوط ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمارے فشل اور ناکامی کا سبب بتادیا ہے اور اس کا علاج بھی بتادیا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ثابت ہوئی کہ ہمارا تفرقہ وتنازعات کا شکار ہونا، ہمارے فشل کا سبب ہے، یعنی اصل خرابی اور ہمارے ضعف کا اصل سبب یہی افتراق ہے۔

افتراق وفرقہ کا سبب

اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ افتراق کیسے ہوتا ہے، فرقہ کیسے بنتا ہے، ہمیں یہ معلوم ہونا

[1] آل عمران:۱۰۳

چاہئے کہ فرقہ کیسے بنتا ہے تاکہ ہم اس راہ سے بچیں۔ دیکھئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک لائن دی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کہا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی پہچان کراتے ہوئے فرمایا:

[فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ] [1]

(پس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اسے مضبوطی سے تھامے رہیں بیشک آپ صراط مستقیم پر ہیں)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وحی کیا ہے؟ وحی دو چیزوں کا نام ہے یعنی کتاب وسنت، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہی دو چیزیں آپ ﷺ پر نازل فرمائی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ] [2]

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت (حدیث) اتاری ہے)

پھر فرمایا:

[اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ] [3]

(بے شک آپ صراط مستقیم پر ہیں)

معنی یہ ہوا کہ صراط مستقیم اللہ تعالیٰ کی وحی کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحی دو چیزیں سے عبارت ہے۔ ایک قرآن دوسری حدیث۔ صراط مستقیم کتاب وسنت کے علاوہ کسی چیز کا نام

[1] الزخرف:۴۳
[2] النساء:۱۱۳
[3] الزخرف:۴۳

نہیں۔ صراط مستقیم لوگوں کی باتیں، فتوی، قصے کہانیاں، قیل وقال، ظن وتخمین اور چونکہ چنانچہ نہیں۔ صراط مستقیم ایک حقیقت کا نام ہے، اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ کی وحی کہتے ہیں۔

اسے کون کون تھامے؟ کیا کوئی طبقہ مخصوص ہے، کہ وہ تھامے اور باقی نہ تھامیں؟ نہیں، بالکل نہیں، بلکہ صراط مستقیم سب کے لئے ہے، سب ہی اسی کو تھامیں۔

اس لئے آگے فرمایا:

[وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ] [1]

یعنی یہ نصیحت آپ کے لئے اور آپ کی پوری قوم کے لئے ہے۔ پوری قوم کے لئے، چاہے وہ عالم ہو یا عامی، وہ تاجر ہو یا آجر، کچھ بھی ہو۔ البتہ تھامنے کی اپنی اپنی حدود ہیں، یہ ایک الگ موضوع ہے کہ کون کس طرح تھامے، لیکن تھامنا، سب نے اس وحی کو ہی ہے۔

پھر فرمایا:

[وَسَوْفَ تُسْـَٔــلُوْنَ] [2]

یعنی (عنقریب تم سے پوچھ گچھ ہوگی۔)

ایک اور مقام پر فرمایا:

[وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ] [3]

یعنی قیامت کے دن پروردگار کی آواز آئے گی کہ روک لو سب کو! میں نے سب سے باتیں کرنی ہیں، سب سے سوال کرنے ہیں۔

[1] الزخرف:۴۴
[2] الزخرف:۴۴
[3] الصفت:۲۴

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک سے براہ راست بغیر کسی ترجمان کے باتیں کرے گا، اور یہ اہم ترین نکتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

[وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَآ أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ۝] [1]

(اللہ تعالیٰ لوگوں سے سوال کرے گا کہ تم نے میرے نبیوں کی دعوت کا کیا جواب دیا)

بہر حال یہ بات واضح ہو چکی کہ صراط مستقیم وحی الٰہی ہے (اور وحی دو چیزوں سے عبارت ہے ایک قرآن دوسری حدیث) یہ وحی بالکل واضح ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"قد ترکتکم علی البیضاء" [2]

یعنی جو راستہ میں نے تمہیں دیا ہے وہ بیضاء یعنی بالکل چمکدار اور روشن ہے جس میں اندھیرا اور تاریکی بالکل نہیں، بڑا روشن راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝] [3]

ترجمہ (اور بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟)

قرآن نصیحت ہے اور نصیحت آسان ہونی چاہئے، ناصح نصیحت کرے ایسے پیرائے میں کہ منصوح کو کوئی بات پلے نہ پڑے، تو یہ ناصح کا کمال ہے یا اس کا عیب ہے؟ اللہ تعالیٰ

[1] القصص:۶۵

[2] مسند احمد، الرقم:۱۷۲۷۲، ابن ماجہ، الرقم:۴۳

[3] القمر:۱۷

ناصح ہے اور محمد ﷺ ناصح ہیں اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے قرآن وحدیث پیش کیا ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قرآن وحدیث پلے نہ پڑیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کو سمجھنا ایک خاص طبقے کا کام ہے وہی اسکو پڑھیں اور سمجھیں ہم تو اسے سمجھنے سے قاصر ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ تقسیم باطل ہے، صراط مستقیم اللہ تعالیٰ کی وحی کا نام ہے، جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے پوری زندگی اس وحی کو پیش کیا، کوئی قیل وقال نہیں، حتی کہ اپنی خواہشات کو بھی (جو کہ انتہائی پاکیزہ ہیں) دین میں داخل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝] [1]

ترجمہ: (اور نہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے)

یہ اسلئے کہ دین خالص رہے اس لئے اپنی خواہش تک کو بھی دین میں داخل نہیں کیا بعض مواقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سوال لے کر آتے تو آپ ﷺ جواب دینے کیلئے وحی کا انتظار فرماتے: وحی آتی تو جواب مرحمت فرماتے۔ کتب حدیث میں اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں ایک بار تو ایسا ہوا کہ یہودیوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا، آپ ﷺ نے کہا کل جواب دونگا (یہ سوچ کر کہ وحی آجائے گی جواب دے دیں گے) لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے پیغمبر ﷺ کا ان شاء اللہ نہ کہنا، ناگوار گزرا کیونکہ مشیئت تو اللہ تعالیٰ کی چلتی ہے کسی اور کی نہیں، حتی کہ نبی ﷺ کی بھی نہیں، بلکہ نبی تو اللہ کی مشیئت کے تابع ہوتا ہے، اگلے دن یہودی پہنچ گئے آپ ﷺ خاموش ہیں جواب نہیں دے رہے، بار بار آسمان کی طرف

[1] النجم:۳،۴

دیکھ رہے ہیں لیکن وحی نہ آئی، حتی کہ پندرہ دن گزر گئے وحی نہ آئی، آپ ﷺ اپنی طرف سے بھی جواب نہیں دے رہے، کیونکہ آپ ﷺ پابند ہیں، کہ وحی کے بغیر نہیں بولنا۔ یہودیوں کا مذاق بڑھتا جا رہا ہے، ان کی تعلی بڑھتی جا رہی ہے، لیکن آپ بالکل خاموش ہیں، کیونکہ وحی کے بغیر نہیں بولنا، پندرہ روز کے بعد وحی اتری، اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا جواب دینے سے پہلے ان شاء اللہ نہ کہنے پر تنبیہ فرمائی:

[وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾] [1]

ترجمہ: (اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا، مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لینا)

توجس طرح پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تابع ہے اور اس میں کسی اور کی مشیئت شامل نہیں، اسی طرح یہ دین، دین خالص ہے، حتی کہ محمد ﷺ نے اپنی رائے تک اس میں شامل نہیں کی آپ ﷺ اپنی پوری زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ دین دیتے رہے، سمجھاتے رہے، حتی کہ آپ ﷺ کا آخری وقت آ پہنچا۔ ایک مرحلے پر آپ ﷺ نے مثال دی کہ ایک شخص ہے، اس کا ایک مشن ہے، اس نے مشن کی تکمیل کے لئے کسی کو بھیجا، اس نے خوب محنت کی مسلسل مشن کی تکمیل میں مصروف رہا حتی کہ مشن پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا، اب بھیجنے والا اپنے نمائندے کو واپس بلاتا ہے کیونکہ کام پورا ہو گیا، ڈیوٹی ادا ہو گئی۔

یہ مثال بیان کر کے آپ ﷺ خاموش ہو گئے، اعلم هذه الامة ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، صحابہ کرام نے پوچھا، آپ کیوں روتے ہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے کون سی ایسی بات کہہ دی ہے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نہیں سمجھے، مشن اللہ

[1] الکہف: ۲۳

رب العزت کا ہے اور نمائندہ محمد ﷺ ہیں اور آپ ﷺ دین پہنچاتے رہے، اب دین مکمل ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اتر چکا ہے:

[اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ] [1]

معنی، مشن کی تکمیل ہو گئی ہے محمد ﷺ نے دین کا ایک ایک نقطہ اپنی قوم کو دے دیا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ یہاں سے محمد ﷺ کی جدائی اور فراق کی گھڑیاں آ چکی ہیں، وقت فراق قریب آ چکا ہے، اس لئے رو رہا ہوں صحابہ کرام کے وہم و گمان میں بھی یہ معنی نہیں تھا، یہ سن کر صحابہ کرام بھی رو پڑے، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کیوں روتے ہو؟ کیا میں تمہیں خالی ہاتھ چھوڑ کر جا رہا ہوں؟ روتی تو وہ قومیں ہیں جو فکری اعتبار سے قلاش ہوں، کہ ہمارا کیا بنے گا؟ ہماری رہنمائی کون کرے گا؟ ہماری عافیت و سعادت کا سامان کہاں سے آئے گا؟ ہم رونے والی قوم نہیں، وہ دوسری قومیں ہیں، جو مرنے والوں پر صدیوں روتی ہیں اور حقیقت حال کا علم بھی نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں تہی دامن چھوڑ کر نہیں جا رہا، بلکہ تمھارے پاس ایک دولت، ایک سرمایہ چھوڑ کر جا رہا ہوں:

"ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنتی" [2]

یعنی تمہارے بیچ دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک ان دونوں چیزوں کو تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت۔

ایک حدیث میں قرآن کے بعد سنت کے بجائے عترتی کے الفاظ ہیں یعنی اپنے اہل بیت چھوڑ کر جا رہا ہوں، جس سے مراد آپ ﷺ کی بیویاں، بیٹی اور خاندان کے دیگر افراد

[1] المائدہ: ۳

[2] موطا امام مالک، الرقم: ۳۳۳۸

ہیں۔ کیونکہ اہل بیت کی توسط سے تقریباً آدھا علم ہم تک پہنچا ہے، گھریلو امور تقریباً آپ ﷺ کے اہل بیت کے ذریعے ہی ہم تک پہنچے ہیں، اکیلی ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا دو ہزار حدیثوں کی راوی ہیں، اس لئے ہم تو اہل بیت کو چھوڑنے کا تصور نہیں کر سکتے، کیونکہ ان کے توسط سے تو بہت علم ملا ہے۔

پھر صحیح بخاری کی یہ حدیث انتہائی قابل غور ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

"کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قیل ومن ابی قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی"[1]

یعنی ہم ایک راہ پر چل رہے ہیں جس کا نام صراطِ مستقیم ہے جو کہ اللہ کی وحی کا نام ہے، جو قرآن حدیث کا نام ہے، جو اسی خطِ مستقیم پر چلتا ہوا ہمارے پیچھے آئے گا وہ تو جنت میں ہمارے ساتھ جائے گا اس لئے کہ جنت کا یہی واحد راستہ ہے، جنت کے دو تین، یا چار پانچ راستے نہیں، اور جس نے خطِ مستقیم سے اپنے آپ کو پھیر لیا، دائیں بائیں چلا گیا تو گویا اس نے جنت میں جانے سے انکار کر دیا، اس کی خواہش اگرچہ جنت میں جانے کی ہو لیکن اس نے اپنے کردار کے ذریعے جنت میں داخلے سے انکار کر دیا ہے۔

اب یہ سارے حقائق اپنے سامنے رکھیں، اب بات سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی، فرقہ کیسے بنتا ہے جناب محمد رسول اللہ ﷺ اس دین میں اصل ہیں، کیونکہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں، اور آپ ﷺ نے پوری زندگی صرف وحی کا درس دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے اسی وحی کو پیش کیا، کبھی کسی مسئلہ میں یہ نہیں فرمایا کہ یہ میری رائے ہے، حتی کہ وفات تک یہی باتیں ہوتی رہیں، اور آخر میں فرما گئے کہ جو اس راہ پر چل کر میرے پیچھے آئے گا مجھ سے آملے گا، وہ

[1] بخاری، الرقم: ۷۲۸۰

جنت میں داخل ہوگا اور جو اس راہ سے اپنے آپ کو پھیر لے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور پیغمبر ﷺ جس راہ پر چلے وہ کتاب وسنت کی راہ ہے یہی اللہ کی وحی ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔ جو اس راہ پر چلے گا اور چلتا رہے گا وہ اللہ کے پیغمبر کی جماعت ہے، صحابہ کرام اسی راہ پر چلے، تابعین اسی راہ پر چلے، اور صحابہ وتابعین، یہ رسول اللہ ﷺ کی جماعت ہے، اس لئے وہ اصل پر قائم رہے، اور اصل صراطِ مستقیم ہے، لہٰذا کتاب وسنت پر چلنے والے ہی اللہ کے پیغمبر کی جماعت ہیں اور اللہ کے پیغمبر ہی اس جماعت کے قائد ہیں، اور جس نے اپنے آپ کو دائیں بائیں پھیر لیا، دائیں بائیں دعوت دینے والا کوئی بھی ہو، وہ اس جماعت سے نکل گیا، اسی کا نام افتراق ہے اور فرقے اسی طرح بنتے ہیں، جو شخص کتاب وسنت کو تھامے ہوئے ہے وہ فرقہ نہیں، وہ تو اللہ کے نبی کی جماعت ہے۔ امام ابن کثیر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

[يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ][1]

ترجمہ (کہ قیامت کے دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے) فرماتے ہیں:

"ھذا اکبر شرف لأصحاب الحدیث"[2]

یعنی یہ آیت کریمہ اہل حدیث کیلئے شرف کی بات ہے۔ اہل حدیث کیلئے شرف اس لئے ہے کہ ان کے امام محمد رسول اللہ ﷺ ہیں باقی ہر جماعت وفرقے نے کسی شخصیت کو مقرر کر لیا اسے اپنا امام ولیڈر مان لیا اس کی ہر بات کو مانتے ہیں ہر عمل کو قبول کرتے ہیں،

[1] بنی اسرائیل: ۷۱

[2] تفسیر ابن کثیر ۵/۹۹ [illegible]

اس کا معنی یہ کہ لوگ اس لیڈر کے ساتھ فرقہ بن گئے۔ اصل جماعت کیا ہے؟ اصل جماعت وہی ہے جسے قرآن نے ذکر کیا ہے:

[وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ] [1]

ترجمہ (اور جو مہاجرین وانصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے)

سابقین الاولین خالص اللہ کے پیغمبر کے پیروکار تھے اور یہی راہ مستقیم ہے جس پر ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابوعبیدہ بن جراح، ابوطلحہ، عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن زید رضی اللہ عنہم چلتے رہے، اللہ ان سے راضی ہے، اب جو ان کی راہ پر چلے گا یعنی پیغمبر علیہ السلام کی پیروی کرے گا تو اللہ ان سے بھی راضی ہوگا ان سب کیلئے جنت کی عظیم کامیابی ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کے دور میں آپ ﷺ کے علاوہ کوئی قائد نہ تھا، قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی کتاب نہ تھی، ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں حدیث اور قیادت محمد ﷺ کی، یہ جماعت ہے، جو اس راہ پر چلتا رہے گا ان سابقین الاولین کی پیروی کرتا رہے گا، وہ جماعت ہے۔ اور جس نے اپنے آپ کو یہاں سے ہٹالیا، الگ وجدا کرلیا، دائیں بائیں بھٹک گیا وہ رسول اللہ ﷺ کی جماعت سے خارج ہوگیا اور فرقہ بن گیا۔

عجیب بات ہے کہ جب ذکر ہوتا ہے چار راستوں کا ذکر ہوتا ہے چار امام، چار روحانی سلسلے، ہم عرب گئے وہاں چار سلسلے تھے، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خطِ مستقیم کھینچا اور دو خط اس کی دائیں طرف اور دو بائیں طرف کھینچے، ٹوٹل چار خط ہوگئے ان

[1] التوبۃ:۱۰۰

چار خطوں میں بڑی حکمت ہے اور بڑی معنی خیزی ہے اس پر غور کریں۔

73 فرقے، ایک جنتی باقی جہنمی

بہر حال میں نے یہ بتانے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ جماعت کیا ہے اور فرقہ کیا ہے اور کیسے بنتا ہے، ایک حدیث جو کہ جامع ترمذی اور مسند احمد میں ہے اس سے بات اور واضح ہورہی ہے، اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت میں فرقوں کے وقوع کی خبر دی ہے چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"ان بني اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة ، و تفترق امتي على ثلاث و سبعين ملة ، كلها في النار الا ملة واحدة قالوا : من هم يا رسول الله ، قال: ما انا عليه واصحابي" [1]

یعنی میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی سارے جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے صحابہ نے پوچھا وہ کون ہے؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اس چیز پر قائم ہوں جس پر آج میں قائم ہوں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔

یہ الفاظ اور یہ مفہوم ذہن میں رہے کہ جنت فرقہ ناجیہ کو ملنی ہے اور فرقہ ناجیہ وہ ہے جو اس چیز پر قائم ہو جس پر اللہ کے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ قائم تھے۔ اور یہ بات پہلے طے ہو چکی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ پوری زندگی اس چیز پر قائم رہے جس پر قائم رہنے پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یعنی وحی، صحابہ نے بھی اسی کو تھاما اور وحی قرآن و حدیث کا نام ہے، لہذا فرقہ ناجیہ وہ ہے جو قرآن وحدیث کو تھامے ہوئے ہو۔ اب اس حدیث کا ایک اور جملہ ملاحظہ ہو، جب صحابہ نے آپ سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں جو

[1] المستدرک للحاکم الرقم:۴۴۴

جنت میں جائیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا [ھی الجماعۃ] یعنی وہ جماعت ہے۔ اب جماعت کا معنی واضح ہوگیا، کہ جماعت اس گروہ کا نام ہے جو اس چیز کو تھامے جس چیز کو اللہ کے پیغمبر نے اور انکے صحابہ نے تھاما، باقی سب فرقے ہیں، اس جماعت کا تشخص آپ کے سامنے واضح ہوگیا، یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں جماعت وہ ہے جو قرآن وحدیث پر قائم ہو۔ اب جو اس جماعت سے الگ ہوگا وہ فرقہ ہے۔

فرقہ بندی کا نقصان اور امت محمدیہ میں اس کا آغاز

اور فرقہ بندی کا نقصان کیا ہے؟ نقصان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں چھوڑ دے گا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"ید اللہ علی الجماعۃ"[1]

یعنی اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

نیز فرمایا:

"الجماعۃ رحمۃ والفرقۃ عذاب"[2]

یعنی جماعت رحمت ہے اور تفرق عذاب ہے۔ تو شریعت فرقہ بندی کو عذاب قرار دیتی ہے۔

اس امت میں افتراق کی تاریخ خوارج سے شروع ہوئی گویا خوارج پہلا فرقہ تھا۔ ان کی عملی زندگی اور کردار بہت اچھا اور عمدہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] النسائی، الرقم:٤٠٣٢

[2] السلسلۃ الصحیحۃ ١٢٦٢/٢

"تحتقرون صلاتکم الی صلاتھم وصیامکم الی صیامھم"[1]

یعنی: وہ نمازیں ایسی پڑھیں گے کہ اے صحابہ تم اپنی نمازوں کو انکی نمازوں کے مقابلے میں اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر جانو گے۔

محدثین کا اجماع ہے کہ جتنے فرقے ہیں ان میں خوارج ایسا فرقہ ہے جس میں جھوٹ بالکل نہیں، بلکہ وہ تو مرتکب کبیرہ کو کافر قرار دیتے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

"لئن أنا ادرکتھم لا قتلنھم قتل عاد"[2]

یعنی اگر میں نے خارجیوں کو پالیا تو میں انہیں قوم عاد وثمود کی طرح قتل کرکے رکھ دونگا۔ یہ اسلام میں پہلا فرقہ ہے، اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ فرقہ کا معاملہ کوئی معمولی نہیں، جسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔

دمشق میں جب صحابی رسول ابو امامہ الباہلی نے جنگ کے بعد خارجیوں کی لاشیں دیکھیں اور وہ بکھری پڑی تھیں، تو ترس کھانے کے بجائے فرمایا:

"شر قتلی تحت ادیم السماء"

اس آسمان کے نیچے یہ سب سے بدترین مخلوق ہیں۔ اور فرمایا میں نے اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ:

"الخوارج کلاب النار"[3]

[1] ابن ماجہ

[2] بخاری، الرقم:٣٣٤٤

[3] ترمذی، الرقم:٣٠٠٠

کہ خارجی جہنم میں کتے بنا کر ڈال دیئے جائیں گے۔ یہاں جو چیز موجب عذاب ہے وہ تفرق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ فرقہ بندی فشل کا سب سے بڑا سبب ہے۔

فرقہ بندی میں ہمارا کردار اور ذمہ داری

اب ہمارا کردار کیا ہونا چاہیئے؟ فرقے قیامت تک بنتے رہیں گے کیونکہ صادق و مصدوق محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان پتھر پر لکیر ہے کہ [میری امت میں فرقے بنیں گے] کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کیونکہ آپ ﷺ نے خبر دے دی ہے، لہٰذا فرقے تو بننے ہی ہیں اب ہمیں کیوں ڈانٹتے ہو، میرے دوستو اور میرے بھائیو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان (کہ فرقے بنیں گے) یہ دعوت نہیں ہے، یہ تہویل اور تنبیہ ہے کہ تم بچنا، لہٰذا اس حدیث کو فرقے بندی کا جواز نہیں بنایا جا سکتا، آپ ﷺ نے فرقوں کی خبر دی ہے، فرقے پرستی کی دعوت نہیں دی، بلکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان: (کہ سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے) تنبیہ ہے کہ تم بچ کے رہنا۔

اب ایک مسلمان کی ذمہ داری واضح اور متعین ہو چکی، کہ وہ سب کچھ چھوڑ دے اور کتاب وسنت کو تھام لے، اللہ کی وحی کو تھام لے۔ اس دعوت میں کوئی تعصب نہیں ہے، تعصب تو تب ہوتا ہے جب کسی شخصیت کی طرف بلایا جائے اور اگر کوئی کہے کہ اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف آؤ، قرآن وحدیث کی طرف آؤ، تو اس میں کوئی تعصب نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا][1]

[1] آل عمران: ۱۰۳

(کہ تم مل کر حبل اللہ کو پکڑ لو)

یہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا علاج ہے بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہ حبل اللہ کتنی بڑی نعمت ہے، کہ جس کا ایک سرا تمہارے ہاتھ میں اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں، اگر اس کو تھام لو گے تو تم اس لڑی میں منسلک ہو جاؤ گے جس لڑی کو اللہ نے تھاما ہوا ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے ایسا شخص کبھی ناکام نہیں ہوگا، کبھی شکست خوردہ نہیں ہوگا، اگر قوم اجتماعی طور پر اس حقیقت کو اپنا لے اور اس رسی کو مضبوطی سے تھام لے جس کا پہلا سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے، تو وہ قوم کیسے ناکام ہوگی؟ اس قوم کا مقدر فشل کیسے بن سکتا ہے؟ یہ جماعت تو کامیاب وکامران ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے تھاما فقیر ہونے کے باوجود، پیٹوں پر پتھر باندھنے کے باوجود، کمزور ہونے کے باوجود، قیصر وکسریٰ کو تخت وتاراج کر کے رکھ دیا، کتنی بڑی سلطنتیں تھیں، ان کا غرور خاک میں ملا کر رکھ دیا، اس لئے کہ انہوں نے حبل اللہ کو تھاما اور آپس میں شیر وشکر تھے، کوئی گروہ بندی نہ تھی، وہ جماعت واحدہ تھے۔

اہل حدیث متوجہ ہوں!

جماعت کیا ہے؟ فرقہ کیا ہے اور کیسے بنتا ہے؟ اور صراطِ مستقیم کیا ہے؟ سب باتیں واضح ہو چکیں، اب جن لوگوں نے اللہ کی وحی کو تھاما ہوا ہے وہ متوجہ ہوں ان میں بھی افتراق کی ایک شکل پیدا ہو گئی ہے دعویٰ ان کا یہ ہے کہ ہم اللہ کی وحی کو تھامنے والے ہیں ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں حدیث ہے لیکن تنظیمیں بن گئیں کیا یہ جائز ہے؟ نہیں، یہ حرام اور ناجائز ہے ایسا کرنے والا کوئی بھی ہو، مستحق لعنت ہے، کیونکہ یہ امت کو تقسیم کرنے والا ہے

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ایسے لوگوں پر منطبق ہو رہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

"ماذئبان جائعان أرسلا فی غنم بأفسد لها من حرص المرء والشرف لدینه"[1]

یعنی: دو بھوکے بھیڑیے اگر رات بھر کے لئے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں وہ دونوں ملکر بکریوں کا اتنا نقصان نہیں کرینگے جتنا نقصان انسان کے دین کو دو چیزوں سے پہنچتا ہے ایک مال کی حرص اور دوسرا عہدہ ومنصب کی حرص۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ جو کتاب وسنت کو تھامنے والے ہیں ان کا افتراق کی راہ پر آنا، تنظیمیں بنانا، کسی تنظیم میں شریک ہونا یہ خیر وبرکت کا باعث نہیں ہے، یہ بھی افتراق کا راستہ ہے اور بڑا نقصان دہ ہے۔ دین اسلام میں جو جماعت حقہ ہے ان میں افتراق کا کوئی تصور نہیں وہ تو جماعت واحدہ ہے۔

اب یہ افتراق کا سبب کیا ہے؟ عہدہ کی محبت یا مال کی محبت، اگر اللہ کا خوف ہوگا تو تنظیمیں نہیں بن سکتیں افتراق نہیں ہوسکتا، ہاں اگر مال کی محبت ہوگی یا عہدہ کی محبت ہوگی پھر جماعت بنے گی، فرقہ بنے گا، تنظیمیں بنیں گی۔ بقول ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہ یہ شیطانی عمل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ دین کا کام کرنا چاہتا ہے تو پہلے شیطان اسے اس کام سے روکتا ہے، جب بندہ اپنے ارادے میں غالب آجائے کہ میں یہ کام کر کے رہونگا تو پھر شیطان ایک اور وار کرتا ہے کہ تم اکیلے کرو گے تو کام کم ہوگا، تم کچھ لوگوں کو جمع کرو اور ایک تنظیم بناؤ پھر کام کرو، تو بندہ سوچتا ہے یہ بات تو ٹھیک ہے، اب لوگ جمع ہوگئے ایک تنظیم بن گئی وہ اس کا امیر بن گیا یا کوئی اور بن گیا، شیطان کہتا ہے اب کام کرو، اب یہ ٹھیک ہے،

[1] ترمذی، الرقم: ۲۳۷۶

اب وہ بندہ خوش ہے کہ کام ہو رہا ہے، بڑا نام ہے اور شیطان خوش ہے کہ اللہ کے دربار میں کوئی پذیرائی نہیں کیونکہ بنیاد ہی غلط ہے۔

میرے دوستو! اور میرے بھائیو! یہ معاملہ شرعی اعتبار سے بڑا خطرناک ہے کیونکہ اس صورت میں عقیدہ ولاء وبراء مجروح ہوجاتا ہے، آپ تنظیموں کی تاریخ اور ان کے کردار پر غور کریں تو آپ پر یہ بات واضح ہوگی کہ اس کے بعد عمل اسلام کے لئے نہیں، اللہ کی رضا کے لئے نہیں، بلکہ تنظیم کے لئے ہے، بلکہ بعض معانی میں تنظیم ایک بت بن جاتی ہے، بت اس طرح کہ اس تنظیم کا پیروکار یہ عقیدہ بنالیتا ہے کہ میرے امیر سے غلطی نہیں ہوسکتی، حتی کہ دیکھنے میں آتا ہے کہ صریح غلطی پر بھی لوگ اس کا دفاع کرتے ہیں، تو کیا یہ طرز عمل ٹھیک ہے؟ کیا یہ بت بنانا نہیں؟ قرآن نے اس معنی میں فرقہ بندی کو شرک کہا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾][1]

ترجمہ: (اور مشرکین میں سے نہ ہوجاؤ، ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کردیا اور خود بھی گروہ گروہ ہوگئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے خوش ہے)

اس معنی میں جو افتراق ہے ان لوگوں میں جو اللہ کی وحی کو تھامنے کا دعویٰ کرنے والے ہیں وہ انتہائی مضر ہے، کیونکہ یہاں بات دین اسلام کی نہیں رہتی، میں ایک مثال آپ کو دیتا ہوں، کیا اسلام نے اپنا کوئی پرچم پیش کیا ہے؟ کہ یہ اسلام کا جھنڈا ہے؟ یہ اس کا رنگ و

[1] الروم: ۳۲،۳۱

ڈیزائن ہے؟ یہ اس کی خصوصیت ہے؟ کہ جس کو اونچا کریں تو اسلام اونچا ہو؟ نہیں، آج ہم بہت سی تنظیموں اور جماعتوں کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے باقاعدہ اپنے پرچم ڈیزائن کئے ہوئے ہیں، کوئی کتاب چھاپیں تو وہ جھنڈا ساتھ چھپتا ہے، کوئی اجلاس ہو تو وہ جھنڈا لہرائے گا، کوئی پروگرام ہو تو وہ جھنڈا وہاں موجود ہوگا، اسے لہرایا جائے گا، اب بتائیں اس پرچم کو اونچا کرنا تنظیم کو اونچا کرنا ہے یا اسلام کو؟ یہ پرچہ اسلام کا تو نہیں، یہ اسلام کی تعبیر تو نہیں، اس سے اخلاص ختم ہوجاتا ہے، عقیدہ الولاء والبراء ختم ہوجاتا ہے جو عقیدہ کا سب سے اہم شعبہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"اوثق عری الایمان الموالاۃ فی اللہ والمعاداۃ فی اللہ" [1]

یعنی اسلام کا سب سے مضبوط کنڈا یہ ہے کہ کسی سے محبت کرو تو اللہ کی خاطر اور بغض رکھو تو اللہ کی خاطر۔

آج الولاء والبراء کی یہ اساس ہے؟ نہیں، آج محبت ونفرت کی اساس، تنظیم ہے توحید نہیں، ایک شخص کتنا بڑا موحد کیوں نہ ہو اگر وہ آپ کی تنظیم کا نہیں تو آپ اس سے نفرت کریں گے اور اگر ایک شخص قبر پرست ہی کیوں نہ ہو آپ کے کاز سے متفق ہے تو آپ اس سے محبت کریں گے۔ میرے دوستو اور بھائیو! یہ عمل اسلام کے لئے مضر ہے، افتراق کا یہ پہلو ناقابل قبول ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا سبب فشل بالکل واضح ہے جسے اللہ نے بیان کردیا ہے اور وہ ہے باہم نزاع وافتراق اور اسی میں ہماری کمزوری اور دشمن کی طاقت ہے اگر دشمن ہم پر حاوی آجائے تو ہماری یہ کمزوری وسائل کے اعتبار سے نہیں بلکہ ایمان اور عقیدہ کے اعتبار

[1] الصحیحۃ، الرقم:۱۷۲۸

سے ہے، یہ نزاع وافتراق کیونکہ نقصان دہ ہے اس لئے اس سے بچنا چاہئے، یہی فرقہ بندی کے دور میں ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو افتراق سے بچائے جس کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے پیش کردیا:

[وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا] [1]

یعنی تفرق سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ کی رسی کو تھام لو اور اللہ کی رسی کو تھامنے کا معنی یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی پوری پوری پیروی کرو، اپنے آپ کو اس کے پیچھے لگالو اور اپنی من مانی تاویلوں سے کتاب وسنت کو پیچھے کرنے کی کوشش نہ کرو۔

عوام کو مفید مشورہ

میرے بھائیو! اور دوستو! آخر میں، میں ایک اہم مشورہ آپ کو دینا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے وقت کے جید علماء سے رابطہ رکھیں، ایسے علماء جو مخلص ہوں، ثقہ ہوں، کتاب وسنت کی بات کرنے والے ہوں، اللہ کا خوف رکھنے والے ہوں، جو اس تفرق کی دلدل میں پھنسے ہوئے نہ ہوں، یہ آپ کو انصاف کی بات بتائیں گے، آپ کی تربیت کرینگے، کتاب وسنت کی روشنی میں آپ کا تزکیہ کرینگے کیونکہ تزکیہ وتربیت کی اساس اللہ کا دین ہے، کتاب وسنت ہے اور کچھ نہیں۔ یاد رکھو ایسے علماء کرام ہر دور کے لئے پروردگار کی ایک نعمت ہیں لہٰذا آپ ان سے تعلق جوڑیں۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے:

"لو أن فقيها على رأس جبل لكان هو الجماعة" [2]

[1] آل عمران:۱۰۳

[2] شرح السنۃ ۱/۲۷۹

اگر ایک فقیہ عالم دین پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھا ہوتو وہی جماعت ہے، اس کے پاس جاؤ، اس سے استفادہ کرو، تمہارے امراض، مشاکل اور فتنوں کا علاج پیش کرے گا، اور تم کو کتاب وسنت کے نور کے ذریعے حق پر قائم رکھے گا، اس پرفتن دور میں علماء سے رابطہ ایک لازم امر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: (کہ فتنے تہہ بتہہ، پے در پے آئیں گے اور ایسے آئیں گے کہ ہر بعد کا فتنہ پہلے فتنے کو چھوٹا کر دے گا۔)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ لوگ ان فتنوں میں دنیا کے چھوٹے سے مفاد کے خاطر اپنے دین کو بیچ دینگے۔ مزید فرمایا: کہ انسان صبح کو مومن ہوگا اور شام کو کافر، شام کو مومن ہوگا، صبح کو کافر، ان فتنوں کی ہولناکیوں کے ذکر کرنے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فمن أحب أن يزحزح عن النار ويدخل الجنة فلتأته منيته وهو يؤمن بالله واليوم الاخر ويأت الى الناس بما يحب ان يوتى اليه"[1]

یعنی (جو شخص چاہتا ہے کہ وہ آگ سے بچالیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اسے چاہئے کہ اس پر ایسی حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اور لوگوں کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو معاملہ اپنے ساتھ چاہتا ہے۔)

لہذا جو جہنم سے بچنا چاہتا ہے اور جنت میں داخلہ چاہتا ہے اسے اپنے عقیدے کی اصلاح کا پروگرام بنالینا چاہئے، اپنے ایمان باللہ کو، اپنی توحید کو مضبوط کر لینا چاہئے، اس کا ایمان باللہ بالکل کامل ہو، توحید میں کوئی کمی اور کجی نہ ہو، توحید پڑھے، توحید سمجھے، علماء سے توحید کے دلائل معلوم کرے، اور اس پر اپنے آپ کو عامل بنائے۔

دوسرا یہ کہ قیامت پر اس کا ایمان ہو اور اس کی فکر کرے، پرفتن دنیا کو اور اس کے

[1] مسلم، الرقم: ۱۸۴۴

جھمیلوں کو چھوڑ دے، دنیا سے صرف واجبی تعلق رکھے، اصل پروگرام آخرت کا بنائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللهم لا عيش الا عيش الاخرة"[1]

(کہ اے اللہ زندگی تو آخرت کی ہے)

تیسری چیز یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو معاملہ اپنے ساتھ چاہتا ہے، اپنے بارے میں لوگوں سے جو توقعات رکھتا ہے کہ لوگ میرے ساتھ یوں پیش آئیں، میری غیبت نہ کریں، بہتان نہ لگائیں، میرا مال نہ چھینیں، مجھ سے نفرت نہ کریں، مجھ پر ظلم نہ کریں، اسی طرح وہ لوگوں کے لئے بن جائے کہ ان سے محبت کرے، ان کی غیبت نہ کرے، ان سے نفرت نہ کرے، ان پر بہتان نہ لگائے، ان کی عیب جوئی نہ کرے، ان کا مال نہ کھائے، ان پر ظلم نہ کرے۔

تو یہ وہ کردار ہے جو ہمیں اختیار کرنا چاہئے، ہمیں کتاب وسنت کا علم ہو کیونکہ وہ نور ہے ہم اس نور کے ذریعے ہی ہر فتنے سے نجات پاسکتے ہیں، اور یہ نور علماء کرام کے پاس ہے، یہ نور مدارس میں ہے، لہذا اپنی اولاد کو مدارس میں بھیجو۔

میرے بھائیو! اور دوستو! یہ بڑا ضروری نکتہ ہے کہ یہ پرفتن دور، تعلم کا دور ہے کہ نوجوان واقف ہوجائیں، علم اور عمل صالح کے حصول کے لئے مدارس میں جائیں، علماء سے ملیں تاکہ ان کی اصلاح ہو، تربیت ہو، ایمان باللہ مستحکم ہو، آخرت کی فکر ہو۔ تو یہ وہ کردار ہے جسے اس پرفتن دور میں اپنانا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق سمجھنے کی، اسے اپنانے کی، اس پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا

[1] البخاری، الرقم: ۲۹۶۱

فرمائے۔ اللہ رب العزت ہمارے سینوں کو کتاب وسنت کی نور سے منور فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پوری اصلاح کی، تزکیہ اور تربیت کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس افتراق سے بچائے جو افتراق اس امت کیلئے موجب ہلاکت ہے، اور اللہ کی ناراضگی کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں جماعت واحدہ بنادے، وہ جماعت واحدہ جس کا تعلق کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے ساتھ ہو۔

ہماری بائیسویں سالانہ کانفرنس پوری آب وتاب کے ساتھ شروع ہوچکی ہے اہل توحید کا ایک جم غفیر سامنے ہے، اس کانفرنس کے توسط سے اگر سامعین حضرات فرقہ بندی و تنظیم سازی کے مضرات وخطرات کو، بخوبی سمجھ لیں، تو اس کے انعقاد کی اور نوجوانوں کی شب روز کی محنت کی قیمت وصول ہوجائے گی۔

جان لیجئے تنظیم سازی کا عمل غیر شرعی ہونے کے ساتھ ساتھ شرک کے دروازے کھولنے والا ہے۔ اسلامی متعقد کے خلاف ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے، امت مسلمہ کی کمزوری، اور دشمنوں کی مضبوطی اور تقویت کا باعث ہے نیز یہ عمل اخلاص وللّٰہیت کے منافی ہے کیونکہ اس کا مقصد وہدف حب جاہ یا حب مال کے سوا کچھ نہیں، پھر شہرت کے حصول کے لئے ہر جائز وناجائز، ہتھکنڈے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ اور تو اور بے دریغ جھوٹ تک بولا جاتا ہے بلکہ اسے حلال سمجھا جاتا ہے حالانکہ جھوٹ وہ عمل ہے جسے اللہ رب العزت نے موجب لعنت قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ مومن جھوٹ نہیں بول سکتا، یہ دعوت فکر دیتا ہے، کہ جھوٹ بولنے والا اپنے ایمان پر نظر ثانی کرے، رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے:

"ایاکم والکذب فان الکذب یھدی الی الفجور وان الفجور یھدی الی النار

ولا یزال الرجل یکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا"[1]

(جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ تمام برائیوں کا راستہ کھولتا ہے اور برائیاں جہنم کی راہ ہموار کرتی ہیں، اور ایک شخص اس قدر جھوٹ بولتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے)۔ (اعاذنا اللہ من شرور انفسنا وسیئات اعمالنا)

پھر حب مال، حرص اور طمع دنیا، مالی خیانتوں پر اکساتی ہے اور اجتماعی مال میں خیانت کا ارتکاب عاقبت کو تباہ وبرباد کردینے والا گناہ ہے۔ غنائم خیبر سے محض ایک چادر لے لینے والا خادم رسول عذاب قبر میں جھونک دیا گیا بلکہ وہی چادر جہنم کا شعلہ بن کر اس کے بدن کا خیمہ بن گئی، اور جب اسی موقعہ پر ایک دوسرے صحابی نے اپنی جیب سے دو تسمے جو اس نے اسی میدان سے اٹھا کر جیب میں رکھ لئے تھے آپ ﷺ کو واپس کرنا چاہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اب یہ روزِ محشر لے آنا وہیں وصول کرونگا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ادو الخیاط والمخیط..."[2]

یعنی (اجتماعی امانتوں کا سوئی دھاگہ بھی ادا کردو)

الغرض تنظیم سازی وفرقہ بندی اپنے دامن میں بہت سے مفاسد لئے ہم پر مسلط ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی رحمت ہم سے دور ہے اور وہ نقصانات جو تفرق کے تعلق سے قرآن وحدیث میں مذکور ہیں، ہمیں پوری طرح ڈھانپے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان فرقتوں اور فتنوں سے مخرج اور ملجاو ماوی مہیا فرمادے۔ (آمین یارب العالمین)

---

[1] ابوداؤد، الرقم: ۴۹۹۱

[2] نسائی، الرقم: [illegible]

ایک شبہ کا ازالہ

آخر میں ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے، کہا جاتا ہے کہ جمعیت اہل حدیث سندھ بھی تو ایک تنظیم ہے؟ لیکن یہ شبہ وارد کرنے والے جماعت اور تنظیم کے معنی یا فرق سے ناواقف ہیں، تنظیم یا فرقہ اس وقت ممنوع یا معیوب ہے جب جماعت حقہ کا اجتماعی پلیٹ فارم موجود نہ ہو، جبکہ بفضل اللہ ونعمتہ اس علاقے میں جمعیت اہلحدیث سندھ کا نظم، قیام پاکستان سے قبل قائم ہو چکا تھا، لہٰذا صوبہ سندھ میں اس کی حیثیت، جماعۃ الام کی سی ہے گویا یہ نظم کسی جماعت کی موجودگی میں نہیں بنا جو باعثِ افتراق ہو، علاوہ ازیں جمعیت اہل حدیث سندھ کے عقیدہ ومنہج نیز دعوتی وجہادی وسیاسی عمل کا ایک ایک نکتہ، اسوہ رسول اللہ ﷺ کے عین مطابق ہے، لہذا اہم علی وجہ البصیرت اپنے اس نظم کو رسول اکرم ﷺ کی جماعت مبارکہ کا تسلسل قرار دیتے ہیں۔

ذلك فضل الله يوتيه من يشاء . اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه . هذا واصلي واسلم على نبينا ورسولنا سيد الاولين والاخرين امام الانبياء والمرسلين قدوة الدعاة والمجاهدين محمد وعلى اله واصحابه واهل طاعته اجمعين .

○○○○○○○○○○○○

صدارتی خطبہ

(2007ء)

موضوع:

منہجِ اہل حدیث پر چند گذارشات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ، ونستغفره ، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ، ومن يضلل فلا هادي له وأشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله .

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾
(آل عمران:١٠٢)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾ (النساء: ١)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾
(الاحزاب:٧٠،٧١)

أما بعد:

فان أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدى هدى محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار .

شرف اصحاب الحدیث

حضرات گرامی! ہمیں منہجِ اہل حدیث پر کچھ گذارشات پیش کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اہل الحدیث ایک مبارک جماعت ہے، جسے رسول اللہ ﷺ کی جماعت کا تسلسل ہونے کا شرف حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ کی اُمت کی دو قسمیں ہیں، ایک اُمتِ دعوت، دوسری اُمتِ اجابت۔

اُمتِ دعوت سے مراد آپ ﷺ کی پوری اُمت ہے جو آپ ﷺ کی دعوت کی مخاطب ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان:

[قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا][1]

اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث:

"کان النبی یبعث إلی قومه خاصة وبعثت إلی الناس عامة"[2]

سے یہی اُمتِ دعوت مراد ہے۔

اُمتِ اجابت سے مراد اُمت کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کرلیا۔

اب اس دعوت کو قبول کرنے والے بہت سے لوگ صحیح منہج پر قائم نہ رہ سکے اور شرک، بدعت اور خرابیٔ منہج جیسے بہت سے فتنوں میں مبتلا ہوگئے۔ تقلید کا جمود اس قدر سرایت کرگیا کہ قولِ امام کی خاطر ظاہرِ کتاب وسنت تک کو چھوڑ دیا، اپنی پوری زندگیاں اپنے امام، اپنے مذہب اور اپنی جماعت کے دفاع وانتصار میں صرف کردیں۔ جس کی اساس صرف تعصبِ مذہبی ہے، ورنہ جو شخصیت دفاع وانتصار کی مستحق ہے وہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، اور جو جماعت دفاع وانتصار کی مستحق ہے، وہ صرف صحابۂ کرام کی جماعت ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عصمت کے درجہ پر صرف اپنے پیغمبر ﷺ کو فائز فرمایا ہے۔

اجماعِ صحابہ معصوم ہے نہ کہ کوئی اور امتی!

رسول اللہ ﷺ نے صرف اجماعِ صحابہ کو معصوم قرار دیا ہے، آپ ﷺ کا فرمان

[1] الاعراف:١٥٨

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب قول النبی ﷺ جعلت لی الأرض مسجدا وطهورا

ہے:

"إن أمتي لا تجتمع على الضلالة"[1]

یعنی ''میری اُمت (صحابۂ کرام) ناحق پر مجتمع نہیں ہوسکتی''

اس حدیث سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام جس مسئلہ پر اجماع اختیار کرینگے، وہ حق ہی ہوگا، گویا ان کے اجماع کو معصوم قرار دیا گیا ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے، اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اجماعِ صحابہ کو معصوم قرار دیا ہے، کسی ایک صحابی کو نہیں، تو پھر بعد کے ادوار میں کوئی ایک شخصیت یا امام کیسے معصوم ہوسکتا ہے، جبکہ یہ حقیقت بھی معلوم ہے کہ صحابۂ کرام، تنزیلِ وحی کے دور کے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں، ان کے زمانے کو رسول اللہ ﷺ نے ''خیر القرون'' قرار دیا ہے، اور ان کے منہج کو قرآنِ پاک نے جابجا پوری اُمت کیلئے بطورِ مثال پیش کیا ہے، اور بعد کے ادوار میں فتنوں کی نشاندہی موجود ہے، صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت سے، رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے:

"إن هذه الأمة جعل عافيتها في أولها وإن آخرها سيصيبها بلاء وأمور تنكرونها"[2]

یعنی: ''اس اُمت کی تمام تر عافیت وسعادت پہلے دور میں، یعنی صحابۂ کرام کے دور میں رکھی گئی ہے جبکہ بعد کے ادوار میں فتنے ہونگے اور ایسے ایسے مسائل کہ جنہیں تم بالکل قبول

[1] سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب السواد الاعظم، رقم: ۳۵۰

[2] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء، رقم: ۴۷۷۶۔ سنن ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، رقم: ۲۱۶۶

نہ کروگے''

تقلیدی مذاہب میں انہی بعد کے ادوار کی کسی ایک شخصیت کو پورا مدارِ دین قرار دے دیا گیا ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون کے دور کے اپنے کسی ایک خاص سے خاص شاگرد کو بھی یہ مقام نہیں دیا، بلکہ تمام صحابۂ کرام کے اجماع کو معصوم کہا ہے، اپنے اپنے امام کو معصوم قرار دینے میں روافض کا تشبہ لازم آتا ہے، جنہوں نے ائمہ اہل بیت کی علی الاطلاق عصمت کا دعویٰ کردیا۔

حضراتِ گرامی! یہ افسوس ناک حقیقت ہمارے سامنے موجود ہے کہ اُمتِ اجابت کے بیشتر لوگ ان تقلیدی بھول بھلیوں میں کھو کر رہ گئے، جو قطعی طور پر دین کی روح اور ذوق کے منافی ومخالف ہے۔

اس امت کے بیچ میں ایک اور اُمت ہے، جس کی خود رسول اللہ ﷺ نے تشخیص وتعیین فرمائی، چنانچہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ، صحیح بخاری کی کتاب التوحید میں اپنی سند سے یہ حدیث لائے ہیں:

عن معاوية رضي الله عنه يقول، سمعت النبي ﷺ يقول: "لا يزال من أمتي أمة قائمة بأمر الله لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى يأتيهم أمر الله وهم على ذلك"[1]

یعنی: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''میری اُمت کے بیچ میں ایک اُمت ایسی ہے، جو اللہ رب العزت کے

[1] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی: إنما قولنا لشئ إذا اردناہ...، رقم ۷۴۵۹
صحیح مسلم: کتاب الامارۃ، رقم: ۴۹۵۵

امرِ حق کے ساتھ ہمیشہ قائم اور منسلک رہے گی، انہیں ذلیل کرنے والا یا اُن کی مخالفت کرنے والا انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، حتی کہ جب اللہ تعالیٰ کا امر آئے گا تو وہ اسی حق کے ساتھ ہی جڑے ہوئے ہونگے"

حضراتِ گرامی! رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا مصداق جماعتِ اہل حدیث ہے، اور یہ صراحت بڑے بڑے أئمہ، مثلاً: یزید بن ہارون، احمد بن حنبل، علی بن مدینی اور امام بخاری رحمہم اللہ وغیرہ سے منقول و منصوص ہے۔ بعض أئمہ تو یہاں تک کہہ گئے:

"إن لم یکونوا أهل الحدیث فلا أدری من هم؟"[1]

یعنی: "اگر اس حدیث کا مصداق اہل الحدیث نہیں تو پھر ہم نہیں جانتے کہ کون ہیں؟"

ایک شبہ کا ازالہ

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ مذکورہ أئمہ کرام کے اقوال میں جو اہل الحدیث کا ذکر ہے، اس سے مراد گروہِ محدثین ہے، عام اہل حدیث مراد نہیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ تعبیر درست مان بھی لیں تو پھر بھی اس کا اطلاق عام اہل الحدیث پر یقینا ہوگا؛ کیونکہ اہل الحدیث کا ہر فرد منہجِ محدثین کا پیروکار ہے، ہر اہل الحدیث نبی ﷺ کی احادیث کی طلب، فہم اور عمل میں مخلص ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآنِ حکیم میں جہاں سابقین اولین، انصار و مہاجرین صحابہ کی شان بیان فرمائی وہاں ان کے اتباع اور پیروکاروں کو بھی اس فضیلت میں شامل

---

[1] سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی اهل الشام، رقم: ۲۱۹۲۔ علوم الحدیث للحاکم۔ مزید دیکھیئے فتح الباری ۱۳/۳۰۶

فرمایا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

[وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ][1]

یعنی: "اللہ تعالیٰ سابقین اولین، انصار و مہاجرین اور جو بھی اچھے طریقے سے ان کے نقوشِ قدم کا پیروکار ہے سب سے راضی ہوگیا اور وہ سب اس سے راضی ہوگئے"

رسول اللہ ﷺ نے جو اس جماعت کے غلبہ وظہور کا ذکر کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ "کسی مخالفت کرنے والے کی مخالفت انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی" اس سے مراد اس جماعت کی دلیل اور حجت ہے، یعنی حدیثِ رسول ﷺ سے تعلق کی بناء پر ان کی حجت ہمیشہ قوی رہے گی، اور یہ لوگ باعتبارِ دلیل سب پر غالب رہیں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"من طلب الحدیث فقد قویت حجته"[2]

یعنی: "جو حدیث کا طالب ہوتا ہے اس کی حجت ہمیشہ مضبوط اور قوی ہوتی ہے"

اہل الحدیث ہی جماعتِ حقہ اور طائفہ منصورہ ہیں، اور یہی وہ گروہ ہے جسے اس اُمت کے تہتر (۷۳) فرقوں میں سے ایک جنتی فرقہ قرار دیا گیا ہے۔

اس جماعت کا منہج کیا ہے؟

لفظِ "منهج" کا مادہ "نهج" ہے اور "منهج" کا معنی "راستے کا روشن اور واضح ہونا ہے"، "منهج" اور "منهاج" کا ایک ہی معنی ہے، یعنی: واضح راستہ۔ ان دونوں کی جمع

---

[1] التوبة: ۱۰۰

[2] صفة الصفوة ۱/۲۵۴

"مناھج" آتی ہے۔ یہ لفظ قرآنِ پاک میں مستعمل ہے:

[لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا][1]

یعنی: ''ہم نے ہر ایک اُمت کیلئے شریعت ومنہاج بنایا ہے''

امام بخاری رحمہ اللہ ، نے اپنی صحیح کی کتاب الایمان میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے "شرعة ومنهاجا" کی تفسیر "سبیلا وسنة" نقل فرمائی ہے۔ گویا شریعت اور منہج ایک واضح راستے کا نام ہے، جو اکرم الخلائق محمد رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مطہرہ سے عبارت ہے۔

اس تفسیر کی روشنی میں اہل الحدیث کے منہج کا محور ومدار ایک ہی شخصیت ہے، اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

منہج ایک واضح اور روشن راستے پر چلنے کا نام ہے، اور یہ واضح اور روشن راستہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ دکھا سکتے ہیں اور آپ ﷺ ہی نے دکھایا، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"ترکتکم علی البیضاء لیلها ونهارها سواء لایزیغ عنها إلا هالك" [2]

یعنی: ''میں تمہیں ایک واضح اور چمکدار راستے پر چھوڑے جارہا ہوں جس کی رات اور دن برابر ہیں اور جس سے وہی شخص برگشتہ ہوسکتا ہے جس کیلئے آسمانوں پر بربادی کے فیصلے لکھے جاچکے ہیں''

اسی چمک دمک کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کی وحی کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے، ہمارا پورا دین نور یعنی روشنی کا مینار ہے۔

[1] المائدة:۴۸

[2] سنن ابن ماجه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين

حضراتِ گرامی! منہج اہل حدیث سے مراد وہ واضح، روشن اور چمک دار راستہ ہے جس پر پوری زندگی امام الانبیاء (ﷺ) قائم رہے اور جسے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تھامے رکھا۔ اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''کہ جب کسی اہلحدیث کو دیکھتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کو دیکھ لیا۔''[1]

اس عظیم الشان قول کا مقصد ہی یہ ہے کہ اہل الحدیث کا منہج درحقیقت اتباعِ رسول ﷺ ہے، چنانچہ وہ اس طرح نبی ﷺ کی مبارک سنتوں کے متبع ہوتے ہیں کہ اُن کی زیارت کرنے والا یہی محسوس کرتا ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ محسوس کیا کرتے تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول میں ایک ترغیب اور تحریض کا پہلو بھی ہے، یعنی اگر کسی اہلحدیث میں کوئی عملی کمزوری ہو تو وہ دور کرکے صحیح معنی میں رسول اللہ ﷺ کی سنت پر قائم ہوجائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے ایک استاد عاصم النبیل رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"من طلب هذا الحديث فقد طلب اعلى الأمور فعليه أن يكون خير الناس" [2]

یعنی: ''جو حدیثِ رسول ﷺ کا طالب ہوتا ہے، وہ سب سے بہترین چیز کا طالب ہے تو اس پر یہ فرض ہے کہ وہ سب سے بہترین انسان بن جائے''

یعنی وہ باعتبارِ عقیدہ، عمل اور خُلق سب سے ممتاز ومتمیز ہو۔ یہی بات امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک اور قول سے مترشح ہوتی ہے:

[1] حلیة الاولیاء (۹/۱۰۹)

[2] سیر اعلام النبلاء ج ۹/۴۸۳

"اهل الحديث في كل زمان كأصحاب رسول الله ﷺ في زمانهم" [1]

یعنی: ''اہل حدیث ہر زمان ومکان میں اس طرح متمیز ہوتا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اپنے دور میں متمیز تھے''

اہل بدعت سے اختلاط کے نقصانات

اس تمیز کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اہلحدیث اُن تمام فرقوں سے الگ تھلگ رہتا ہے، جن کے مناہج میں شرک وبدعت کی آمیزش ہو؛ کیونکہ صاحبِ حق وصداقت کا باطل سے الگ تھلگ رہنا اس کی تردید ہے، جبکہ باطل سے اختلاط اس کی تائید شمار ہوتا ہے، اسی معنی میں ہمارا دین، دینِ حنیفیت ہے جو الگ ہوکر رہنے کا نام ہے، کما قال اللہ تعالیٰ:

[ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ] [2]

یعنی: ''پھر ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں کہ آپ ملتِ ابراھیمی کے پیروکار بن جائیں جو حنیف تھے (یعنی باطل سے بالکل کٹے ہوئے)''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"بعثت بالحنيفية السمحة" [3]

یعنی: ''جس دین کیساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اس میں حنیفیت اور سماحت ہے''

حضرات! اہلِ بدعت کے ساتھ اختلاط کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ یہ اختلاط اس کی تکریم وتعظیم کا موجب ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ باطل کی تکریم، حق کی تفنید وتنقیص کے

---

[1] المستخرج على المستدرك ١٣/١

[2] النحل: ١٢٣

[3] مسند احمد ٥/٢٦٦

مترادف ہے۔ ''کتاب الشریعۃ'' للآجری میں بسند حسن، رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے:

"من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الدين" [1]

یعنی: ''جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے دین کی عمارت کو ڈھا دینے کی کوشش کی''

اہل بدعت کے ساتھ اختلاط کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اس اختلاط سے بدعتی کا قد اونچا ہوگا اور آپ کا مقام ومرتبہ گھٹ جائے گا۔ اگر دودھ کو پانی میں ملایا جائے تو یقینی طور پر دودھ کی قیمت وافادیت کم ہوجائے گی، سونا کھوٹ میں مل کر اپنی قدر کھودیتا ہے۔ دریں صورت منہجی طور پر نقصان اس کی شخصیت کا نہیں بلکہ اس کے اندر موجود داعی کا اور نتیجۃً اس کی دعوت کا نقصان ہوگا۔ یہ شخص منبر پہ کھڑا ہوکر کھری توحید اور خالص سنت کی دعوت کیسے پیش کرسکے گا؟ کیونکہ اس کا عملی یا سیاسی کردار اس دعوت کی نفی کرے گا۔ کھری اور سچی دعوتِ توحید تو اس داعی کی زبان سے جچتی ہے جو باعتبارِ حنیفیت، اسوۂ خلیل اللہ علیہ السلام کا حامل ہو، جو بانگ دہل یہ اعلان فرمایا کرتے تھے:

[قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰۗؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ] [2]

''تمہارے لئے ابراھیم علیہ السلام میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان

---

[1] المعجم الأوسط، الرقم: ٦٧٧٢

[2] الممتحنة: ٤

سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کیلئے بغض وعداوت ظاہر ہو گئی ہے۔"

اہل بدعت سے اختلاط کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ یہ اختلاط ان کے تکثیرِ سواد یعنی ان کی جماعت کی تعداد میں اضافے کا سبب ہوگا، جسے اہلِ بدعت اپنی پارٹیوں کا اصل سرمایہ قرار دیتے ہیں۔ یہ چیز چونکہ ان کی فرحت کا باعث ہے لہذا ناجائز ہے۔ ان کے ایک ناجائز مقصد کے حصول کیلئے آپ کا استعمال ہونا، انتہائی خطرناک اقدام ہے اور دعوت کیلئے مضر ہے۔

اہلِ بدعت سے اختلاط کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ ان کی بدعات وخرافات سے متاثر ہونے کا قوی خدشہ اور احتمال قائم رہتا ہے؛ کیونکہ مبتدعین کی بدعت ایک فتنہ ہے اور فتنہ سے بچاؤ ایک شرعی مطلوب ہے۔ انسان جو کہ انتہائی ضعیف واقع ہوا ہے، بہت جلد فتنوں کے جال میں پھنس سکتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے کثرتِ فتن کے دور کی عکاسی کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"يصبح الرجل فيها مؤمنا ويمسي كافرا يبيع دينه بعرض من الدنيا" [1]

یعنی: "فتنوں کے دور میں انسان صبح کو مؤمن اور شام کو کافر ہوگا اور دنیا کے گھٹیا سے مفادات کی خاطر اپنا دین بیچ دے گا"

اسی حکمت کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے جب سب سے بڑے فتنہ، فتنۂ دجال کا

[1] صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الحث على المبادرة بالاعمال قبل تظاہر الفتن، رقم ۳۱۲۔ سنن ترمذی، باب ماجاء ستكون فتن كقطع الليل المظلم

ذکر کیا تو فرمایا:

"من سمعه قد ظهر فلينأ عنه" [1]

یعنی: "جو دجال کے ظہور کی بابت سنے وہ اس سے دور رہے"

دجال سے دور رہنے کی بہت سی حکمتوں میں سے ایک ظاہری حکمت یہ سمجھ میں آرہی ہے کہ کہیں تم اس کے فتنہ کی لپیٹ میں نہ آجاؤ۔

دورِ فتنہ ہی کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت موجود ہے:

"أملك عليك لسانك وليسعك بيتك وابك على خطيئتك" [2]

یعنی: "اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھنا، اپنے گھر کی چاردیواری کو کافی سمجھنا اور اپنے گناہوں پر رونا"

گھر کی چاردیواری پر کس حد تک اکتفاء کرے، اس کی تعبیر ایک حدیث میں یوں وارد ہوئی ہے کہ

"كونوا احلاس بيوتكم" [3]

یعنی: "فتنوں کے دور میں تم اپنے گھروں میں اس طرح رہنا جیسے گھر کا کوئی ضروری سامان (مثلاً: چولھا وغیرہ) ہمیشہ گھر میں موجود ہوتا ہے"

اس معنی میں رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے:

"المرء على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل" [4]

[1] سنن ابوداؤد، الملاحم، رقم ۴۳۱۹۔ مسند احمد ۴۴۱، ۴۳۱/۴

[2] الترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، رقم: ۲۴۰۶

[3] ابوداؤد، کتاب الفتن والملاحم، باب النهی عن السعی فی الفتنة رقم: ۴۲۶۲

[4] سنن ترمذی، کتاب الزهد

یعنی: ''انسان اپنے دوست کے دین کو جلد اپنا لیتا ہے لہذا ہر شخص خوب چھان پھٹک کر دیکھے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے''

اسی حکمت کے تحت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"لا تصاحب إلا مؤمنا ولا يأكل طعامك إلا تقي"[1]

یعنی: ''تم صحیح العقیدہ مؤمن کے علاوہ کسی کی مصاحبت اختیار نہ کرو اور تمہارا مال صرف پرہیز گار لوگ ہی کھائیں''

حضراتِ گرامی! ان تمام نصوص سے یہی شرعی حکمت ومنشا مفہوم ہوتی ہے کہ فتنوں سے الگ تھلگ رہنا چاہیئے، اور کائنات کا سب سے بڑا فتنہ شرک وبدعت ہے، جو انسان کے عقیدہ اور منہج وعمل کو اکارت کر دیتے ہیں، تو پھر اپنے مزعومہ مقاصد ومطالب کے حصول کی خاطر اہل شرک وبدعت سے اختلاط یقیناً شرعی حدود کی پامالی کے مترادف ہے۔ ایسے کام کا کیا فائدہ جس کی بناء پر اپنے یا اپنے ماننے والوں کے عقیدہ ومنہج کی خرابی کا امکان پیدا ہوجائے۔ والعیاذ باللہ

سلف صالحین بدعتی سے زیادہ اس شخص کو خطرناک قرار دیتے تھے جو اہل الحدیث یا اہل السنۃ ہونے کا دعویٰ کرے اور اہل بدعت سے مجالست ومصاحبت اختیار کرے۔ ابو قلابۃ علماءِ تابعین میں سے ہیں، فرمایا کرتے تھے:

"لا تجالسوا اهل البدعة"[2]

یعنی: ''اہل بدعت کے ساتھ مت بیٹھو''

[1] سنن ترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء في صحبة المؤمن

[2] الاعتصام للشاطبی ۱/۸۳

اہل بدعت سے اختلاط کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ وہ اہل حق جو آپ کی جماعت کا حصہ ہیں وہ آپ کے اس اختلاط ومصاحبت سے دھوکے کا شکار ہوجائیں گے، ان کے دلوں میں اہل بدعت کے تعلق سے نرم گوشہ پیدا ہوگا اور اہل بدعت سے نفرت کی غیرت ختم ہوجائے گی۔ وہ یہی سوچیں گے کہ جب ہمارے اکابرین ان لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں، باہمی تعاون کرتے ہیں، ساتھ مل کر کھاتے پیتے ہیں، ایک ہی اسٹیج پر پروگرام کرتے ہیں، مشترکہ بیانات دیتے ہیں اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اظہارِ یکجہتی کرتے ہیں، تو یہ بھی ٹھیک ہی ہونگے، یوں زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی بدعقیدگی سے مکمل اتفاق نہیں تو کم از کم سمجھوتہ کی شکل ضرور ہوجائے گی۔ اگر موجودہ نسل نہیں تو اگلی نسل ضرور اس دام میں گرفتار ہوجائے گی۔ والعیاذ باللہ

سلفی تمیز مفقود!

حضراتِ گرامی! آج اگر امرِ واقع کا جائزہ لیں تو یہ افسوس ناک حقیقت پوری طرح موجود ہے، وہ تمیز جو اہل الحدیث کی شان ہے مفقود ہوتا جارہا ہے، چنانچہ کوئی سیاسی مفادات کی خاطر، اہل باطل کی باہوں میں باہیں ڈال کر خوش ہورہا ہے اور کوئی اپنے گروہ کی تعداد میں اضافہ اور مال ودولت کے حصول کی خاطر اہل بدعت کی تکریم وتعظیم میں مشغول ہے، جماعتوں اور جمعوں کی امامت تک ان کے سپرد ہے۔ اہل بدعت کے خلاف پائی جانے والی دینی حمیت وغیرت جو کبھی اہل حق کا تمیز ہوتا تھا، آج ناپید ہوتی جارہی ہے۔ حتی کہ اپنے رسائل اور مجلات میں بھی اہل بدعت کے مضامین شامل کیئے جاتے ہیں، ان مضامین کے مندرجات درست بھی ہوسکتے ہیں لیکن اس سے پڑھنے والے سادہ قارئین

دھوکے کا شکار بھی ہو سکتے ہیں کہ جب ان کے مضامین ہمارے مجلّات کی زینت بنتے ہیں تو یہ لوگ بھی صحیح ہونگے۔ ہمارے مکتبات اور بک اسٹالوں پر ان کی کتب فروخت کی جاتی ہیں، یہ بھی ان کی تائید و تعظیم کا ایک حصہ ہے، جو کہ سلفی تمیز کے منافی ہے۔ تبلیغ کے نام پر جماعتیں بن رہی ہیں اور وہ فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کیلئے اہل بدعت کی ایک تبلیغی جماعت کا پوری طرح تشبہ اختیار کرنے کی کوشش کر رہی ہیں، ان کے ہاں تمام تر مروجہ اصطلاحات واستعارات کا استعمال ہو رہا ہے یہ بھی اہل بدعت کی تائید اور ان کے ساتھ اظہار یکجہتی ہے۔ ہمیں شاید اس تلخ حقیقت کا ادراک نہیں ہے کہ جن کی نقالی پر ہم اظہارِ فخر کر رہے ہیں وہ ایسے سلسلوں سے وابستہ ہیں جن کے عقائد میں صوفیت اور حلولیت کا رنگ موجود ہے، ہمارے اکابرین کا یہ تساہل بہت سے لوگوں کے دلوں سے عقیدہ کی غیرت کے ختم ہونے کا موجب بن رہا ہے، ہمارے پاس ہمارا سلفی نظام تبلیغ موجود ہے جو انبیاءِ کرام کی وراثت ہے، ہمیں اس وراثت پر فخر ہے، مگر افسوس! ہم ان سچے موتیوں کو چھوڑ کر در در کی خاک چھاننے اور ایروں غیروں سے بھیک مانگنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اسی قسم کے بے وقعت اہل الحدیث پر مولانا ابوبکر غزنوی رحمہ اللہ رویا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: ''آج اہل الحدیث کی مثال اس شہزادی کی سی ہے، جس کا دامن ہیروں اور جواہرات سے لدا پھدا ہو، اور اسے دوسروں کی کھوٹی چونیاں چوری کرنے کی عادت ہو۔'' لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

فکرِ اہل حدیث ایک پُروقار علمی تحریک!

حضراتِ گرامی! فکرِ اہل الحدیث درحقیقت ایک انتہائی پروقار، سنجیدہ اور علمی تحریک ہے، یہ جماعت، علومِ نبوت کی وارث وحامل ہے، دورِ سلف سے اس جماعت کی ترویج وترقی دینی مدارس کی اقامت اور مساجد کے دروس وخطبات کی رہینِ منت ہے۔ ہمارا مسلک علماء کی انہی جہود کی برکت اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے پھیلا ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک پھیلتا رہے گا، اس تعلق سے ہمارا منہج سڑکوں پر جلوس اور ریلیاں نہیں ہے، نہ ہی سڑکوں پر اُچھل کود اور جذباتی نعرہ بازی ہے، کیا امام بخاری رحمہ اللہ جن کے منہج کے ہم امین ہیں، ایسے تھے؟ ہرگز نہیں، انہوں نے صحیح بخاری تألیف فرمائی جس نے کروڑ ہا دلوں میں اصلاح کا انقلاب بپا کر دیا، جس نے لوگوں کے باطل عقائد ونظریات کی ظلمات میں وحی الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کے چراغ روشن کر دیئے اور یہی درحقیقت کام ہے، جس پر پوری جماعت کی توجہ مرکوز ہونی چاہیئے۔ اہل الحدیث کے قابلِ فخر سرمایہ علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی زندگی کا وہ حصہ بھلایا جا چکا ہے جو ایم، آر، ڈی کے اسٹیجوں پر صرف ہوا۔ وہ نعرے اور جذباتی تقریریں ہوا میں تحلیل ہو چکی ہیں، لیکن ان کے گھر کے ایک گوشے میں ان کی لائبریری قائم ہے، جس میں بیٹھ کر انہوں نے "القاديانية" لکھی، "الشيعة واهل السنة" لکھی، "الشيعة والقرآن" لکھی، "الشيعة والتشيع" لکھی، "الشيعة واهل البيت" لکھی، "البريلوية" لکھی اور "الاسماعيلية" لکھی، یہ کتب آج بھی زندہ جاوید ہیں، بین الاقوامی یونیورسٹیوں میں داخلِ نصاب ہیں اور ایک خلق کثیر کی ہدایت کا سبب بن چکی ہیں اور قیامت تک یہ علمِ نافع تشنگانِ علم کو سیراب کرتا رہے گا، اور ان کا ایک ایک لفظ علامہ صاحب رحمہ اللہ کیلئے صدقہ جاریہ ہے۔ یہی درحقیقت سلفی منہج ہے۔

ایک انتہائی بودی حجت

اہل بدعت سے میل جول کی ایک حجت یہ پیش کی جاتی ہے کہ اس طرح ہم ایک موثر طاقت بن جائیں گے اور شاید کسی طریقہ سے اسمبلی تک رسائی حاصل ہوجائے گی اور یوں اقامتِ دین کا کام آسان ہوجائے گا۔لیکن یہ حجت انتہائی بودی اور مضحکہ خیز ہے،اہل بدعت کا ساتھ مل جانا قطعاً کوئی طاقت نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کامیابی فراہم کرنے کیلئے ایسے لوگوں کا محتاج ہے۔ان کی بابت تو رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"إنما الناس كإبل مائة لا تكاد تجد فيهم راحلة"[1]

یعنی:''لوگوں کی کثرت کی مثال تو ان سو اونٹوں کی سی ہے جنہیں آپ خریدتے اور پالتے ضرور ہیں لیکن عین وقت پر سواری کے قابل کوئی نہیں ہوتا''

ایسے لوگوں کے ساتھ مل کر بھلا اصلاح اُمت اور اقامتِ دین کا کام چہ معنی دارد؟

حضراتِ گرامی! اقامتِ دین کے فریضہ کیلئے اللہ رب العزت انبیاء جیسے انسانوں کو چنتا ہے، جن کے قلوب مجلی مصفیٰ اور مطہر ہوتے ہیں، جو اللہ رب العزت کی فرمانبرداری کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اقامتِ دین کا کام ہر کوئی نہیں کرسکتا، ورنہ اللہ رب العزت قیصر وکسریٰ میں سے کسی کے سر پہ نبوت کا تاج سجادیتا کہ بے پناہ دولت اور طاقت تو موجود ہے، کام آسان ہوجائے گا، لیکن امرِ واقع یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ایک دُرِّ یتیم کا انتخاب کیا۔ جو پیدا ہوئے تو غربت کا یہ عالم تھا کہ کوئی دائی انہیں دودھ پلانے پر آمادہ نہیں تھی۔ایک موقع پر جبکہ آپ ﷺ نے دشمن کا ایک علاقہ فتح کیا،اس مفتوحہ علاقے کا ایک شخص آپ ﷺ سے بات کرتے ہوئے کانپ رہا تھا،وہ آپ ﷺ کو ایک فاتح بادشاہ کے روپ میں دیکھ رہا تھا اور آپ کی ہیبت میں مبتلا تھا،تب آپ ﷺ نے فرمایا:

"هون عليك إنما أنا ابن امرأة من قريش كانت تأكل القديد في هذه البطحاء"[1]

یعنی''مت ڈرو میں تو قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو وادی بطحاء کی روکھی سوکھی کھا کر گذارہ کیا کرتی تھی''

آپ ﷺ کو قلتِ مال، قلتِ وسائل اور قلتِ تعداد، جنہیں آج اقامتِ دین کے عمل کی کلید قرار دیا جاتا ہے، کا سامنا تھا، لیکن ان تمام محرومیوں کے باوجود آپ ﷺ تکمیلِ دین اور غلبۂ دین کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے، جس کا معنی یہ ہے کہ اقامتِ دین کا عمل ان چیزوں کا قطعاً محتاج نہیں، اس کیلئے تو ایک ایسا دل چاہئے جو سچے عقیدہ ومنہج اور انابت إلی اللہ سے مالا مال ہو، اور یہی چیز درحقیقت محمد رسول اللہ ﷺ کی اصل متاع تھی۔

جنابِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"إن الله نظر إلى قلوب العباد فوجد قلب محمد ﷺ من خير قلوب العباد فاصطفاه لرسالته"[2]

یعنی:''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو ٹٹولا تو سب سے بہترین دل محمد ﷺ کا پایا تو انہیں منصبِ رسالت کیلئے چن لیا''

[1] صحیح بخاری، الرقاق ۶۴۹۸

[1] الحاکم، التفسیر، تفسیر سورہ الذریات، رقم: ۳۷۳۳/۸۷۰

[2] مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹، رقم: ۳۵۸۹

حضرات! اس چناؤ میں یہی حکمت کارفرما ہے کہ اقامتِ دین کا کام نبی کرسکتا ہے یا وہ شخص کرسکتا ہے جو نبی جیسا عقیدہ، عمل، خلق اور منہج رکھتا ہو۔ یہ مبتدعین کا کام ہرگز نہیں کہ ہم انہیں اپنے قریب کریں یا ان کے قریب جائیں تا کہ ایک قوت بن جائیں۔ اس قسم کے سیاسی تصرفات سے ممکن ہے دنیا کی چند روزہ چاندی بن جائے لیکن دین کے اعلاء کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، خالقِ کائنات نے فرمایا ہے:

[يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ][1]

یہ آیت کریمہ بانگ دہل اس حقیقت کا اعلان کررہی ہے کہ غلبہ واقامتِ دین کا کام صرف ایسی قوم کے ذریعے ممکن ہے جسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس قوم سے محبت ہو، اور یہ بات معلوم ہے کہ دینِ اسلام میں محبت کسی دعویٰ سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کیلئے ایک ہی منہج ہے:

[قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ ...][2]

یعنی: ''اللہ رب العزت کی محبت کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے''

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اقامتِ دین کا کام صرف وہ جماعت کامیابی سے کرسکتی ہے جسکے پاس اللہ تعالیٰ کی محبت کی بنیاد ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع پر قائم ہے اور رسول اللہ ﷺ کی خالص اتباع کا منہج جماعتِ اہلحدیث کے پاس ہے۔ لہذا

[1] المائدۃ:۵۴

[2] آل عمران:۳۱

غلبۂ دین اور اصلاحِ اُمت کا کام صرف اہل الحدیث ہی کرسکتے ہیں، جو لوگ اہل بدعت سے اختلاط کو اہم قوت وطاقت قرار دیتے ہیں یقین کرلیجئے کہ اللہ رب العزت ان کا قطعاً محتاج نہیں۔

حیاتِ محدث دیارِ سندھ رحمہ اللہ ایک قابلِ فخر مثال

صوبہ سندھ کی ایک علمی شخصیت ہم سب کے روحانی باپ شیخ العرب والعجم علامہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی مبارک زندگی اس حوالہ سے ایک قابلِ فخر مثال ہے، ان کا منہج ہمارے سامنے ایک روشن کتاب کی مانند کھلا ہے، ان کے اسلوب عمل میں خالصتاً سلفی رنگ تھا جب اپنے عالمِ شباب میں صوبہ سندھ کے اندر موجود جہالتوں سے پنجہ آزمائی شروع کی تو صوبہ بھر میں اہل الحدیث کی صرف ایک مسجد تھی اور جب 1996 میں ہمیں داغِ مفارقت دیکر اس دنیا سے رخصت ہوئے تو 750 مساجد قائم ہوچکی تھیں۔ اور ہر مسجد میں دعوت کا نظام قائم ہوچکا تھا۔ آج اسی عمل کے تسلسل کی برکت سے مساجد کی تعداد 1000 تک پہنچ چکی ہے، ہر مسجد میں جمعہ کے خطبات ہورہے ہیں، روزانہ درسِ قرآن وحدیث جاری ہے، اور یہی سلفی عمل ہے۔ منبر ومحراب سے لوگوں کی اصلاح، تربیت اور تزکیہ کا کام کیا جائے۔ یہی امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کا منہج تھا اور اسی میں برکت ہے اور کوئی منہج آج تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکا۔

تمیز ایک اہم اعتقادی مسئلہ

حضرات! منہج اہلحدیث ایک بڑا وسیع مضمون ہے جس پر متعدد جہات سے گفتگو ہوسکتی ہے، لیکن میں نے اس مجلس میں اپنی تمام تر توجہ صرف نکتۂ تمیز پر مرکوز رکھی ہے، یہ ایک اہم

اعتقادی مسئلہ بھی ہے، جس کا عقیدہ ''الولاء والبراء'' سے بھی بڑا گہرا ربط اور تعلق ہے۔ منہج اہلحدیث کا اعجاز یہی ہے کہ ہم اپنے عقیدہ اور عمل جو کہ مکمل طور پر رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ کے مطابق ہے، پر ارتکاز کریں اور اللہ رب العزت کی تائید وتوفیق کی برکت سے اپنی محدودسی تعداد پر اکتفاء کریں اور دعوتِ دین کے بابرکت عمل کو جاری وساری رکھیں، مساجد قائم ہوں، مدارس سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونجتی رہیں اور اللہ رب العزت سے دعاؤں کا سلسلہ وسہارا حاصل رہے اور بدعت واہل بدعت سے، حسبِ منہجِ سلف صالحین عملی واعتقادی برأت کا اظہار موجود رہے۔ ان امور سے ہم اپنے فریضۂ دعوت سے بطریقِ احسن عہدہ براہو سکتے ہیں، اور نتائج اللہ رب العزت کے سپرد ہونگے۔ کامیابی بھی انسانوں کے ہاتھ میں نہیں رہی، یہ تو صرف خالقِ کائنات کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہے عطافرمادے، اور جسے چاہے محروم رکھے، لیکن یہاں جومحروم ہے وہ بھی کامیاب ہے اور اجر وثواب کا پوری طرح مستحق ہے اور جو کامیاب ہے وہ صرف اس لئے کامیاب ہے کہ اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کے منہج کے ساتھ پوری پوری وفاداری کی۔

اللہ رب العزت سے یہی استدعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح معنی میں منہجِ اہلحدیث کی اصل شان کو برقرار رکھنے کی توفیق عطافرمادے، آج ہم صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ محدثین کے منہج کے امین ہیں، یہ منہج ہمارے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ سلفی قواعد کی روشنی میں اس کا حق ادا کرنے کی توفیق عطافرمادے، اور موجودہ دور کے کھوکھلے نعروں، بے مقصد اُچھل کود، مبتدعین سے اختلاط اور ایسے اقتدار کے حصول کی کوششوں، جس میں کوئی خیر وبرکت نہیں، سے یکسر گریز کا فہمِ وافر عطافرمادے، ہم باعتبار عقیدہ، منہج، عمل، خُلق اور سیاست کے ایسے بن جائیں کہ ہمیں دیکھ کر لوگ واقعۃً یہ محسوس کریں کہ جیسے اصحاب رسول کریم

ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ آج جبکہ جمعیت اہل الحدیث سندھ کی پچیسویں سالانہ کانفرنس کا آغاز ہوچکا ہے، میں اپنے تمام علماء، مدرسین، دعاۃ، طلابِ علم، اُمراء، ناظمین اور عامۃ الناس کو باعتبار عقیدہ، منہج، عمل، خُلق اور سیاست ممتاز ومتمیز ہوکر رہنے کی نصیحت کرتا ہوں، انبیاء ورسل کی دعوت کو، انبیاء ورسل کے طریقہ ومنہج کے مطابق لیکر میدانِ عمل میں آئیے، اپنے آپ کو دنیا کے ہرگروہ سے اونچا اور اعلیٰ سمجھئے، لیکن اس میں کبر اور تعلّی کا پہلو نہ ہو۔ ہم سب سے برتر اور اعلیٰ اس لئے ہیں کہ صرف ہم ہی علومِ نبوت کے حاملین ووارثین ہیں۔ منہج تمیز کی بنیاد پر رسول اور اصحابِ رسول ﷺ کی پیروی ہی ہمارا اصل سرمایہ ہے۔

والتوفیق بیداللہ تعالی وصلی اللہ تعالی علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وأهل طاعته اجمعين.

OOOOOOOOOOOO

صدارتی خطبہ

(2008ء)

موضوع:

اہل بدعت سے تعلق،قرآن وحدیث اورکلام سلف صالحین کی روشنی میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ، ونستغفره ، ونعوذ بالله من شرور انفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ، ومن يضلل فلاهادى له. وأشهدان لا اله الا الله وحده لاشريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله.

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾

(آل عمران:102)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ﴿۱﴾ (النساء: 1)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا ﴿۷۰﴾ یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ﴿۷۱﴾

(الاحزاب:71،70)

أما بعد:

فان أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدى هدى محمد ﷺ ، وشر الأمور محدثاتها ، وكل محدثة بدعة ، وكل بدعة ضلالة ، وكل ضلالة فى النار .

حصولِ علم کا مبارک سفر واخلاصِ نیت

حضراتِ سامعین! بفضل اللہ تعالیٰ ،جمعیتِ اہلحدیث سندھ کے تحت چھبیسویں سالانہ سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا آغاز ہو چکا ہے ،اہل حق کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا یہ سمندر ایک انتہائی روشن دعوتی مستقبل کا غماز ہے،آپ کا یہ ذوق وشوق میری اور میرے تمام رفقاءِ کار کی حوصلہ افزائی کا باعث ہے، میں دعا گوہوں کہ ہم سب کی یہ جہود ومساعی،عنداللہ

پذیرائی کی مستحق قرار پا جائیں، اور ہم سب کی آمد رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کی روشنی میں شرفِ قبولیت حاصل کر لے:

"نضر الله امرأ سمع مقالتي فحفظها ثم أداها كما سمعها"[1]

"الٰہی! (دنیا و آخرت میں) اس شخص کے چہرے کو تروتازگی اور سرور عطا فرما دینا جو میری احادیث سنتا ہے، انہیں یاد کر لیتا ہے اور پھر کمال امانت کے ساتھ اسی طرح پہنچا دیتا ہے"

آپ کا یہ سفر چونکہ طلبِ علم کی خاطر ہے لہذا انتہائی مبارک ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"من سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له به طريقا إلى الجنة"[2]

"جو شخص حصولِ علم کی راہ پہ چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے"

میں آغازِ کلام میں پہلے اپنے آپ کو اور پھر آپ سب کو حفظِ اخلاص کی نصیحت کرتا ہوں؛ کیونکہ نیکی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، اُس کی قبولیت کا دارومدار اخلاص پر ہے:

"إنما الاعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى ...الحديث"[3]

"بے شک تمام اعمال کا دارومدار نیت کے ساتھ ہے اور ہر شخص کیلئے اس کے عمل سے وہی کچھ ہے جو وہ نیت کرے"

[1] ترمذی

[2] مسلم: ۲۸۵۳

[3] بخاری، الرقم: ۱

اللہ تعالیٰ ہر عمل میں ہمیں اخلاص کی حفاظت اور اپنے پیارے رسول محمد ﷺ کی سنت کی متابعت کی توفیق عطا فرمائے۔

خیر و شر کا تعارف

حضراتِ سامعین! رسول اللہ ﷺ اپنے ہر خطبہ میں خیر و شر کا تعارف کرایا کرتے تھے، خیر کا تعارف ان الفاظ میں:

"إن خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد ﷺ"[1]

"یعنی سب سے بہترین کلام، کتاب اللہ تعالیٰ ہے اور سب سے بہترین طریقہ، محمد ﷺ کا طریقہ ہے"

گویا دنیا میں قیامت تک بہت سے طریقے آئیں گے، رسول اللہ ﷺ نے بڑی تاکید کے ساتھ یہ بات واضح فرما دی کہ سب سے بہترین طریقہ صرف میرا ہی ہے۔

اس سب سے بہترین طریقہ کی وضاحت کے بعد آپ ﷺ نے مقابلۃً سب سے بدترین طریقے کو بھی واضح فرما دیا:

"وشر الأمور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار"[2]

"یعنی ہر نیا طریقہ بدترین ہے جو کہ بدعت کہلاتا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے"

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو چھوڑ کر کسی بھی نئے

[1] مسلم

[2] سنن نسائی

طریقے کو اپنانے والا درحقیقت جہنم کا ایندھن ہے۔

اس کی مزید تاکید حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے، اس حدیث کا موضوع بھی خیر وشر ہی ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر وشر کے حوالے سے یوں بات کی تھی:

''ہم شر اور جاہلیت میں تھے، اللہ تعالی نے ہمیں خیر عطا فرمادی، کیا اس خیر کے بعد دوبارہ شر آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

انہوں نے پوچھا: کیا اس شر کے بعد دوبارہ خیر آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں (پھر اس خیر کی وضاحت فرمائی)

انہوں نے پھر پوچھا: کیا اس خیر کے بعد پھر شر آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اور وہ شر یہ ہے:

"دعاة على أبواب جهنم من أجابهم إليها قذفوه فيها"

''یعنی دعوت دینے والوں کی کثرت ہوگی مگر وہ سب جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوکر (اپنے اپنے راستوں کی) دعوت دینگے، جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا اسے وہ جہنم میں ڈال دینگے''[1]

"عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی الله عنه قَالَ: خَطَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خَطًّا بِيَدِهٖ، ثُمَّ قَالَ: "هٰذَا سَبِيْلُ اللهِ مُسْتَقِيْمًا" ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطاً عَنْ يَّمِيْنِ ذٰلِكَ الْخَطِّ وَعَنْ شِمَالِهٖ، ثُمَّ قَالَ: "وَهٰذِهِ السُّبُلُ لَيْسَ مِنْهَا سَبِيْلٌ اِلاَّ عَلَيْهِ شَيْطَانٌ يَدْعُوْ اِلَيْهِ" ثُمَّ قَرَأَ:

[1] صحیح بخاری: ۷۰۸۴

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلاَ تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ"[1]

''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ایک سیدھا خط کھینچا، اور فرمایا یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے، پھر اس خط کے دائیں اور بائیں بہت سے خطوط کھینچے، اور فرمایا کہ ان تمام راستوں پر شیطان بیٹھا اپنی دعوت دے رہا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی: ''یہی میرا سیدھا راستہ ہے پس اس کی اتباع کرو، اور دوسرے راستوں پر مت چلو ورنہ سیدھے راستے سے برگشتہ ہوجاؤ گے۔''

حضراتِ سامعین! ان تمام نصوص سے بدعت اور بدعتی کے حوالے سے بہت سی باتیں سامنے آرہی ہیں، ایک یہ کہ بدعت شر الامور یعنی سب سے بدترین راستہ ہے، دوسری یہ کہ بدعت کی طرف دعوت دینے والا جہنم کے دروازے پر کھڑا ہے جو اپنے تمام پیروکاروں کے جہنم میں داخلے کا سبب بن رہا ہے، تیسری بات یہ کہ بدعت کی طرف دعوت دینے والا، انسان نما شیطان ہے، جو اصل شیطان سے بدتر ہے؛ کیونکہ اصل شیطان کی تضلیل کا معاملہ صرف وسوسے تک محدود ہے، کما قال رسول الله ﷺ "الحمد لله الذى رد أمره إلى الوسوسة"[2]

ہر قسم کی حمد اللہ کیلئے جس نے اس (شیطان) کا معاملہ وسوسہ تک (محدود) کردیا۔ جبکہ یہ شخص کھلم کھلی دعوت پیش کررہا ہے۔

بدعت یا بدعتی شخص کے بارے میں شریعت کے احکام اس قدر شدید ہونے کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ بدعتی انسان اللہ تعالی کی انتہائی روشن، واضح اور مکمل شریعت کے ہوتے

[1] مسند احمد (۲/۴۴۳۷، مسند ابنِ مسعود) مستدرک الحاکم (۲/۳۱۸)

[2] مسند احمد: ۲۱۶۱، السنن الکبری: ۱۰۵۰۴

ہوئے نئی نئی چیزوں کی ایجاد واختراع کرتا ہے یا اپناتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا تھا:

"قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها لایزیغ عنها بعدی إلا هالك، من يعش منكم بعدی فسيرى اختلافا كثيرا ،فعليكم بماعرفتم من سنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين،عضوا عليها بالنواجذ....الحديث" [1]

''یعنی میں تمہیں ایک روشن اور چمکدار راستے پر چھوڑے جارہا ہوں، میرے بعد آنے والا جوشخص بھی اس سے برگشتہ ہوگا وہ تباہ وبرباد ہوجائے گا، میرے بعد تم بڑے اختلافات دیکھوگے، اس وقت تم پر ضروری ہوگا کہ (ہر چیز کو چھوڑ کر) میری اور خلفاء راشدین جو کہ ہدایت یافتہ ہیں کی سنت کو تھامے رہنا اور اسے اپنی داڑھوں میں دبائے رکھنا......الحدیث''

گویا بدعت سب سے مذموم عمل ہے اور بدعتی انسان اللہ رب العزت کی شریعت کا باغی ہے، جو کسی مداہنت کا مستحق نہیں ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وكل خير فی اتباع من سلف

وكل شر فی ابتداع من خلف

''یعنی سلف صالحین کی اتباع میں تمام تر خیر مضمر ہے جبکہ بعد میں آنے والوں کی بدعات ہر شر کا منبع ہیں''

اللہ تعالیٰ منہجِ سلف صالحین کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھر دے اور بدعات وضلالات کے فتنے سے ہماری حفاظت فرمائے۔

[1] ابوداؤد:(۴۶۰۷)ترمذی:(۲۶۷۶)ابن ماجه:(۴۳)

دورِ حاضر کا اہم ترین مسئلہ

حضراتِ سامعین! آج کے مسائل میں سے ایک انتہائی اہم مسئلہ یہ ہے کہ اہل بدعت کے ساتھ ہمارا تعلق کیسا ہونا چاہئے؟ یہ ایک اعتقادی مسئلہ بھی ہے، جو''الولاء والبراء'' کے عنوان سے معنون ہے، جسے احادیث میں "الحب فی الله والبغض فی الله" جیسے جامع الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، بلکہ ایک حدیث میں اسے "اوثق عری الإیمان" یعنی ایمان کا سب سے مضبوط کنڈا قرار دیا گیا ہے، جولوگ عقیدۂ ''الولاء والبراء'' کا صحیح معنیٰ میں اہتمام کرنے کی سعادت حاصل کرلیتے ہیں، انہیں اللہ رب العزت روزِ قیامت نور کے منبروں پر بٹھائے گا، اور ایک دوسری حدیث کے مطابق انہیں اتنا قرب عطا فرمائے گا کہ انبیاء اور شھداء انہیں دیکھ کر رشک کریں گے۔

اصولِ ایمان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قبولِ ایمان کے بعد سب سے اہم ذمہ داری یہی ہے کہ اپنے تعلقات پر نظرِ ثانی کی جائے اور توحید وسنت کے سچے حاملین سے محبت کی جائے، جبکہ شرک وبدعت کی دلدل میں پھنسے لوگوں سے اظہارِ برأت کیا جائے؛ کیونکہ ایسے لوگ اللہ اور اس کے رسول کی دشمنی مول لیتے ہیں، قرآن کہتا ہے:

[لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَاۗدُّوْنَ مَنْ حَاۗدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ اَوْ اَبْنَاۗءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ] [1]

''جولوگ اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، انہیں تم ایسے لوگوں سے دوستی رکھنے والا نہیں پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول سے دشمنی رکھتے ہوں، خواہ وہ ان کے (ماں) باپ، اولاد، (بہن) بھائی یا خاندان کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں''

[1] المجادلة:۲۲

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا اگر ایسے لوگوں سے دوستی رکھتا ہے جواللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ سے دشمنی رکھتے ہوں تو اسے اپنے ایمان کی سلامتی کی فکر کرنی چاہیے۔

صحیح العقیدہ لوگوں کی محبت ومصاحبت ایک شرعی مطلوب بلکہ فریضہ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"لا تصاحب إلا مؤمنا ولا يأكل طعامك إلا تقي" [1]

یعنی: ''تم صحیح العقیدہ مؤمن کے علاوہ کسی کی مصاحبت اختیار نہ کرو اور تمہارا مال صرف پرہیز گار لوگ ہی کھائیں''

اس معنی میں رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے:

"المرء على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل" [2]

یعنی: ''انسان اپنے دوست کے دین کو جلد اپنالیتا ہے لہذا ہر شخص خوب چھان پھٹک کر دیکھے کہ وہ کس سے دوستی کررہا ہے''

اہل بدعت سے اختلاط کے محرکات

''الولاء والبراء'' ایسے اعتقادی مسئلہ میں آج لوگ بہت زیادہ تساہل بلکہ غفلت مجرمانہ کا شکار ہو چکے ہیں، اہل بدعت سے تعلقات کے حوالے سے شرعی قواعد وہدایات کو نظرانداز بلکہ پامال کیا جارہا ہے، آج کے دور کا ایک فتنہ ''حزبیتِ مذمومہ'' اس کا ایک بہت بڑا محرک ہے، کچھ لوگ سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے اہل بدعت سے تعلقات استوار

[1] سنن ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی صحبۃ المؤمن

[2] سنن ترمذی، کتاب الزھد

کرتے ہیں، کچھ کا مقصد حصولِ مال ودولت ہے، کچھ کا ہدف تکثیر سواد یعنی اپنے حلقۂ اثر کی بڑی تعداد ظاہر کرکے مختلف مفادات کی طلب ہے۔

بعض لوگ اہل بدعت سے تعلق ومحبت کا ثبوت اس طرح دیتے ہیں کہ ان کے مذعومہ قواعد اور مروجہ اصطلاحات کو پوری طرح اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، دعوت إلی اللہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے منہج وطریق کی اتباع کی بجائے اہل بدعت کے طریق دعوت کے ساتھ تشبہ اختیار کرلیتے ہیں۔

حضرات! مذکورہ تمام مطالب ومقاصد خطرناک ہیں، اس فکر کے حاملین، دعوت کا کام کرتو رہے ہیں لیکن ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل نہیں ہے، لہذا اہل بدعت کے سہارے کے متلاشی رہتے ہیں، حالانکہ ایک داعیٔ حق کا سب سے قیمتی اثاثہ، تعلق باللہ، توکل علی اللہ اور منہج انبیاء کے ساتھ وفاداری ہے، جبکہ مال ودولت اور دیگر ظاہری وسائل کی محض ثانوی حیثیت ہے، مگر اُن کے حصول کیلئے لوگ شب وروز دوڑتے پھررہے ہیں اور دروغ گوئی وکذب بیانی جیسے کبائر کے مرتکب ہوہوکر پیسہ اکٹھا کرنے میں مصروف ہیں، بلکہ کچھ کے بارہ میں تو معلوم ہوا ہے کہ وہ گیارہویں والے پیر کے نام کا پیسہ بھی لے لیتے ہیں تاکہ جہاد جیسے مقدس اور باغیرت فریضہ پر خرچ کرسکیں، فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

اہل بدعت کے ساتھ تعلق ومحبت کی سب سے خطرناک صورت وہ ہے جس کے مظاہر عمومی ہوں، یعنی وہ عامۃ الناس کو دکھائی دے: مثلاً: ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرنا، انہیں اپنے اسٹیجوں پر دعوت دینا، ان سے تقاریر کروانا، ان کے مضامین کو اپنے مجلات میں شائع کرنا اور اپنے بک اسٹالوں پر ان کی کتب فروخت کرنا، یہ وہ عمومی مظاہر ہیں جو عامۃ الناس کیلئے دھوکہ دہی اور تضلیل کا باعث بن سکتے ہیں۔

میں اس خطبۂ صدارت کے ذریعے اپنے دوستوں اور بالخصوص نوجوانوں کو ہر مرحلے پر سلفی غیرت، تمیز، تمحیص، تزکیہ اور تصفیہ کے منہج پر قائم رہنے کی نصیحت کرتا ہوں، یہی نبی ﷺ کی تعلیم وتربیت ہے اور یہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے سچے اتباع کا منہج ہے، اس منہج کے ساتھ وفاداری ہی حقیقی کامیابی ہے، مال وزر ہو یا نہ ہو اور لوگوں کی حمایت حاصل ہو یا نہ ہو۔ ہمیں سچی توحید، اخلاصِ نیت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی متابعت کے حصول کی بھرپور کوشش کرنی ہے اور یہ یقینِ کامل اپنانا ہے کہ فلاح وسعادت کا یہی پروگرام ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

اہل بدعت سے تعلق، آیات واحادیث میں ممانعت

اہلِ بدعت کے ساتھ تعلق کے حوالے سے سلف صالحین کے بے شمار اقوال ہمارے سامنے موجود ہیں، جو ہمارے لئے انتہائی درجہ لائقِ عمل ہیں اور دعوتی زندگی میں مشعلِ راہ ہیں، یہ مبارک اقوال وہ علمِ نافع ہے جو درحقیقت شرعی نصوص سے ماخوذ ہے، چنانچہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب مقدس میں اہلِ بدعت سے اجتناب وابتعاد کا اصلِ عظیم بیان فرمادیا ہے:

[وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝] [1]

''اور جب ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کررہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہوجائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر آپ کو شیطان

[1] الانعام: ٦٨

بھلادے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے ساتھ مت بیٹھیں''

اللہ تعالیٰ کی آیات میں عیب جوئی کرنے والے اہلِ بدعت ہی ہیں، لیث بن ابی سلیم، ابوجعفر جو علماء تابعینؒ میں سے ہیں کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''اہلِ خصومات (مبتدعین) کے ساتھ مت بیٹھو، یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات میں عیب جوئی کرتے ہیں'' [1]

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ۝] [2]

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ جب تم کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو، یقینا اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے''

محمد بن سیرین رحمہ اللہ ؒ فرمایا کرتے تھے: ''یہ آیت اہلِ بدعت کے بارہ میں نازل ہوئی ہے'' [3]

[1] تفسیر طبری: ۲۲۹/۷

[2] النساء: ۱۴۰

[3] الإبانة لابن بطة: ۴۳۱/۲

یہی اصلِ عظیم رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے حاصل ہوتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہر خطبہ میں بدعت کو سب سے بدترین امر، ضلالت اور جہنم کا ایندھن فرمایا کرتے تھے، اور آپ ﷺ کی معروف حدیث:

"من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" [1]

اور دوسری حدیث:

"من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد" [2]

اس امر پر دال ہیں کہ بدعت اور اہلِ بدعت دونوں مردود ہیں، اس کے علاوہ ''کتاب الشریعۃ'' للآجری میں بسند حسن، رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی موجود ہے:

"من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الدين" [3]

یعنی: ''جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے دین کی عمارت کو ڈھا دینے کی کوشش کی''

علاوہ ازیں ذوالخویصرۃ کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی اہلِ بدعت سے اجتناب وتحذیر پر دلالت کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"إنه سيخرج من ضئضئ هذا قوم تحقرون صلا تكم مع صلا تهم فيقرؤون القرآن لايجاوز حلوقهم يمرقون من الدين مروق السهم من الرمية...الحديث" [4]

---

[1] صحیح بخاری

[2] صحیح مسلم

[3] المعجم الأوسط، الرقم: ٦٧٧٢

[4] صحیح بخاری: ٣٦١٠ صحیح مسلم: ٢٠...

یعنی ''عنقریب اس کی نسل میں سے ایک قوم برآمد ہوگی جن کی نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے، وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے......الحدیث''

اہل بدعت سے صحابہ کی نفرت

اسی عظیم اصل کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اپنائے رکھا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب ایک بدعتی فرقہ قدریہ کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا تھا:

"فإذا لقيت أولئك فأخبرهم أني بريئ منهم وأنهم برآء مني" [1]

یعنی: ''جب تم ان سے ملو تو انہیں بتادو کہ میں ان سے اور وہ مجھ سے لاتعلق ہیں''

یہی عبداللہ بن عمر اپنی عمر کے آخری دور میں جب کہ بوڑھا ہونے کے ساتھ ساتھ نابینا بھی ہو چکے تھے، اپنے شاگرد مجاہد کے ساتھ ایک مسجد میں نماز ادا کرنے گئے، مسجد کے مؤذن نے اذان کے بعد تثویب کی تو مجاہد سے فرمایا:

"أخرج بنا فإنها بدعة"

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

"لا تجالس أهل الأهواء فإن مجالستهم ممرضة للقلوب" [2]

یعنی: ''اہلِ بدعت کے ساتھ مت بیٹھو؛ کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنا دلوں کو بیمار کردیتا ہے''

عطاء تابعی نے جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قدریہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں

---

[1] صحیح مسلم: ٨

[2] الابانۃ ج ٢/٤٣٨

نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا فرمان:

[ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ] [1]

قدریہ ہی کے بارے میں نازل ہوا ہے، یہ اس امت کے بدترین لوگ ہیں، ان کے بیماروں کی عیادت نہ کیا کرو، ان کے مُردوں کا جنازہ نہ پڑھا کرو، اگر مجھے ان میں سے کوئی شخص دکھائی دیا تو میں اپنی ان دو انگلیوں سے اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دونگا'' [2]

اہل بدعت سے تابعین وائمہ کی نفرت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور ائمہ ہدایت رحمہم اللہ بھی اسی منہج پر قائم رہے، چنانچہ ابوقلابہ کا قول ہے:

"لا تجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم؛ فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم أويلبسوا عليكم ما تعرفون" [3]

یعنی: ''اہلِ بدعت کے ساتھ مت بیٹھو اور نہ ہی ان کے ساتھ جھگڑا کرو مجھے خطرہ ہے کہ وہ تمہیں اپنی گمراہی میں نہ ڈبودیں یا کم از کم تمہارے علم میں تشکیک وتلبیس نہ داخل کردیں''

عمرو بن قیس الملائی کا قول ہے:

"لا تجالس صاحب زيغ فيزيغ قلبك" [4]

یعنی: ''کجرو شخص کے ساتھ مت بیٹھو، ورنہ تمہارا دل بھی کجروی کا شکار ہوجائے گا''

---

[1] القمر: ۴۹،۴۸

[2] شرح السنة لالكائی ۴/۷۱۲

[3] سنن دارمی ۱/۱۲۰، شرح السنة لالكائی ۱/۱۳۴

[4] الإبانة: ۲/۴۳۶

امام ابراھیم نخعی فرمایا کرتے تھے:

"لا تجالسوا أهل الأهواء فإن مجالستهم تذهب بنور الإيمان من القلوب وتسلب محاسن الوجوه وتورث البغضة في قلوب المؤمنين" [1]

یعنی: ''بدعتیوں کے ساتھ مت بیٹھو؛ کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنا دلوں سے نورِ ایمانی چھین لیتا ہے، چہروں کی رونق سلب کردیتا ہے، اور دلوں میں بغض پیدا کردیتا ہے''

اسی معنی میں امام مجاہد، اسماعیل بن عبداللہ اور مفضل بن مھلھل کے اقوال منقول ہیں، بلکہ مفضل بن مھلھل فرمایا کرتے تھے: ''جب تم کسی بدعتی کے ساتھ بیٹھو گے تو وہ پہلے ہی دن تم سے اپنی بدعت ذکر نہیں کرے گا تاکہ تم اسے چھوڑ نہ دو، بلکہ وہ پہلے پہل تمہیں صحیح احادیث سنائے گا اور جب تم مانوس ہوجاؤ گے تو اپنی بدعت تم پر داخل کردے گا، جو تمہارے دل میں چپک جائے گی اور کبھی نکل نہ سکے گی'' [2]

اسی لئے حسن بصری اور محمد بن سیرین رحمہما اللہ اہلِ بدعت کے ساتھ اختلاط اور مجادلہ کے ساتھ ساتھ ان کی باتیں سننے سے بھی روکا کرتے تھے۔'' [3]

امام احمد بن حنبل بدعتیوں سے مجالست اور مخالطت سے منع فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ فرمایا کرتے تھے: ''ان کے ساتھ مانوس ہونا بھی جائز نہیں ہے''

ثابت بن عجلان کا کہنا ہے:

''میں نے انس بن مالک، سعید بن مسیب، حسن بصری، سعید بن جبیر، عامر

---

[1] الإبانة: ۲/۴۳۹

[2] الإبانة: ۲/۴۴۴

[3] الإبانة ۲/۴۴۴، شرح السنة [illegible]

الشعبی، ابراھیم النخعی، عطاء بن ابی رباح، طاؤوس ،مجاہد،عبداللہ بن ابی ملیکہ ، زھری ، مکحول، قاسم ابوعبدالرحمن، عطاء الخراسانی ،ثابت البنانی، حکم بن عتیبہ ،ایوب السختیانی ، حماد، محمد بن سیرین، ابوعامر ، یزید الرقاشی اور سلیمان بن موسیٰ جیسے جلیل القدر ائمہ کو پایا ہے، یہ سب اہلِ بدعت کے ساتھ بیٹھنے سے روکا کرتے تھے'' [1]

امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"إیاکم واصحاب الرأی فإنهم أعداء السنة" [2]

یعنی: ''اہل الرأی سے بچ کر رہو؛ کیونکہ وہ سنت کے دشمن ہیں''

امام مالک رحمہ اللہ جو امام دارالھجرۃ کے لقب سے ملقب ہیں کی اہلِ بدعت سے نفرت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے کہ جب ایک شخص نے ان سے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کی کیفیت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا استواء علی العرش معلوم ہے، لیکن استواء کی کیفیت مجہول ہے، اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، جب کہ کیفیت کا سوال کرنا بدعت ہے، میں سمجھتا ہوں کہ تم بدعتی ہو۔''

پھر اس شخص کو اپنی مجلس سے نکال دیے جانے کا حکم دیا۔ [3]

امام ابوداود فرماتے ہیں: اہل بغداد کا ایک شخص ابوبکر المغازلی (جو جہم بن صفوان کی رائے رکھتا تھا) امام اہل السنۃ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو سلام کرنے کی غرض سے آیا، امام احمد بن حنبل نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا اور فرمایا: ''یہاں سے دور ہو جاؤ اور آئندہ

[1] شرح السنۃ لالکائی ۱/۱۳۳

[2] مناقب مالک للزواوی ص ۱۴۸

[3] مناقب مالک للزواوی ص ۱۳۴

کبھی میرے دروازے پر نظر نہ آؤ، تمہارے ساتھ تو وہ سلوک ہونا چاہئے جو امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صبیغ کے ساتھ کیا تھا''

یہ کہہ کر دروازہ بند کر لیا اور اپنے گھر داخل ہو گئے۔ [1]

حضرات! اس معنی میں ائمہ سلف سے جو اقوال مروی ومنقول ہیں اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ علماء ومحدثین کا بدعت واہلِ بدعت کے ترک پر اجماع تھا۔

عبدالرحمن بن ابی الزناد فرماتے ہیں:

"ادرکنا أهل الفضل والفقه من خيار أولية الناس يعيبون أهل الجدل والتنقيب والأخذبالرأی أشد العيب، وينهوننا عن لقائهم، ومجالستهم، وحذرونا مقاربتهم أشد التحذير، ويخبروننا أنهم على ضلال، وتحريف كتاب الله وسنن رسوله ﷺ ...الخ" [2]

یعنی: ''ہم نے صفِ اول کے فضلاء وفقہاء کو اہلِ بدعت اور اہل الرأی پر بڑی شد ومد سے عیب لگاتے دیکھا ہے، وہ ہمیں ان سے ملنے جلنے، ان کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے قریب تک جانے سے سختی سے روکا کرتے تھے اور ہمیں بتایا کرتے تھے کہ یہ گمراہ لوگ ہیں اور کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ ﷺ میں تحریف جیسے فعلِ شنیع کے مرتکب ہوتے ہیں...... الخ''

قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"إن لله ملا ئكة يطلبون حلق الذكر، فانظر مع من يكون مجلسك، لا يكون

[1] مسائل امام احمد ص ۳۵۵

[2] الابانۃ ۲/۵۳۲

مع صاحب بدعة. فإن الله تعالىٰ لاينظر إليهم. وعلامة النفاق أن يقوم الرجل ويقعد مع صاحب بدعة. وأدركت خيار الناس كلهم أصحاب سنة وهم ينهون عن أصحاب البدعة"[1]

یعنی: ''اللہ تعالیٰ کے فرشتے مجالسِ علم تلاش کرتے رہتے ہیں؛ لہٰذا تم اچھی طرح دیکھا کرو کہ تمہاری مجلس کس کے ساتھ ہے، کسی بدعتی کے ساتھ نہ ہو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ بدعتیوں کی طرف نہیں دیکھتا، اہلِ بدعت کے ساتھ بیٹھنا نفاق کی علامت ہے، میں نے بڑے بڑے محدثین کو پایا ہے وہ سب کے سب اہلِ بدعت کے ساتھ مجالست ومخالطت سے روکا کرتے تھے۔''

قاضی فضیل بن عیاض کا اہلِ بدعت سے نفرت کے تعلق سے بہت سخت موقف تھا، اس حوالے سے ان کی طرف سے بڑے نفیس اقوال منقول ہیں:

فرماتے ہیں: ''اہلِ بدعت کے ساتھ بیٹھنے والا سنت سے خالی ہوتا ہے''

نیز فرماتے ہیں: ''اہلِ بدعت کے ساتھ مت بیٹھو، مبادا تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت نہ برس پڑے''

نیز فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ، بدعتی سے محبت کرنے والے کے عمل برباد کر دیتا ہے اور اسلام کا نور اس کے دل سے نکال دیتا ہے''

نیز فرماتے ہیں: ''مجھے یہودی اور نصرانی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پسند ہے بدعتی کے ساتھ نہیں، اور میری یہ خواہش ہے کہ میرے اور بدعتی شخص کے درمیان لوہے کا ایک مضبوط قلعہ

[1] حلية الأولياء: ۸/۱۰۴

حائل ہو''[1]

اس کے علاوہ بہت سے محدثین مثلاً: امام احمد بن حنبل، امام اسماعیل بن یحیٰ المزنی، امام ابوزرعہ الرازی، اور امام ابوحاتم الرازی وغیرہ سے بھی، اہلِ بدعت کے ترک کے حوالے سے علماء ومحدثین کے اجماع کا قول منقول ہے۔ آخر الذکر دونوں محدثین تو فرماتے ہیں: کہ اس مسئلہ پر ہم نے حجاز، عراق، شام اور یمن کے تمام علماء کو متفق پایا ہے۔ تفصیل کیلئے "الإبانة لابن بطة"، "الشريعة للآجري" اور "شرح السنة للبربهاري" ملاحظہ ہو۔

امام ابن بطة رحمہ اللہ نے بہت عمدہ اور مفصل کلام فرمایا ہے، ان کے کلام کے کچھ حصے انتہائی اختصار کے ساتھ ذکر کرتا ہوں:

فرماتے ہیں: ''اپنے دین کے بارے میں کسی بدعتی سے مشورہ نہ کیا کرو، نہ ہی اس کے ساتھ سفر کرو، اور نہ ہی اس کا پڑوس اختیار کرو۔''

مزید فرماتے ہیں: ''سنت یہی ہے کہ اہلِ بدعت سے پہلوتہی برتی جائے بلکہ جو اہلِ بدعت سے دوستی رکھتا ہو یا ان کی مدد کرتا ہو یا ان کا دفاع کرتا ہو خواہ وہ بظاہر سنت پر قائم دکھائی دیتا ہو، اسے بھی یکسر چھوڑ دیا جائے''

علماء کے ان اقوال کا مستند رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے، جو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، ارشاد فرمایا:

"الارواح جنود مجندة فما تعارف منها إئتلف وماتنا كر منها إختلف"[2]

[1] الإبانة: ۲/۴۶۰ شرح السنة للبربهاری ص: ۱۳۸...۱۳۹

[2] صحیح بخاری: ۳۳۳۶ صحیح مسلم: ۲۶۳۸

یعنی: ''روحیں بیرکوں میں بند لشکروں کی طرح ہیں، جو وہاں متعارف ہوگئیں ان میں دنیا میں آکر الفت پیدا ہو جاتی ہیں اور جو متنا کر ہوگئیں ان میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''انسان جس کے ساتھ چلتا پھرتا اور بیٹھتا ہے، اسی جیسا ہو جاتا ہے اور اسی کی محبت اپنا لیتا ہے''

ابودرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''آدمی کا کسی کے ساتھ چلنا، کسی کے پاس جانا، کسی کے پاس سے آنا اور کسی کی صحبت میں بیٹھنا اس کی سمجھ کو ظاہر کرتا ہے''

امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے: ''کسی شخص کا بدعتی کو سلام کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے''[1]

امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا: میرے گھر کا کوئی فرد کسی بدعتی سے ملتا جلتا ہو تو کیا میں اس سے بات کرنا چھوڑ دوں؟ فرمایا: نہیں، اسے بتاؤ کہ جس سے تم ملتے ہو وہ بدعتی ہے، اس کے باوجود اگر وہ اس سے ملے تو اسے اسی کے ساتھ ملا دو (یعنی وہ بدعتی ہے) ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: کہ ''انسان اپنے دوست جیسا ہی ہے''

امام احمد بن حنبل اور عمرو بن قیس الملائی دونوں کا قول ہے: ''کسی نوجوان کا آغاز اگر اہل السنۃ کے ساتھ ہو تو اس کی استقامت کے تعلق سے اچھی امید رکھو اور اگر اہلِ بدعت کے ساتھ ہو تو اس سے مایوس ہو جاؤ کیونکہ نوجوان پہلے تعلق پر ہی استوار پاتا ہے'' اسی سے ملتا جلتا قول عظیم محدث ایوب السختیانی رحمہ اللہ کا ہے: ''ایک نوجوان کی سب سے بڑی

[1] طبقات الحنابلة: ۱/۱۹۶

سعادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کسی عالمِ اہل السنۃ کی صحبت عطا فرما دے''

بہت سے علماءِ متأخرین مثلاً: امام ابن ابی زمنین، ابومنصور معمر بن احمد، ابوعثمان الصابونی، قاضی ابویعلیٰ، ابن عبدالبر، ابومظفر السمعانی، امام بغوی، ابن قدامۃ، ابوالعباس القرطبی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، امام ابن قیم اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ نے بھی علماءِ اہل السنۃ کا اہلِ بدعت کے ترک پر اجماع نقل کیا ہے۔ امام بغوی نے تو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے صحابہ کرام کو ان سے بات تک کرنے سے منع فرما دیا تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرنے کی خبر دی تو بات کرنے کی اجازت دی۔

ابومظفر السمعانی کی تحریر سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ سلف صالحین اہلِ بدعت کو دیکھنے کے بھی روادار نہیں تھے۔

حضرات! ہمارے اس موضوع کے تعلق سے علماءِ کرام کے مزید اقوال بیان ہو سکتے ہیں لیکن یہ مختصر خطبہ مزید بیان کا متحمل نہیں ہے، میں اس موقعہ پر شیخ خالد بن ضحوی الظفیری حفظہ اللہ کا ذکرِ خیر ضرور کرنا چاہوں گا جنہوں نے "اجماع العلماء على الهجر والتحذير من أهل الأهواء" نامی کتاب لکھی اور حقیقۃً اس موضوع کا حق ادا کر دیا، اگر فراغت میسر آئی تو مکمل کتاب کا ترجمہ پیش خدمت کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

آخر میں آپ تمام احباب سے اس عظیم منہج پر قائم رہنے کی درخواست کروں گا، مکمل اخلاص اور پوری وفاداری کے ساتھ۔ یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ اہلِ بدعت کے ساتھ تعلق دعوت کے علاوہ کسی تعلق یا محبت کا کوئی جواز نہیں ہے، ان کے وسائل، ان کا پیسہ، ان کی

عددی نفری، ان کی اصطلاحات، ان کے اصول وقواعد یا ان کی کسی قسم کی ہمدردی میں کوئی خیر و برکت نہیں ہے، نہ ہی اقامتِ دین جیسے مبارک مشن کیلئے ان کا کوئی احتیاج ہے:

[يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ][1]

علمِ نافع اور عملِ صالح جیسے مبارک قواعد پر توجہ مرکوز رکھیئے، علماءِ کرام جو توحید وسنت کے زیور سے آراستہ ہوں، سے رابطہ استوار کیجئے اور قائم رکھیئے اور وہ اجتماعی پلیٹ فارم جو شیخ العرب والعجم رحمہ اللہ نے ہمیں عنایت فرمایا اس پر قائم رہتے ہوئے دعوت وجہاد کے مشن کو آگے بڑھایئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آله وصحبه وأهل طاعته اجمعين

OOOOOOOOOOO

[1] المائدة:۵۴

صدارتی خطبہ

(2009ء)

موضوع:

زندگی بسر کرنے کے سنہری شرعی اصول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ان الحمد لله نحمده ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلاهادي له، وأشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله.

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾

(آل عمران:۱۰۲)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾ (النساء: ۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾

(الاحزاب:۷۰،۷۱)

أما بعد:

فان أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدى هدى محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة فى النار.

شرکاء کانفرنس کی حوصلہ افزائی

محترم بزرگو! دوستو! اور نوجوان عزیز ساتھیو اور بھائیو!

بفضل اللہ وتوفیقہ، آج خطبۂ جمعۃ المبارک سے ہماری اس عظیم الشان کانفرنس کا آغاز ہو چکا ہے، آپ حضرات کا اس کثیر تعداد میں تشریف لانا ہماری حوصلہ افزائی کا باعث بنا ہے، جب کہ آپ کا یہ شوق وذوق ایک انتہائی شاندار اور تابناک دعوتی مستقبل کا غماز ہے۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے کہ یہاں ہم اکٹھے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر! اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء کیلئے! دوسرے کسی مقصد کیلئے نہیں، یہ وہ ارفع واعلیٰ مقصد ہے جس کی خاطر محض مل لینا اور ملاقات ہی کر لینا بہت بڑی سعادت ہے؛ کیونکہ ایک حدیثِ قدسی میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وجبت محبتي للمتزاورين في"[1]

میری محبت ان بندوں کیلئے واجب ہوجاتی ہے۔ جو میرے لئے ملتے ہیں، ملاقات کرتے ہیں، ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں، صرف میرے لئے اور کوئی مقصد نہیں ہوتا تو اس مقصد کیلئے خالی مل ہی لینا اور اپنے بھائی کے چہرے کو دیکھ ہی لینا بہت بڑی سعادت ہے اور اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے ایسے بندوں کیلئے میری محبت واجب ہوجاتی ہے۔ یہ دینِ اسلام کی ساحت ہے اور یہ دینِ اسلام کی وہ بہار ہے جو ہمیں ایسے موقعوں پر حاصل ہوتی رہتی ہے اس کو اللہ رب العزت کی توفیق قرار دینا چاہئے اور اپنے لئے بہت بڑی سعادت سمجھنا چاہئے۔

انسانی زندگی کی دو حیثیتیں

عزیز ساتھیو! یہ جو انسان کی زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ ہے اس کی دو حیثیتیں ہیں ایک ہے انفرادی زندگی اور دوسری اجتماعی زندگی۔

انفرادی زندگی یہ ہے کہ ایک شخص یا ایک نوجوان جماعت سے لاتعلقی اختیار کر کے الگ تھلگ ہوجائے اور الگ کام کرنے کو ترجیح دے، یہ زندگی پسندیدہ زندگی نہیں ہے؛

[1] مؤطا امام مالک، رقم الحدیث: ۳۵۰۷، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث: ۵۴۹۵

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے "ید الله علی الجماعة" "اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے" فرما کر اجتماعی حیثیت کو بابرکت قرار دیا ہے، جو انفرادی زندگی کی بھرپور نفی اور مذمت کو متضمن ہے، پھر ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے انفرادی زندگی بسر کرنے والے کو اس بکری سے تشبیہ دی ہے جو اپنے ریوڑ سے الگ ہوجائے، ایسی بکری جلد ہی کسی بھیڑیئے کی درندگی کا شکار ہوکر اپنی زندگی سے ہاتھ دھوبیٹھتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اور اس میں استعمال ہونے والی انتہائی جامع مثال اس نوجوان کیلئے انتہائی غور طلب ہے، جو کسی بھی وجہ سے انفرادی زندگی بسر کررہا ہے، اس کا یہ انفرادی عمل خواہ دین اور اس کی دعوت کے سلسلے ہی میں کیوں نہ ہو، بہت سے خطرات ونقصانات کا باعث ہوسکتا ہے، ایک تو بمطابق حدیث مذکورہ بھیڑیئے کی طرح جو تنہا بکری پر بآسانی دست درازی پر کامیاب ہوسکتا ہے، یہ شخص شیطان کے حملوں اور نشانوں کا بآسانی شکار ہوسکتا ہے۔

تنہا زندگی بسر کرنے والے کی ہر سوچ اور پھر ہر عمل اور ہر جدوجہد پر اس کی تنہا زندگی کا پورا پورا رنگ اور اثر ہوگا، جو کبھی درست ہوگا اور کبھی انتہائی غلط، لیکن وہ اپنی ہر سوچ اور جدوجہد کو صحیح قرار دیتا رہے گا، خواہ وہ حقیقت میں غلط ہی کیوں نہ ہو، اللہ رب العزت کے درج ذیل فرمان میں بہت سے افراد پر رد کے ساتھ ساتھ اس فرد پر بھی رد موجود ہے:

[قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾][1]

اس آیتِ کریمہ میں واضح طور پر اس شخص کو سب سے بڑے خسارے میں مبتلا بیان

[1] الکہف: ۱۰۳-۱۰۴

کیا گیا ہے جو یہ سمجھ کر عمل کرتا ہے کہ میں بالکل ٹھیک کررہا ہوں۔

اجتماعی زندگی میں اس قسم کے خطرات لاحق نہیں ہوتے، یہاں تو رسول اللہ ﷺ کے فرمان: " الدین النصیحة " کے مطابق، خیرخواہی کا عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایک مؤمن کو دوسرے مؤمن کا آئینہ قرار دیا ہے، اس حدیث میں بھی اجتماعی عمل کی فضیلت واہمیت کا اظہار ہوتا ہے، بھلا انفرادی زندگی میں اس شخص کو آئینہ کون دکھا سکتا ہے، یہ تو اجتماعی زندگی ہی میں ممکن ہے۔

انفرادی زندگی بسر کرنے والا اپنی ہر رائے، ہر کوشش اور ہر جدوجہد سے مطمئن بلکہ راضی ہوتا ہے، اور دوسروں کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، جبکہ یہ خطرناک روش، علاماتِ قیامت میں سے ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں قیامت کی بہت سی علامات کے ضمن میں ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی:

"وإعجاب كل ذی رأی برأيه"[1]

یعنی: قربِ قیامت ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرے گا اور اسی پر قائم رہنے کی کوشش میں لگا رہے گا۔

یہ ناپسندیدہ روش وہی شخص اپنا سکتا ہے، جس کی زندگی پر جماعتی رنگ نہ ہو، بلکہ وہ اپنے اعمال وجہود صرف کرنے میں اکیلے پن کا شکار ہوچکا ہو؛ کیونکہ اجتماعی زندگی تو باہمی محبت اور تمام امور میں مشاورت پر قائم ہوتی ہے، پیش آمدہ مسائل میں علماءِ کرام سے رجوع کا ہر وقت امکان موجود رہتا ہے اور نتیجۃً اصلاح وسداد کی سعادت ہمہ وقت میسر رہتی ہے:

[1] ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۳۴۳، ترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۳۵

قولہ تعالیٰ:[فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۴۳﴾][1]

’’پس اہل ذکر (قرآن وحدیث کا علم رکھنے والوں) سے سوال کرو، اگر تمہارے پاس علم نہیں‘‘، میں اللہ تعالیٰ کا اُمر بہت سی حکمتوں اور بھلائیوں کو ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ جبکہ اس اُرفع مقصد کے حصول کیلئے اھل الذکر کا انتخاب بھی انتہائی قیمتی مصالح پر مشتمل ہے، علماءِ کرام کی طرف چند قدم چل کر جانا ہی موجبِ سعادت ہے اور وہ سفر خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، جنت کا سفر قرار پاتا ہے؛ لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام : ”من سلك طريقا يلتمس فيه علما سلك الله له به طريقا إلى الجنة“[2]

یعنی: ’’جو شخص حصولِ علم کی راہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہ پر چلا رہا ہوتا ہے‘‘

حضرات! یہ حدیث جہاں طلبِ علم کی فضیلت پر مشتمل ہے وہاں اجتماعی طریق کی اہمیت پر بھی بڑی واضح دلالت پیش کررہی ہے؛ کیونکہ طلبِ علم کا سب سے محکم طریق علماء کرام کے ساتھ اجتماع واختلاط ہے، محض کتب بینی سے علم حاصل نہیں ہوتا، جن لوگوں نے حصولِ علم کیلئے اپنی انفرادی زندگی سے مجبور ہوکر صرف کتابوں پر ارتکاز کیا وہ ہمیشہ تاریک ترین گمراہیوں کی دلدل میں دھنستے چلے گئے، اپنی مرضی کا فہم حاصل کرکے (جس میں غلطی اور صحت دونوں امکان موجود رہتا ہے)اکثر خود بھی گمراہی مول لے لی اور بہت سوں کی گمراہی کا بھی سامان پیدا کردیا، والله المستعان وإليه المشتكى.

اس حدیث میں طلبِ علم کی جس راہ پر چلنے کا ذکر ہے، اس سے مراد ”المشي بالأقدام“ یعنی قدموں سے چل کر علماء کے پاس جانا ہوسکتا ہے، یہ چلنا انتہائی بابرکت

[1] النحل:۴۳

[2] ترمذی، الرقم:۲۸۵۸

ہے، نبی ﷺ کی ایک حدیث سے یہ فضیلت بھی حاصل ہوتی ہے کہ جو اللہ کی راہ میں چل کر کہیں جائے اور اس کے قدم غبار آلود ہوجائیں تو ان قدموں کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی۔

اُمیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنے عموم پر رکھتے ہوئے اسے کتاب الجمعۃ میں ذکر فرمایا ہے اور اس ثواب کو جمعہ کے خطبہ اور نماز کی ادائیگی کیلئے چل کر جانے پر منطبق کیا ہے۔

حضرات سامعین! مذکورہ حدیث میں طلبِ علم کیلئے کسی راہ پر چلنے کا ایک دوسرا معنیٰ بھی مراد لیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس منہج کو اختیار کرنا جو حصولِ علم کیلئے شریعت نے پیش کیا اور جس پر ہمارے سلف صالحین، ائمۂ اُمت اور محدثینِ کرام چلتے رہے اور اس منہج کے بنیادی اصولوں میں اجتماعیت ایک ٹھوس حقیقت کے طور پر سامنے آتی ہے۔

اجتماعی زندگی کے فوائد

اجتماعی زندگی کے دیگر بہت سے فوائد ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ملاقاتیں اور زیارتیں کرنا۔ ایک حدیثِ قدسی کے مطابق ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت واجب ہوجاتی ہے، رسول اللہ ﷺ کا بیان کردہ وہ واقعہ کسے یاد نہیں ہوگا، جس میں ایک شخص کے کہیں چل کر جانے کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو انسانی شکل میں کھڑا کردیا، اس فرشتے نے اس سے پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ جواب دیا کہ سامنے بستی میں اپنے ایک بھائی سے اللہ کی رضا کیلئے ملنے جارہا ہوں، تو اس فرشتے نے اسے اللہ تعالیٰ کی رضا ومحبت اور داخلۂ جنت کی خوشخبری دی۔

اجتماعی زندگی کا ایک اور فائدہ مساجد کی طرف نماز باجماعت اور جمعہ کی ادائیگی کیلئے جانا ہے،جس کے بہت سے ثمرات ہیں،ایک ثمرہ یہ ہے کہ جماعت سے ادا کی گئی ایک نماز ستائیس گنا بڑھ جاتی ہے۔احادیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ چالیس نمازیں متواتر باجماعت ادا کرنے والا نفاق کی تہمت سے بری ہوجاتا ہے،جبکہ مسلسل تین جمعے چھوڑنے والے شخص پر نفاق کی مہر ثبت کردی جاتی ہے۔

ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جولوگ جماعتی زندگی سے کٹ کر انفرادی منہج کو اپنا لیتے ہیں وہ مساجد سے بھی دور ہوجاتے ہیں اور نتیجۃً ان تمام فوائد وثمرات سے محروم ہوجاتے ہیں۔

ایک بیمار بھائی کی بیمار پرسی بھی اجتماعی زندگی کا رنگ ہے،حدیث میں آتا ہے کہ بیمار پرسی کیلئے جانے والا درحقیقت جنت کے باغیچوں میں چل رہا ہوتا ہے،فرشتے اس کے قدم گنتے ہیں اور ہر قدم پر دعائیں دیتے ہیں۔

کسی بھائی کے فوت ہونے پر اس کے جنازے میں شرکت کا اجر ایک قیراط ہے،جبکہ تدفین میں شریک ہونے پر دوسرا قیراط حاصل ہوجاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق سب سے چھوٹا قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے،اس فضیلت کا حصول بھی اجتماعی زندگی کا رہینِ منت ہے۔ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

انہی فضائل وثمرات ونتائج کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ کے فرمان:

"يدالله على الجماعة"[1]

"اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے" کی حقیقت مزید آشکارا ہوتی ہے،جماعت پر اللہ تعالیٰ کا

[1] مرعاة المفاتيح ۱/۲۸۰

ہاتھ ہوتا ہے،جو اللہ رب العزت کی نصرت،تائید اور فضل ورحمت کے حصول کی بڑی واضح علامت ہے،اور جسے اللہ رب العزت کی نصرت وتائید حاصل ہوجائے وہ کبھی نامراد یا ناکام نہیں ہوسکتا۔اور ناکامی ونامرادی تو اس شخص کا مقدر ہے جو اللہ رب العزت کی نصرت وتائید سے محروم ہوجائے،اور کیونکہ یہ نصرت اور تائید جماعت کیلئے ہے لہذا انفرادیت کا شکار شخص اس سے یکسر محروم ہے،یا نہ صرف یہ کہ محروم ہے بلکہ اس سے بہت زیادہ محاذیر ومنہیات کا ارتکاب شروع ہوجاتا ہے،مثلاً: غیبت، بدگمانی، چغلی، تجسس وتحسس، حسد، بغض، تحقیر، تکفیر اور تفریق بین الناس وغیرہ،اور یہ سب وہ امورِ محرمہ ہیں جنہیں کبائر میں شمار کیا گیا ہے،اور یہ بات معلوم ہے کہ کبائر کا مرتکب اگر توبہ کرکے اپنے معاملات کو صاف نہ کرلے تو وہ دنیا میں مستحقِ لعنت اور آخرت میں مستحقِ عذابِ الیم قرار پاتا ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ مذکورہ تمام گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے بھی ہے،جن میں ملوث انسان کی گردن اسی صورت آزاد ہوگی،جب متعلقہ حقدار شخص معاف کرکے راضی ہوجائے،اور اس کے راضی ہونے کی اولین صورت یہ ہے کہ حق تلفی کرنے والے شخص کی نیکیاں حقدار کو دے دی جائیں اور حق دار کے گناہ حق تلفی کرنے والے کے سر تھوپ دیئے جائیں۔

چند خطرناک گناہ اور ان پر وارد وعید

ان گناہوں کی وعید کے تعلق سے کچھ احادیث ملاحظہ فرمائیں:

عن ابی هريرة رضی الله عنه أنه سمع النبی ﷺ يقول :ان العبد ليتكلم بالكلمة مايتبين فيها يزل بها الى النار أبعد مما بين المشرق والمغرب.[1]

[1] بخاری، الرقم:۶۴۷۷، مسلم، الرقم:۲۹۸۸

ترجمہ: جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک بندہ بسا اوقات بلا سوچے سمجھے کوئی ایک بات ایسی کہہ دیتا ہے کہ اس کے سبب سے مشرق ومغرب کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ دور جہنم میں گر جاتا ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ان العبد لیتکلم بالکلمۃ من رضوان اللہ تعالیٰ مایلقی لھا بالا یرفعہ بھا درجات ،وإن العبد لیتکلم بالکلمۃ من سخط اللہ تعالیٰ لایلقی لھا بالا یھوی بھا فی جھنم .[1]

ترجمہ: جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ایک بول بے خیالی میں بول جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے درجات بلند فرما دیتا ہے اور ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی ایک بول بے خیالی میں بول جاتا ہے کہ وہ اس کی وجہ سے جہنم میں گر جاتا ہے۔

وعن سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال: قلت :یارسول اللہ،حدثنی بأمر أعتصم بہ قال: قل ربی اللہ ثم استقم .قلت :یارسول اللہ،ما أخوف ما تخاف علی؟فأخذ بلسان نفسہ،ثم قال:ھذا .[2]

ترجمہ: جناب سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا حکم ارشاد فرمائیں کہ میں اسے مضبوطی سے تھام لوں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہو! میرا رب اللہ ہے، پھر اس (عقیدہ) پر ڈٹ جاؤ، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ میرے متعلق سب سے زیادہ کس چیز سے ڈرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے

[1] رواہ البخاری، الرقم:۶۴۷۸

[2] رواہ الترمذی، الرقم:۲۴۱۰

اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: اس سے۔

وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ :لاتکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ ،فإن کثرۃ الکلام بغیر ذکر اللہ تعالیٰ قسوۃ للقلب وإن أبعد الناس من اللہ القلب القاسی.[1]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا زیادہ کلام نہ کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا زیادہ گفتگو کرنا دل کی سختی کی علامت ہے، اور یقیناً اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہوتا ہے جس کا دل سخت ہوتا ہے۔

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: أتدرون ما الغیبۃ؟ قالوا: اللہ ورسولہ أعلم .قال :ذکرك أخاك بما یکرہ ،قیل: افرأیت إن کان فی أخی ما أقول ؟قال إن کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ، وإن لم یکن فیہ ما تقول فقد بھتہ.[2]

ترجمہ: جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا: تمہارا اپنے بھائی کا ایسی چیز کے ساتھ ذکر کرنا جسے وہ ناپسند قرار دیتا ہے، غیبت ہے۔ کسی نے کہا: اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو؟ فرمایا جو عیب تم بیان کر رہے ہو اگر وہ اس کے اندر موجود ہے تو تم نے اس کی غیبت کی، اور اگر موجود نہیں تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔

وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت :قلت للنبی ﷺ حسبك من صفیۃ کذا وکذا .قال بعض الرواۃ :تعنی قصیرۃ ،قال ،لقد قلت کلمۃ لو مزجت بماء البحر

[1] رواہ الترمذی، الرقم:۲۴۱۱

[2] مسلم، الرقم:۲۵۸۹

لمزجته قالت وحکیت له إنسانا .فقال :ما أحب أنی حکیت إنسانا وإن لی کذا وکذا . [1]

ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے صفیہ (رضی اللہ عنہا) کے متعلق کہا: ''صفیہ تو چھوٹے قد کی ہے'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ! تو نے ایسی (گندی) بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ڈال دیا جائے تو سارے سمندر کو خراب کردے، عائشہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے آپ ﷺ کے سامنے کسی شخص کی نقل اتاری تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں کسی انسان کی نقل اتارنا پسند نہیں کرتا اگر چہ مجھے اس کے بدلے میں بہت کچھ (مال وزر) دے دیا جائے۔

وعن أنس رضی الله عنه قال :قال رسول الله ﷺ : لما عرج بی مررت بقوم لهم أظفار من نحاس یخمشون وجوههم وصدورهم .فقلت :من هؤلاء یاجبریل؟ قال :هؤلاء الذین یأکلون لحوم الناس ،ویقعون فی أعراضهم .[2]

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مجھے معراج ہوئی اس موقع پر میرا گذر ایک قوم کے پاس سے ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے اور وہ اپنے ان ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور (غیبت کرکے) ان کی عزتوں سے کھیلتے تھے۔

وعن أبی الدرداء رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال :من رد عن عرض أخیه

[1] رواہ ابوداؤد والترمذی

[2] رواہ ابوداؤد، الرقم: ۴۸۸۰

رد الله عن وجهه النار یوم القیامة . [1]

ترجمہ: ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اپنے کسی بھائی کی عزت کا دفاع کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے جہنم کی آگ دور کریگا۔

وعن ابن عباس رضی الله عنه قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ ﷺ بِحَائِطٍ مِنْ حِیْطَانِ الْمَدِیْنَةِ فَسَمِعَ صَوْتَ اِنْسَانَیْنِ یُعَذَّبَانِ فِیْ قُبُوْرِهِمَا فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: یُعَذَّبَانِ، وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ ، ثُمَّ قَالَ :بَلٰی اَوَفِیْ رَوَایَةٍ: وَاِنَّهٗ لَکَبِیْرٌ ؛ کَانَ أَحَدُ هُمَا لَایَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ وَکَانَ الْآخَرُ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَةِ [2]

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے باغات میں سے ایک باغ کے پاس سے گزرے آپ ﷺ نے دوانسانوں کی آواز سنی جنہیں ان کی قبروں میں عذاب دیا جارہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے اور کسی بڑے گناہ پر عذاب نہیں دیا جارہا، پھر فرمایا: کیوں نہیں، وہ گناہ فی الحقیقت کبیرہ ہی ہیں، ان میں سے ایک شخص اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا، جبکہ دوسرا چغلخور تھا۔

وعن ابن مسعود رضی الله عنه أن النبی ﷺ قال: ألا أنبئکم ما العضه؟ هی النمیمة : القالة بین الناس. [3]

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ''العضہ'' کے متعلق نہ بتاؤں؟ وہ نمیمہ (چغلی) ہے یعنی لوگوں کی باتیں ایک دوسرے تک

[1] رواہ الترمذی وقال حدیث حسن، الرقم: ۱۹۳۱

[2] صحیح بخاری، الرقم: ۲۱۶

[3] رواہ مسلم، الرقم: ۲۶۰۶

پہنچانا۔

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: إن الصدق یهدی إلی البر، وإن البر یهدی إلی الجنة، وإن الرجل لیصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا. وإن الکذب یهدی إلی الفجور، وإن الفجور یهدی إلی النار، وإن الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا۔[1]

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچائی نیکی کا راستہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، آدمی ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق (بہت بڑا سچا) لکھ دیا جاتا ہے اور بے شک جھوٹ گناہ کا راستہ دکھاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے، آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب (بہت بڑا جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔

وعن ابی هریرة رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ قال: کفی بالمرء کذبا أن یحدث بکل ما سمع.[2]

ترجمہ: جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر وہ بات بیان کردے جو وہ سنے۔

وعن ابی زید بن ثابت بن الضحاك الأنصاری رضی اللہ عنہ، وهو من أهل بیعة الرضوان، قال: قال رسول اللہ ﷺ: من حلف علی یمین بملة غیر الإسلام کاذبا متعمدا فهو کما قال، ومن قتل نفسه بشئ عذب به یوم القیامة، ولیس

[1] بخاری، الرقم: ۶۰۹۴/مسلم، الرقم: ۲۶۰۷

[2] رواہ مسلم، الرقم: ۹۹۶

علی رجل نذر فیما لا یملکه، ولعن المؤمن کقتله.[1]

ترجمہ: ابوزید بن ضحاک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ملتِ کفر کی جھوٹی قسم جان بوجھ کر کھائی تو وہ ویسا ہی ہے، اور جس نے کسی آلے کے ساتھ خودکشی کی اسے اسی آلے کے ساتھ قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا، جو چیز آدمی کی ملکیت میں نہ ہو اس کی نذر پوری کرنا ضروری نہیں ہے، مؤمن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے جیسا ہے۔

وعن ابی هریرة رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: لا ینبغی لصدیق أن یکون لعانا.[2]

ترجمہ: جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صدیق (بہت بڑے سچے) کو یہ بات لائق نہیں ہے کہ وہ لعان (بہت زیادہ لعنت کرنے والا) ہو۔

عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ قال:: قال رسول اللہ ﷺ: لا یکون اللعانون شفعاء ولا شهداء یوم القیامة.[3]

ترجمہ: ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کثرت سے لعنت کرنے والے لوگ قیامت کے دن نہ تو سفارشی بنیں گے اور نہ ہی گواہ۔

وعن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا تلاعنوا

[1] رواہ مسلم، الرقم: ۳۱۵

[2] رواہ مسلم، الرقم: ۲۵۹۷

[3] رواہ مسلم، الرقم: ۲۵۹۸

بلعنة الله، ولا بغضبه، ولا بالنار.[1]

ترجمہ: سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی لعنت، اس کے غضب اور جہنم کی آگ کے ساتھ کسی پر لعنت نہ کرو۔

وعن ابن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ليس المؤمن بالطعان، ولا اللعان، ولا الفاحش، ولا البذي.[2]

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن طعنہ زنی کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ ہی لعنت کرنے والا ہوتا ہے اور نہ ہی فحش گوئی کرنے والا ہوتا ہے۔

وعن ابن الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إن العبد إذا لعن شيئا صعدت إلى السماء، فتغلق أبواب السماء دونها، ثم تهبط إلى الأرض فتغلق أبوابها، ثم تأخذ يمينا وشمالا، فإذا لم تجد مساغا رجعت إلى الذي لعن، فإن كان أهلا لذلك، وإلا رجعت إلى قائلها.[3]

ترجمہ: ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے پس آگے سے آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، پھر وہ لعنت زمین کی طرف پلٹتی ہے تو آگے سے زمین کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں، پھر وہ دائیں بائیں پھرتی ہے جب کوئی راستہ نہیں پاتی تو جس پر لعنت کی گئی ہے اس کی طرف پلٹتی ہے، پس اگر وہ اس کا اہل ہوتا ہے تو ٹھیک

[1] رواہ أبوداؤد، الرقم: ٤٩٠٨ والترمذی وقال: حدیث حسن صحیح، الرقم: ٢١٠٦
[2] رواہ الترمذی وقال: حدیث حسن، الرقم: ١٩٧٧
[3] رواہ ابوداؤد، الرقم: ٤٩٠٧

وگرنہ لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

وعن ابن مسعود رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: سباب المؤمن فسوق، وقتاله كفر.[1]

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

وعن ابي ذر رضي الله عنه أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: لا يرمي رجل رجلا بالفسق أو الكفر، إلا ارتدت عليه، إن لم يكن صاحبه كذلك.[2]

ترجمہ: ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: نہیں کوئی شخص کسی پر کفر یا فسق کا الزام لگاتا مگر وہ الزام اسی پر واپس پلٹ آتا ہے اگر وہ (جس پر الزام لگایا گیا ہے) اس کا مستحق نہیں ہے۔

وعن أنس رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: لا تباغضوا، ولا تحاسدوا، ولا تدابروا، ولا تقاطعوا، وكونوا عباد الله إخوانا، ولا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث.[3]

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو، اور نہ حسد کرو، اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو، اور نہ ایک دوسرے سے قطع تعلقی کرو، اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔ کسی مسلمان کیلئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے۔

[1] بخاری، الرقم: ٦٠٤٤/مسلم، الرقم: ٦٤
[2] رواہ البخاری، الرقم: ٦٠٤٥
[3] بخاری، الرقم: ٦١١٥/مسلم، الرقم: ٢٥٥٨

وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ :قال تفتح أبواب الجنة يوم الإثنين ويوم الخميس، فيغفر لكل عبد لايشرك بالله شيئا، إلا رجلا كانت بينه وبين أخيه شحناء، فيقال: أنظروا هذين حتى يصطلحا! انظروا هذين حتى يصطلحا!.[۱]

ترجمہ: جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں پس ہر اس بندے کی مغفرت کی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتا، سوائے اس آدمی کے کہ اس کے اور اس کے مسلمان بھائی کے درمیان بغض وعداوت ہو، چنانچہ ان کے متعلق کہا جاتا ہے: ان دونوں کو چھوڑ دو حتی کہ یہ صلح کرلیں، ان دونوں کو چھوڑ دو حتی کہ یہ صلح کرلیں۔

وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ قال: إياكم والحسد فإن الحسد يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب.[۲]

ترجمہ: جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسد سے بچو! کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاجاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھاجاتی ہے۔

وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحاسدوا، ولا تجسسوا، ولا تنافسوا، ولا تحاسدوا، ولا تباغضوا، ولاتدابروا وكونوا عباد الله إخوانا كما أمركم. المسلم أخو المسلم: لايظلمه، ولا يخذله، ولا يحقره، التقوىٰ ههنا ويشير إلى صدره بحسب أمرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم. كل مسلم على المسلم حرام: دمه

[۱] رواہ مسلم، الرقم: ۲۵۶۵

[۲] رواہ ابوداؤد، الرقم: ۴۹۰۵

وعرضه، وماله. إن الله لاينظر إلى أجسادكم، ولا إلى صوركم وأعمالكم، ولكن ينظر إلى قلوبكم.[۱]

ترجمہ: جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، کسی کی ٹوہ میں نہ لگو اور نہ کسی کی جاسوسی کرو، اور کسی کی حق تلفی نہ کرو (یعنی اس کے حق کو اپنے نام نہ کرو) حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے اعراض نہ کرو، اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہوجاؤ، جس طرح کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے بے یار ومددگار چھوڑے اور نہ اسے حقیر جانے ،تقویٰ یہاں ہے ،تقویٰ یہاں ہے، (یہ کہتے ہوئے) آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا، کسی آدمی کے برے ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر خون، عزت اور اس کا مال حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کی طرف نہیں دیکھتا اور نہ ہی تمہاری صورتوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے، بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: لايدخل الجنة من في قلبه مثقال ذرة من كبر! فقال رجل: إن الرجل يحب أن يكون ثوبه حسنا، ونعله حسنة. فقال: إن الله جميل يحب الجمال. الكبر بطر الحق، وغمط الناس.[۲]

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جنت

[۱] رواہ مسلم، الرقم: ۲۵۶۳

[۲] رواہ مسلم، الرقم: ۹۱

میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ کے برابر کبر ہے، ایک آدمی نے کہا: ہر شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کی جوتی اچھی ہو، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے، کبر تو حق کو دھتکار دینے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔

وعن ابي هريرة رضى الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غش فليس منا. [1]

ترجمہ: جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ہم (مسلمانوں) پر اسلحہ اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں، اور جس نے دھوکا دیا وہ بھی ہم میں سے نہیں۔

وعنه أن رسول الله ﷺ قال: لا تناجشوا. [2]

ترجمہ: جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دھوکے اور سازش سے سودے کی قیمت نہ بڑھاؤ۔

وعن ابن عمر رضى الله عنه أن النبي نهى عن النجش. [3]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دھوکے اور سازش سے سودے کی قیمت بڑھانے سے منع فرمادیا۔

وعن ابن مسعود، وابن عمر وأنس رضى الله عنهم قالوا: قال النبي

[1] رواہ مسلم، الرقم: ١٠١

[2] رواہ مسلم، الرقم: ٣٥٢٥

[3] بخاری، الرقم: ٢١٤٢/مسلم، الرقم: ١٥١٦

ﷺ: لكل غادر لواء يوم القيامة. يقال: هذه غدرة فلان. [1]

ترجمہ: ابن مسعود، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر دھوکے باز شخص کیلئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا، اس جھنڈے کے متعلق کہا جائے گا یہ فلاں کا دھوکا ہے۔

وعن أبي ايوب رضى الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال: يلتقيان فيعرض هذا، ويعرض هذا، وخيرهما الذى يبدأ بالسلام. [2]

ترجمہ: ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں حلال کسی مسلمان کیلئے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے، چنانچہ وہ دونوں اس طرح ملیں کہ وہ اس سے اعراض کرے اور وہ اس سے اعراض کرے، اور ان دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام کی ابتداء کرے۔

وعن ابي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث، فمن هجر فوق ثلاث فمات دخل النار. [3]

ترجمہ: جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں حلال کسی مسلمان کیلئے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے، پس جس نے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ دیا اور اسی حالت میں اس کو موت آگئی تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

[1] بخاری، الرقم: ٣١٨٦/مسلم، الرقم: ١٧٣٥

[2] بخاری، الرقم: ٦٠٧٧/مسلم، الرقم: ٢٥٦٠

[3] رواہ ابوداؤد باسناد على شرط البخاری، الرقم: ٤٩١٤

وعن ابی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: لایحل لمؤمن أن يهجر مؤمنا فوق ثلاث، فإن مرت به ثلاث فليلقه وليسلم عليه، فإن رد عليه السلام فقد اشتركا فی الأجر، وإن لم يرد عليه فقد باء بالإثم، وخرج المُسَلِّم من الهجرة. [1]

ترجمہ: جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں حلال کسی مسلمان کیلئے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے، پس اگر اس حالت میں تین دن گذر جائیں تو اسے چاہئے کہ اس سے ملے اور اسے سلام کرے اگر وہ اسے سلام کا جواب دے دے تو دونوں اجر میں شریک ہونگے اور اگر وہ اسے سلام کا جواب نہ دے تو صرف وہی گناہگار ہوگا، اور سلام کرنے والا قطعِ تعلق کے گناہ سے نکل جائے گا۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں اگر قطعِ تعلق اللہ کیلئے ہوتو پھر کوئی حرج وگناہ کی بات نہیں۔

حضراتِ گرامی! مذکورہ بالا تمام احادیثِ مبارکہ کچھ انتہائی خطرناک گناہوں اور ان کی وعیدوں پر مشتمل ہیں، جن سے ان اعمال کی خطورت واضح ہوئی ہے۔ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ یہ تمام امراض ان نوجوانوں میں جلدی پیدا ہوجاتے ہیں جو جماعت سے کٹ کر انفرادی زندگی اپنا لیتے ہیں، کیونکہ ایسے لوگ بہت جلد شیطان کا لقمہ بن جاتے ہیں۔

ایک قابلِ توجہ نکتہ

پھر ایک نکتہ قابلِ توجہ ہے، علیحدگی پسند شخص اگر کوئی نیک عمل بھی کرے گا تو اس کی طرف لوگ اشارے کریں گے، اور اس کے نام کے ساتھ اس عمل کو منسوب کریں گے، جس میں ریاکاری کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ جبکہ اجتماعی زندگی میں ایسا ممکن نہیں، کیونکہ اس میں

[1] رواہ ابوداؤد بإسناد حسن قال ابو داؤد: إذا كانت الهجرة لله تعالى فليس من هذا فی شئ

ہر عمل اور جدوجہد کے پیچھے جماعت کا ہاتھ ہوتا ہے کسی فرد کا نام نمایاں نہیں ہوتا، نتیجۃً اکثر وہ عمل اخلاص پر قائم ہوتا ہے اور ریاکاری سے مبرا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ریاکاری کی بنیاد پر کیا جانے والا عمل برباد ہے، بلکہ وہ عمل کرنے والا سب سے پہلے جہنم کا لقمہ بن جائے گا۔ لہذا جو لوگ کسی بھی وجہ سے علیحدگی، شذوذ اور تطرف کی زندگی بسر کررہے ہیں ان سے گزارش کی جاتی ہے کہ جماعت کا سایہ انتہائی بابرکت اور باسعادت ہوتا ہے، آپ کی ذات جماعت کے اندر جس قدر وحدت، الفت اور محبت پیدا کرنے کا سبب بنے گی اسی قدر اللہ رب العزت کی رضا ورحمت کے خزانے حاصل ہونگے اور جس قدر تفریق وتشتیت کا سبب بنے گی اسی قدر خالقِ کائنات کی ناراضگی حاصل ہوگی، تفریقِ کلمہ سے تو صرف شیطان ہی خوش ہوتا ہے۔

جماعت کی دوقسمیں

حضراتِ گرامی! اجتماعی زندگی دوطرح کی ہے، یایوں کہہ لیجئے کہ جماعت کی دوقسمیں ہیں: ایک جماعتِ کبریٰ جسے جماعة الأمر بھی کہا جاتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ کسی قطعہ ارض پر ایک امیر کے تحت شرعی امارت قائم ہو، حدود اللہ نافذ ہوں، شمعِ جہاد روشن ہو، اقامتِ صلاۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم ہو، اور ان سب سے پیشتر اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے پیغمبر محمد ﷺ کی سنت کی حاکمیت قائم ہو۔

[اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿41﴾][1]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو یہ پوری پابندی سے

[1] الحج: ۴۱

نمازیں قائم کریں اورزکاتیں دیں اوراچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں،اورتمام کاموں کاانجام اللہ کے اختیار میں ہے۔

اس نظامِ امارت کی موجودگی ایک بہت بڑی نعمت ہےاور یہ وہ حقیقی اجتماعیت ہے جس کی بڑی برکات ہیں،ایسے امیر کی بیعت اورسمع واطاعت فرض ہوجاتی ہےاوراگر بیعت نہ کی جائے تو جاہلیت کی موت کی شرعی وعید کا سامنا کرنا پڑے گا،اور جاہلیت تو کفر کا قرین ہے۔

ہمارے علم کے مطابق ان صفات کا حامل امیر یا نظامِ امارت دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے،اور یہ ایک انتہائی افسوس ناک حقیقت ہے،آج اگر کسی مملکت میں قائم نظام ،مذکورہ شرعی نظام کے قریب ہوسکتا ہے تو وہ مملکتِ سعودی عرب ہے،جہاں عقیدہ کا پوری طرح اہتمام موجود ہے ،توحیدوسنت کی حکومت ہے ،شرعی نظامِ عدل قائم ہے ،کسی حد تک حدوداللہ کی تنفیذ ہےاورقضاءوافتاءکانظام علماءِکرام کی ایک انتہائی محترم کمیٹی کے سپرد ہے اور اس کمیٹی کی ہیبت حکام وعوام ہرایک کے دل میں پیوست ہے ،ان کا نظامِ حکومت ،ہمارے ملک میں رائج جمہوریت اوراس کے مفاسد سےیکسر مبرااور پاک ہے۔

چونکہ اس درجہ کی اجتماعیت ہمارے ملک میں مفقود ہے،لہٰذا ان حالات میں جماعتی عمل،جوکسی حدتک اس بڑی اجتماعیت کا رنگ پیش کرتا ہے،بہت ہی مبارک اقدام ہے۔

جمعیت اہلحدیث سندھ کے اسٹیج پر جو جماعتی عمل قائم اور جاری وساری ہے وہ بحمداللہ خالصتاً منہجِ سلفِ صالحین کا عکاس ہے ،یہ صوبۂ سندھ میں دعوتِ حق اور سلفی نظم کی پہلی اذان ہے۔وہ لوگ کسی حوصلہ افزائی کے مستحق نہیں ہوسکتے جواس انتہائی پیارے نظم اور منہج کوتوڑنے کے درپے ہیں اور چارپیسوں کے ذور پر تشتیتِ جماعت جیسی انتہائی مذموم اور

گھٹیا کوششوں میں مصروف ہیں۔ان عناصر کو منہج سلف صالحین سے کوئی غرض نہیں؛کیونکہ آج تک وہ ہمارے منہج پر کوئی اعتراض یا نکیر وارد نہیں کرسکے۔ممکن ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں سے ہمارے منہج کی صداقت وحقانیت کے معترف ہوں،لیکن اس تمام تر اعتراف کے باوجود اگر وہ اپنے مذموم عزائم پر مصر ہیں تو ہم پہلے "إتق اللہ" کہہ کر نصیحت کریں گے،اگر قبول نہیں تو پھر حدیثِ رسول ﷺ "إذا لم تستحي فاصنع ماشئت"[1] سنا کر ان سے اعراض میں اپنی عافیت سمجھیں گے۔

برادرانِ گرامی قدراور بالخصوص نوجوان ساتھیو! آپ ان ہفوات سے یکسر پہلو تہی اختیار کر کے اپنی مثبت ذمہ داریوں پر توجہ دیجئے ،ہمارا منہج اور ہماری سیاست "قولوا لا إله إلا الله" ہے۔

شرف اصحاب الحدیث

جماعت اہلحدیث کو رسول اللہ ﷺ کی جماعت کا تسلسل ہونے کا شرف حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ کی پہلی جماعت صحابہ کرام تھے،جن کے منہج وعمل کو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک بطورِ مثال پیش کیا ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا][2]

اگر یہ لوگ ویسا ایمان لے آئیں جیسا تم (صحابہ کرام)لائے ہو تو ہدایت یافتہ ہوجائیں گے۔

---

[1] بخاری، الرقم:۳۴۸۳

[2] البقرۃ:۱۳۷

فرمانِ نبوی ہے:

"المتمسك فيهن يومئذ بمثل ما انتم عليه له كأجر خمسين منكم"[1]

یعنی: "فتنوں کے ان دنوں میں جو شخص اس منہج وطریقہ پر مضبوطی سے جمار ہے گا جس پر آج تم (صحابہ کرام) ہو تو اس کیلئے پچاس آدمیوں کا اجر ہے"

نیز فرمایا: میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائی گی سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے، پوچھا گیا وہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "هم ما أنا عليه وأصحابي"

یعنی: "جو اس طریقہ پر ہونگے جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں"[2]

جیسے نصوص اس عظیم حقیقت پر شاہدِ عدل ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: جب کسی اہلحدیث کو دیکھتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی صحابی رسول ﷺ کو دیکھ لیا۔

آیئے! ہم ایسا ہی بننے کی کوشش کریں کہ ہمارا عقیدہ، عمل، منہج، خلق اور معیشت ومعاشرت دیکھنے والوں کو اصحابِ رسول ﷺ یاد آجائیں، اور یہ رنگ پوری جماعت پر چھا جائے۔

تمیز سے انحراف

لیکن افسوس ہے، آج بہت سے رہبرانِ جماعت اس حقیقت کو فراموش کر کے جماعت اہلحدیث کی علمی واعتقادی حیثیت پر مسلسل وار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اہلحدیث تو عقیدہ وعمل میں متمیز ہوتے ہیں، اہل شرک وبدعت سے دور اور نفور۔

[1] المعجم الأوسط، الرقم: ٣١٢١

[2] ترمذی، الرقم: ٢٦٤١

لیکن آج محض ضد اور سیاسی مفادات کی خاطر ہماری جماعت کے عملی واعتقادی نہج کو تبدیل کر کے سیاستِ خبیثہ کے نہج پر ڈھالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ آٹھ سال بیت اللہ کے پڑوس میں گزارنے والا شخص پاکستان آکر اپنے مشن کا آغاز علی ہجویری کے مزار المعروف داتا دربار سے کرتا ہے، اور ہم اس سے تعلق استوار کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، اسے اور اس جیسے بہت سوں کو اپنے اسٹیجوں کی زینت بناتے ہیں۔

نبی ﷺ کے فرمان:

"من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الدين"[1]

یعنی: "جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے دین کی عمارت کو ڈھا دینے کی کوشش کی"

کے کیا تقاضے ہیں اس پر عمل کی کیا صورت ہے؟

کیا امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل امام بخاری، امام سفیان ثوری، امام ایوب سختیانی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہم اللہ ایسے تھے؟

دوستو! اور بھائیو! جب بہت سے ہمارے بھائی اس عظیم حقیقت کو سمجھنے اور تسلیم کرنے سے قاصر ہیں تو پھر آپ کی ذمہ داری بہت حد تک بڑھ جاتی ہے۔

سلف صالحین کے منہج کو سمجھیئے علمِ نافع اور عملِ صالح کے اُرفع واَعلیٰ منہج پر پوری استقامت کے ساتھ قائم ہوجایئے، اور اسی دعوت کو لیکر قریہ قریہ، بستی بستی پھیل جایئے، یہ ایک بڑا پروقار اور دھیما عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ اخلاص اور تقویٰ کے مبارک ومسعود منہج پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور

[1] المعجم الاوسط للطبرانی، الرقم: ٦٧٧٢

منہج سلف صالحین کی روشنی میں دعوت و جہاد کے عمل کو برقرار رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وأھل طاعتہ اجمعین

OOOOOOOOOOO

صدارتی خطبہ

(2012ء)

موضوع:

توحید ربانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ان الحمد لله نحمده ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور انفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝

(آل عمران:۱۰۲)

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝ (النساء: ۱)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۝

(الاحزاب:۷۰،۷۱)

أما بعد:

فان أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدى هدى محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار.

ایک بڑی خوشخبری

حضراتِ سامعین! بفضل اللہ تعالیٰ، آج کے خطبۂ جمعہ سے جمعیتِ اہلحدیث سندھ کے زیرِ اہتمام، تیسویں سالانہ کانفرنس کا آغاز ہو چکا ہے، اس کانفرنس کے موقع پر محض اللہ تعالیٰ کی رحمت و توفیق سے ایک بڑی سعادت میسر ہوئی ہے، جسے ایک خوشخبری کے طور پر آپ تک پہنچانا ضروری ہے، تاکہ ہم سب مل کر اس عظیم سعادت کے حصول پر

اللہ تعالیٰ کے حضور شکر و امتنان کے پاکیزہ جذبات کا اظہار کر سکیں۔

علمی دنیا اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ عقیدہ اور بالخصوص توحید باری تعالیٰ کی خدمت، جمعیت اہل حدیث سندھ کی نمایاں خصوصیات میں شامل ہے؛ کیونکہ دعوتِ توحید ہی انبیاء ورسل علیہم السلام کے مشن کا نکتۂ آغاز رہا ہے، لقوله تعالى: [وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ][1] وقوله تعالى: [وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۝][2]

جس سعادت کے حصول کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ ہمارے شیخ، مربی، شیخ العرب والعجم علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی عظیم کتاب (توحید ربانی) جو سندھی زبان میں لکھی گئی اور شائع ہوئی، کو اردو ترجمہ کے ساتھ طبع کروا کے اس کانفرنس کے موقع پر آپ کی خدمت میں پیش کرنا ہے، فالحمد للہ اولاً وآخراً۔

کتاب ''توحید ربانی'' کی وجہ تسمیہ واہمیت

ہمارے شیخ کی جس کتاب کا ذکر ہو رہا ہے، اس کا نام شیخ رحمہ اللہ نے (توحید ربانی) تجویز فرمایا، یہ نام ایک بہت بڑے علم اور عظیم الشان منہج کی ترجمانی کر رہا ہے، توحید ربانی کے اس مبارک نام سے اللہ رب العزت کی توحید ربوبیت کی طرف اشارہ مقصود ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ توحید ربوبیت کی معرفت، مکمل عقیدۂ توحید کے فہم کی اساس ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کا آغاز توحید ربوبیت سے ہوا [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝] اور اختتام بھی اسی توحید پر ہوا [قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۝] بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے الٰہ اور معبودِ حق

[1] النحل:۳۶
[2] الانبیاء:۲۵

ہونے کے جو دلائل ذکر فرمائے ہیں، ان میں سرِ فہرست توحید ربوبیت ہے، چنانچہ فرمایا:[يَآاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝] [1]

یعنی: اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں اور تم سے پہلے تمام لوگوں کو پیدا کیا، تاکہ تم بچ سکو۔ (یعنی جہنم کی آگ سے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور اس حکم کی علت یہ بتلائی ہے کہ میں تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا خالق ہوں۔ دوسری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے مقصدِ تخلیق کا ذکر فرمایا ہے، جو کہ اُس کی عبادت ہے، اور اس کی وجہ بھی یہی بتلائی کہ وہ ذات تمہاری خالق ہے، چنانچہ فرمایا:[وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝] [2] اس سے واضح ہوتا ہے کہ معبودِ حق ہونے کیلئے خالق ہونا ضروری ہے، جس ذات میں خالق ہونے کی صلاحیت نہیں اس میں معبودِ حق ہونے کی صلاحیت یکسر معدوم ہوگی اور وہ تمام تر دعاوی کے باوجود جھوٹے اور باطل معبود قرار پائیں گے، اسی نکتہ کو واضح کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایک دعویٰ اور اس کے بعد ایک استفسار اکٹھا ذکر فرمایا ہے:[هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ] [3]

یعنی: یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی خلق ہے، پس مجھے دکھاؤ کہ ان لوگوں نے کیا پیدا کیا ہے جو اس کے سوا (پکارے جاتے) ہیں۔

[1] البقرۃ:۲۱
[2] الذریات:۵۶
[3] لقمان:۱۱

اللہ تعالیٰ نے سورۂ حم السجدۃ میں ایک مقام پر یہی مسئلہ قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:[اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا] [1] میں توحید ربوبیت کا ذکر فرمایا اور اس پر استقامت کے فضائل بیان فرمائے اور چند آیات کے بعد ارشاد فرمایا:[وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۝] [2]

یعنی: اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے رات، دن، سورج اور چاند ہیں، پس مت سجدہ کرو سورج یا چاند کو اور سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کو جو کہ ان کا خالق ہے، اگر تم خالص اسی کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔

اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کا رد ہے جو سورج یا چاند کی پوجا کرتے ہیں اور وجہ تردید وانکار یہ ہے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور مخلوق معبود ہو ہی نہیں سکتی، معبودِ حق وہی ذات ہوسکتی ہے جو خالق ہو، اسی لئے فرمایا:[وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ] کہ تم سجدہ کرو اس اللہ کو جو ان کا خالق ہے، گویا خالق ہی عبادت کے لائق ہوتا ہے اور اس پوری کائناتِ علوی یا سفلی میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق نہیں۔

[اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۙ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۝] [3]

یعنی: اللہ تعالیٰ ہی ہر شیٔ کا خالق ہے اور وہ ہر شیٔ پر کارساز ہے۔

[1] فصلت:۳۰
[2] فصلت:۳۷
[3] الزمر:۶۲

نیز فرمایا:[ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ][1]

یعنی: یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے،اس کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں ہے، وہ (چونکہ) ہرشئ کا خالق ہے لہذا صرف اسی کی عبادت کرو۔

حضرات! زیرِ نظر کتاب (توحید ربانی) کے نام سے موسوم ہے،ربانی کی نسبت اللہ تعالیٰ کے مبارک نام (الرب) کی طرف ہے، یہ نام اللہ تعالیٰ کا علَم ہے،لہذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو (الرب) نہیں کہا جاسکتا،البتہ اضافت کی صورت میں دوسروں کو رب کہا جاسکتا ہے، جیسے: رب المال، رب البیت وغیرہ۔

اسم مبارک ''الرب'' کی وضاحت

رب کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے ابن الأثیر فرماتے ہیں:

(الرب يطلق في اللغة على المالك والسيد والمدبر والمربي والقيم والمنعم ولايطلق غيرمضاف الا على الله تعالىٰ واذا اطلق على غيره أضيف.فيقال:رب كذا)

یعنی: لغوی اعتبار سے رب کے کئی معانی ہیں ،مثلاً: مالک ،سردار،تدبیر کرنے والا، پالنے والا،نگرانی کرنے والا اورنعمت عطافرمانے والا،اضافت کے بغیراس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے، البتہ اضافت کی صورت میں دوسروں پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے، جیسے رب کذا یعنی فلاں چیز کا مالک۔

ابن جریر الطبری فرماتے ہیں: کلامِ عرب میں رب کے متعدد معانی ہیں، چنانچہ وہ سردار جو ہرطرح سے اطاعت کیا جاتا تھا اسے رب کہا جاتا تھا، وہ شخص جس کی حیثیت ایک

[1] الانعام:۱۰۲

مصلح کی ہوتی اسے رب کہا جاتا تھا، وہ شخص جو کسی چیز کا مالک ہوتا اسے رب کہا جاتا تھا...... مزید فرماتے ہیں: چنانچہ ہمارا رب وہ (السید) ہے کہ سرداری میں کوئی اس کا مشابہ یا مثیل نہیں ہے اور اپنی مخلوقات کے امور کا ایسا مصلح ہے کہ انہیں اپنی نعمتوں سے ڈھانپ رکھا ہے، ساری کائنات کا ایسا مالک ہے کہ ہر قسم کا خلق اور امر اسی تنہا ذات کا ہے۔

توحید ربوبیت پر مکمل ایمان کیلئے تین چیزوں کی معرفت ضروری ہے

علماءِ سلف کے اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی ربوبیت کی توحید پر مکمل ایمان کیلئے تین چیزوں کو پہچاننا اور ماننا ضروری ہے، ان کے بغیر یا ان میں سے کسی ایک کے بغیر توحید ربوبیت پر ایمان ہرگز کامل نہیں ہوسکتا۔

① یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس پوری کائنات کا خالق ہے، اس کے سوا کوئی خالق نہیں، حتی کہ ایک ذرہ تک کا بھی نہیں۔

② یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس پوری کائنات کا حقیقی مالک ہے، اس کے سوا کوئی حقیقی مالک نہیں ہے، حتی کہ ایک ذرہ تک کا بھی نہیں۔

③ یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس پوری کائنات کا مدبر اور متصرف ہے، اس کے سوا کوئی مدبر نہیں ہوسکتا۔

توحید ربوبیت پر کامل ایمان کیلئے ان تینوں چیزوں کو ماننا ضروری ہے، لہذا اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو خالق سمجھتا ہے، خواہ ایک ذرہ کی حد تک کیوں نہ ہو، یا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو مالک سمجھتا ہے، خواہ ایک ذرہ کی حد تک کیوں نہ ہو، یا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو مدبر مانتا ہے، خواہ ایک ذرہ کی حد تک کیوں نہ ہوتو

اس کی توحید ربوبیت ناقص اور ناقابل قبول ہے، تمام تر دعووں کے باوجود اس کا عقیدہ خلل اور اضطراب کا شکار ہے ،جب توحید ربوبیت جوکہ بقیہ تمام اقسامِ توحید (توحید الوہیت، توحید اسماء وصفات) کی مفتاح بلکہ اساس ہے، میں خلل واقع ہو گیا تو اس کا تمام تر ایمان وعقیدہ اور بنابریں ہر قسم کا عمل برباد ہو گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:[وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ][1]

یعنی: جو شخص ایمان میں کسی انکار کا شکار ہو گیا تو اس کا ہر قسم کا عمل برباد اور رائیگاں ہے۔

توحید ربوبیت کے نکتۂ اول کی وضاحت

حضرات! توحید ربوبیت کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شئ کا خالق ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:[اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝][2]

یعنی: اللہ تعالیٰ ہی ہر شئ کا خالق ہے اور وہ ہر شئ پر کارساز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خلق کے تعلق سے تمام اولین وآخرین کو چیلنج کیا ہے،[هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ][3]

یعنی: یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی خلق ہے ،پس مجھے دکھاؤ کہ ان لوگوں نے کیا پیدا کیا ہے جو اس کے سوا (پکارے جاتے) ہیں، بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کے وہ تمام معبود، جنہیں اس کے سوا پوجا جاتا ہے، کے عجز کا ذکر فرمایا، یعنی وہ سب ایک مقام پر اکھٹے ہو کر اپنی تمام تر طاقتیں وصلاحیتیں صرف

[1] المائدۃ:۵

[2] الزمر:۶۲

[3] لقمان:۱۱

کر کے ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، حالانکہ مکھی ایک انتہائی خسیس اور حقیر جانور ہے۔

[يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَـيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝][1]

یعنی: اے ایمان والو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، اسے غور سے سنو، بیشک جن جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو وہ تو ہرگز ہرگز ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے، خواہ تمام کے تمام اس مقصد کی خاطر جمع ہو جائیں، اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اسے چھڑانے تک کی قدرت نہیں رکھتے، طالب اور مطلوب دونوں کس قدر کمزور ہیں، انہوں نے کما حقہ اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانی، اللہ تعالیٰ بڑی قوت اور غلبہ والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کو ماننا، جس طرح توحید ربوبیت پر ایمان کی اساس ہے، اسی طرح اس کے خالق ہونے کو ماننا ذاتی علم اور پہچان کیلئے اور اس کی عبادت تک پہنچنے کیلئے ضروری ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق ہونے کی خبر کیوں دی؟ اس لئے تاکہ ہمیں اس عقیدہ کی معرفت حاصل ہو جائے، نیز اس لئے بھی کہ ہم خالصتاً اسی کی عبادت پر متوجہ ہو جائیں۔ جہاں تک معرفت کا معاملہ ہے تو اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

[اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝][2]

یعنی: اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے ساتوں آسمان پیدا کئے اور زمینیں بھی اتنی ہی، ان

[1] الحج:۷۳،۷۴

[2] الطلاق:۱۲

کے درمیان اللہ تعالیٰ کے اوامر نازل ہوتے ہیں (تمہیں یہ سب اس لئے بتایا جارہا ہے) تاکہ تم جان لواور یہ معرفت حاصل کرلوکہ اللہ تعالیٰ ہرشئی پرقادر ہےاور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ ازروئے علم ہرشئی کااحاطہ کئے ہوئے ہے۔

یہ آیت کریمہ اس مسئلہ پرنص کی حیثیت رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحیدِ ربوبیت کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے،اس معرفت کے ذریعے اس اہم ترین مسئلہ تک رسائی حاصل کرنا ضروری ہے،جس کی خاطر رسالتیں اورنبوتیں تشکیل دی گئیں اورجس کی خاطر باربار وحی الٰہی کانزول ہوااوروہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ہے،چنانچہ فرمایا:

[وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝۵۶][1]

یعنی: میں نےنہیں پیدا کیا جنوں اورانسانوں کومگر اس لئے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔

اس آیت مبارکہ میں (خلقت) کامقصد (لیعبدون) ہے،جبکہ اوپر کی آیات میں (خلق) کامقصد (لتعلموا) ہے،جس سے ثابت ہوا کہ توحید ربوبیت کاعلم حاصل کرنا ضروری ہےاوراس علم کے ذریعے اس اہم مسئلہ (عبادت) تک رسائی ضروری ہے جو اصل دین اورمحورِدین ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہےلہذا وہی مستحقِ عبادت ہےتواس کے ساتھ ساتھ یہ نکتہ بھی دل وجان کی گہرائی سے قبول کرنا ضروری ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق نہیں،بمقدارِ ذرہ بھی نہیں،لہذا اس کے سوا کوئی عبادت کا (بمقدار ذرہ بھی) مستحق نہیں ہوسکتا۔

[1] الذریات:۵۶

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝۴۰][1]

یعنی: اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہےجس نےتم سب کو پیدا کیا،پھرتم سب کوروزی دی،پھر تم سب کوموت دیگا،پھرتم سب کوزندہ کریگا،کیا تمہارے شرکاء میں سےکوئی بھی ان میں سےکوئی کام انجام دےسکتا ہے؟وہ ذات پاک ہےاورتمہارے شرک سے بہت بلند ہے۔

ایک اورمقام پرفرمایا:

[اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ۝۱۹۱ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ۝۱۹۲][2]

یعنی: کیا وہ ایسوں کواللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں جوکچھ بھی پیدانہیں کرسکتے،بلکہ وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں،اور نہ وہ ان کی کچھ بھی مدد کرسکتے ہیں،بلکہ وہ تو اپنی مدد کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔

غیرت کاتقاضااورتصویر کی حرمت

حضرات! اللہ تعالیٰ ہی خالقِ کل ہے،اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہوسکتا،یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جوہم سے بڑی غیرت کا متقاضی ہے،اسی غیرت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تصویر کوحرام قراردے دیا؛کیونکہ تصویر میں اللہ تعالیٰ کی صفت خلق اورصفت تصویر سے

[1] الروم:۴۰

[2] الاعراف:۱۹۲،۱۹۱

مشابہت پائی جاتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے اور وہی مصور ہے۔ تصویر کی حرمت اور وعید شدید پر کچھ نصوص ملاحظہ ہوں:

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال :سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: (ان اشد الناس عذابا عنداللہ یوم القیامۃ المصورون)[1]

یعنی: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے سخت عذاب، تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رسول اللہ ﷺ قال: (أشد الناس عذابا یوم القیامة الذین یضاهون بخلق الله.)[2]

یعنی: عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق (پیدا کرنا) سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ (یعنی تصویر بناتے ہیں)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ :(یقول الرب سبحانه :ومن أظلم ممن ذهب یخلق کخلقی فلیخلقوا ذرة أو لیخلقوا حبة أو لیخلقوا شعیرة)[3]

یعنی: ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، رب سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو میری خلق جیسی خلق بناتا ہے (یعنی تصویر بناتا ہے) ایسے لوگ اناج کا ایک دانہ پیدا کرکے دکھائیں۔

---

[1] بخاری ومسلم
[2] بخاری ومسلم
[3] بخاری ومسلم

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما أن رسول اللہ ﷺ قال: (إن الذین یصنعون هذه الصور یعذبون یوم القیامة یقال لهم أحیوا ما خلقتم)[1]

یعنی: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک جو لوگ تصویریں بناتے ہیں، انہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائیگا، ان سے کہا جائیگا جو تصویریں تم نے خلق کی تھیں ذرا انہیں زندہ توکرو۔ (وہ زندہ نہیں کرپائیں گے لہذا ان کا عذاب مستمر رہےگا۔ (والعیاذ باللہ)

خالق ہونے کا معنی

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ چیزوں کو عدم سے وجود میں لاتا ہے یا یہ بھی کہ وہ کسی مادہ کے بغیر اشیاء کو خلق کرنے پر قادر ہے، اور یہ صلاحیت اس پوری کائنات میں کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرا کوئی خالق نہیں ہوسکتا، اسی معنی میں اس کی صفت (الباری) بھی ہے، [هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ ...الآیة][2] اس صفت کا اطلاق بھی غیر اللہ کیلئے جائز نہیں ہے۔

توحید ربوبیت نکتۂ دوم کی وضاحت

توحید ربوبیت پر ایمان لانے کیلئے دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شئ کا مالک ہے، اس کے علاوہ دوسرا کوئی مالک نہیں ہوسکتا، گویا یہ پوری کائنات جس طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اسی طرح اس کی مملوک بھی ہے، فرمان ہے: [فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ][3]

---

[1] بخاری ومسلم
[2] الحشر:۲۴
[3] طہ:۱۱۴

پس بلند ہے اللہ، جو الملک (بادشاہ) ہے اور الحق (سچا) ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ہر شئ کا مالک ماننے کیلئے ضروری ہے کہ ہمیں تین چیزوں کی پورے یقین کے ساتھ معرفت ہو:

① جب وہ ہر چیز کا مالک ہے تو ضروری ہے کہ مالک ہونے کی جتنی بھی صفات ہیں ان سب پر ہمارا ایمان ہو، مثلاً: کمالِ قوت، کمالِ غلبہ، کمالِ قدرت، کمالِ علم، کمالِ احاطہ، کمالِ حکمت، کمالِ مشیئت، کمالِ تصور، کمالِ رحمت ومحبت وغیرہ۔

② اللہ تعالیٰ کے ہر چیز کے مالک ہونے پر ایمان لانے کا ضروری تقاضا یہ ہے کہ ہمارا یہ ایمان ہو کہ ہر شئ اللہ تعالیٰ کی مملوک ہے، ہر شئ اپنے تمام امور میں اسی کی طرف مضطر ومفتقر ہے اور یہ ایمان بھی ہو کہ کوئی شئ حتی کہ ایک ذرہ بھی اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہے۔

[وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝] [1]

یعنی: اور وہ ذات بابرکت ہے جس کیلئے آسمانوں اور زمینوں اور جو ان کے درمیان ہے کا ملک ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔

③ جب اللہ تعالیٰ ہر شئ کا مالک ہے اور ہر شئ اس کی مملوک ہے تو پھر ضروری ہے کہ ہمارا ایمان ہو کہ ہر شئ کی تدبیر وتصرف بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، چنانچہ کائنات کی ہر شئ پر اس کی مشیئت نافذ ہے اور ایک ذرہ کی حرکت بھی اس کے امر وتصرف سے باہر

[1] الزخرف:۸۵

نہیں۔ [اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ] [1]

(اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے)

اور جب اللہ تعالیٰ کوئی امر نافذ فرماتا ہے تو کوئی اسے ٹال نہیں سکتا اور نہ کسی حکم پر تعقیب کی ہمت رکھتا ہے (لارادلقضائہ ولامعقب لحکمہ) (اس کے فیصلوں کو رد کرنیوالا نہیں اور اس کے حکم کو کوئی پیچھے دھکیلنے والا نہیں)

اللہ تعالیٰ کے احکام واوامر تین طرح کے ہیں:

① احکامِ قدریہ کونیہ، یعنی پوری کائنات کے جملہ امور، اللہ تعالیٰ کے مبرم حکم کے ساتھ تقدیر میں مکتوب ومحفوظ ہیں، وہ تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے ساتھ ہیں اور تقدیر میں لکھے ہوئے کے مطابق نافذ ہونگے، کسی فیصلے میں کسی غیر اللہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

② احکامِ شرعیہ، یعنی حلال وحرام کے تعلق سے تمام شرعی فیصلوں کا اللہ تعالیٰ ہی مختار ہے، اس ذات نے احکامِ شرعیہ بنائے اور اپنی وحی کے ذریعے اپنے انبیاء کے توسط سے ہم تک پہنچادیئے: [لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ] [2]

ترجمہ: ہم نے سب کیلئے شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے۔

[شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ] [3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہی تمہارے لئے شریعت مقرر کی ہے۔

[1] الاعراف:۵۴

[2] المائدة:۴۸

[3] الشوریٰ:۱۳

[اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ][1]

ترجمہ: حکم صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔

کسی حکم شرعی بنانے یا نافذ کرنے میں کسی غیر اللہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، لہذا احکام شرعیہ کے تعلق سے صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے، اس کے علاوہ کسی کی نہیں، البتہ اللہ تعالیٰ کا رسول چونکہ اس کا نمائندہ، مبعوث اور ماذون ہے، لہذا اس کی اطاعت بھی فرض ہے؛ کیونکہ وہ اطاعت عین، اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے: [مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ][2]

[وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝][3]

③ احکامِ جزائیہ، یعنی بندے جو عمل کریں گے ان پر جزا یا سزا کا فیصلہ بھی صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے، چنانچہ وہی اطاعت گذار بندوں کو اپنی رضا اور جنت کی صورت میں جزاء دے گا، دوسرا کوئی نہیں۔

اور وہی نافرمان بندوں کو اپنے غضب اور جہنم کے عذاب کی صورت میں سزا دیگا، دوسرا کوئی نہیں [مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝][4]

ترجمہ: مالک ہے قیامت کے دن کا۔

[يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۝][5]

[1] الانعام:۵۷

[2] النساء:۸۰

[3] النجم:۳،۴

[4] الفاتحہ:۳

[5] الانفطار:۱۹

ترجمہ: اس دن کوئی نفس کسی نفس کیلئے کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہوگا، اور حکم اس دن اللہ تعالیٰ کیلئے ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی مشیئت اگر متقاضی ہو تو وہ دنیا میں بھی اپنے نیک بندوں یا قوموں کو اچھی جزا اور برے بندوں یا قوموں کو عذاب دے دیتا ہے، بہرحال دنیا ہو یا آخرت، دونوں جہانوں میں جزا و سزا کا اختیار صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے، دنیا و آخرت کے مابین عالم برزخ میں بھی اللہ تعالیٰ کے امر سے جزا یا سزا کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ مالکیت میں، دوسرا کوئی بھی ایک ذرہ کے برابر بھی شریک نہیں ہے، فرمایا:

[وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝][1]

یعنی: جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے اندر دھاگے کے بھی مالک نہیں ہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

[قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝][2]

یعنی: کہہ دو، پکارو ان لوگوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا (شریک) سمجھتے ہو، وہ تو آسمانوں اور زمینوں کے اندر ایک ذرہ تک کے مالک نہیں، اور نہ ہی اس ذرہ کی ملکیت میں وہ اللہ تعالیٰ کے حصہ دار ہیں اور نہ ہی اس ذرہ کے سلسلہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔

[1] فاطر:۱۳

[2] سبا:۲۲

آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن کو پوجا جاتا ہے وہ تو ایک ذرہ کے مالک نہیں، مالک ہونا بڑی بات ہے وہ اس ذرہ کی ملکیت میں اللہ تعالیٰ کے حصہ دار بھی نہیں اور نہ ہی مددگار۔

ہمارا معاشرہ اور توحید ربوبیت سے انحراف

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفتِ مالکیت میں یا صفتِ تدبیر و تصرف میں کسی دوسرے کو حصہ دار قرار دیتے ہیں وہ سخت غلطی کا شکار ہیں، مگر افسوس ہمارے معاشرے میں ایسے بہت سے لوگ یا گروہ موجود ہیں جو توحید ربوبیت کے تعلق سے سخت انحراف کا شکار ہیں، ہم بتا چکے کہ توحید ربوبیت، اصل توحید یعنی توحید عبادت کی اساس ہے، جو شخص اساس کے امتحان میں فیل ہو گیا وہ اصل توحید (توحید عبادت) جو انبیاء کی دعوت کا مرکزی نکتہ تھا، بری طرح ناکام ہو گیا، نتیجۃً اپنی دنیا، اپنی قبر اور اپنی آخرت سب کی بربادی کا خود ہی انتظام کر ڈالا، زیرِ نظر کتاب (توحید ربانی) میں اس حوالے سے بہت سی مثالیں مل جائیں گی، اس کے علاوہ ہمارے فاضل دوست فضیلۃ الشیخ عبد الغفور دامنی ﷾ کی کتاب اقسامِ توحید بھی قابل مطالعہ ہے۔

ایک کلمہ گو موحد اگر توحید ربوبیت میں ہی اضطراب و انحراف کا شکار ہو گیا تو اس کا یہ معاملہ کتنا تعجب خیز ہوگا؛ کیونکہ مشرکین مکہ اپنی تمام تر گمراہیوں کے باوجود توحید ربوبیت میں کسی انحراف کا شکار نہیں تھے، قرآن مجید میں بار بار ان کے اس اعتراف کا ذکر ہے کہ ہر شئ کا خالق، مالک اور مدبر صرف اللہ رب العزت ہے، انہیں اگر اشکال تھا تو وہ

توحید الوہیت کے تعلق سے تھا، ان کہنا تھا [أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا][1]

یعنی: اس شخص (محمد ﷺ) نے قولوا لا الہ الا اللہ کی دعوت دیکر تمام معبودوں کا انکار کر دیا اور ایک معبود (اللہ تعالیٰ) کی عبادت کی دعوت دیدی؟

توحید ربوبیت کا عقیدہ تو وہ فطری عقیدہ ہے جو ایک چیونٹی کے علم میں تھا، رسول اللہ ﷺ نے سلیمان علیہ السلام کے دور کی چیونٹی کا ذکر فرمایا ہے، جو اپنی پشت کے بل لیٹی ہوئی، اپنے ہاتھوں پاؤں کو آسمان کی طرف دراز کیے ہوئے ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے التجائیں کر رہی تھی:

(اللهم انا خلق من خلقك وليس بنا غنى عن سقياك)[2]

اے اللہ! ہم بھی تیری مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور ہمیں بھی پانی کی ضرورت ہے (لہذا ہمیں عطا فرما دے)

مقامِ غور ہے کہ چیونٹی نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کا وسیلہ پیش کیا، جو کہ توحید ربوبیت کی معرفت کا پہلا نکتہ ہے، اس وسیلہ سے دعا کس قدر تیزی کے ساتھ شرفِ استجابت وقبولیت حاصل کر لیتی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے فوراً فرمایا:

(إرجعوا فقد سقيتم بدعوة غيركم)[3]

اے لشکر والو! جلدی لوٹ چلو، ایک دوسری مخلوق (چیونٹی) کی دعا قبول ہو چکی ہے اور اس کی دعا کی بدولت تم بھی سیراب کر دیئے جاؤ گے۔

---

[1] ص:۵

[2] مصنف ابن ابی شیبة، الرقم:۳۰۱۰۳

[3] مصنف ابن ابی شیبة، الرقم:۳۰۱۰[illegible]

جن لوگوں کے عقیدۂ توحید ربوبیت میں دراڑ ہے وہ تو اس چیونٹی سے بھی گئے گذرے ہیں، مشرکین مکہ سے اگر ان کا تقابل کیا جائے تو یہ کس صف میں کھڑے دکھائیں دیں گے؟

معرفتِ توحید ربوبیت کے ثمرات ونتائج

توحید ربوبیت کی معرفت کے بہت سے ثمرات ونتائج ہیں:

① اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسماء حسنیٰ اور صفاتِ علیا سے تعلق جڑ جاتا ہے، درج ذیل اسماء وصفات کا تعلق توحید ربوبیت ہی سے ہے، چنانچہ توحید ربوبیت کی صحیح معرفت کیلئے درج ذیل اسماء وصفات کی معرفت ایک لازمی امر ہے۔ (الرحمن، الرحیم، الرزاق، الخالق، الخلاق، الملك، المليك، القوى، المتين، المحيط، المقيط، الحفيظ، الغنى، الكريم، الحميد، المجيد، القادر، القدير، المقتدر، الحسيب، الكافى، الشافى، الغالب، النصير، العزيز، الجبار، القاهر، القهار، الوارث، المحسن، الديان، المقدم، المؤخر، المعطى، المانع، النافع، الضار، الجواد، النافع) وغیرہ وغیرہ۔

② اللہ تعالیٰ کی ان صفات کی محبت دل میں اجاگر ہوگی اور بندہ ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے گا جو عظیم صلہ اور اجر وثواب کا باعث ہوگا۔ مثلاً صفت الرحمن کی محبت کی وجہ سے بندہ کے اندر رحمت کے جذبات پیدا ہونگے جس کا اجر حدیث میں وارد ہے:

(ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء)[1]

[1] ترمذی، الرقم: ۱۹۲۴

تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ دوسری حدیث میں ہے:

(إن الله رفيق يحب الرفق)[1]

اللہ تعالیٰ سراپا نرمی ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔

(ان الله جميل يحب الجمال)[2]

اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔

③ توحید ربوبیت پر ایمان جتنا قوی ہوگا، اتنا ہی تقدیر پر ایمان قوی ہوتا جائے گا؛ کیونکہ توحید ربوبیت کو ماننے کا معنی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے تمام فیصلوں کو ماننے سے حاصل ہوگا۔

④ توحید ربوبیت پر قوی ایمان، رزقِ حلال کے حصول کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ جب پوری قوت اور یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خالق اور رازق ہونے پر ایمان ہے تو پھر حرام کا قصد چہ معنی دارد؟

⑤ توحید ربوبیت پر پختہ ایمان، دعا کی قبولیت کا انتہائی قوی وسیلہ ہے، جیسا کہ چیونٹی کا واقعہ گذرا۔

ایک غلطی کی نشاندہی

آخر میں ایک غلطی کی نشاندہی ضروری ہے، کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) توحید الوہیت ہے جبکہ ہمارے ملک کی ایک بڑی جماعت اسے توحید ربوبیت قرار دیتی ہے اور اس کا مفہوم یہ بتلاتی ہے کہ ایک اللہ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور غیر اللہ سے کچھ نہ ہونے کا یقین۔ یہ

[1] ابوداؤد، الرقم: ۴۸۰۹

[2] مسلم، الرقم: ۲۷۵

(لا الٰہ الا اللہ) کا معنی نہیں ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ ان لوگوں کی توحید کا محور ربوبیت کی حد تک ہے، جبکہ توحید الوہیت میں کافی حد تک غفلت اور انتشار کا شکار ہیں۔ (لا الٰہ الا اللہ) کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں ہے، اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تصور پیدا ہوتا ہے، نیز طریقہ عبادت میں محمد رسول اللہ ﷺ کی مکمل فرمانبرداری کا تصور اجاگر ہوتا ہے۔

ہماری ان سطور کو بطورِ تمہید پڑھ کر ہمارے شیخ رحمہ اللہ کی کتاب ''توحید ربانی'' کا مطالعہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ان کے میزانِ حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام کردے وھو سبحانہ وتعالیٰ سمیع مجیب للدعوات. وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارك وسلم.

OOOOOOOOOO

صدارتی خطبہ

(2013ء)

موضوع:

بندوں کا اپنے رب کی طرف افتقار واحتیاج

(حدیث ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روشنی میں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ، ونستغفره ، ونعوذ بالله من شرور انفسنا، ومن سيئات أعما لنا، من يهده الله فلا مضل له ، ومن يضلل فلاهادي له ،وأشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله .

[يَآيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ۝] [1]

[يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ‌ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا۝] [2]

[يَآيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا۝ يُّصۡلِحۡ لَـكُمۡ اَعۡمَالَـكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا۝] [3]

أما بعد:

فان أصدق الحديث كتاب الله ، وأحسن الهدى هدى محمد ﷺ ، وشر الأمور محدثاتها ، وكل محدثة بدعة ، وكل بدعة ضلالة ، وكل ضلالة في النار .

متن حديث

يقول الإمام مسلم رحمه الله تعالیٰ في باب تحريم الظلم : حدثنا عبدالله بن عبدالرحمن بن بهرام الدارمي، حدثنا مروان (يعني ابن محمد الدمشقي) حدثنا سعيد بن عبدالعزيز عن ربيعة، عن أبي إدريس الخولاني، عن أبي ذر، عن النبي ﷺ فيما روى عن الله تبارك وتعالیٰ: يا عبادي! إني حرمت الظلم على نفسي وجعلته

---

[1] آل عمران: ۱۰۲

[2] النساء: ۱

[3] الاحزاب: ۷۰، ۷۱

بينكم محرما، فلا تظالموا، يا عبادي ! كلكم ضال إلا من هديته، فاستهدوني أهدكم. ياعبادي! كلكم جائع إلا من أطعمته، فاستطعموني أطعمكم. يا عبادي! كلكم عار إلا من كسوته، فاستكسوني أكسكم. ياعبادي إنكم تخطئون بالليل والنهار وأنا أغفر الذنوب جميعا فاستغفروني أغفرلكم. ياعبادي! إنكم لن تبلغوا ضري فتضروني، ولن تبلغوا نفعي فتنفعوني. ياعبادي! لو أن أولكم وآخركم ، وإنسكم وجنكم ،كانوا على أتقى قلب رجل واحد منكم ما زاد ذلك في ملكي شيئا. ياعبادي! لو أن أولكم وأخركم وإنسكم وجنكم، كانوا على أفجر قلب رجل واحد مانقص ذلك من ملكي شيئا. ياعبادي لو أن أولكم وأخركم وإنسكم وجنكم قاموا في صعيد واحد فسألوني، فأعطيت كل إنسان مسألته، مانقص ذلك مما عندي إلا كما ينقص المخيط إذا أدخل البحر. ياعبادي! إنما هي أعمالكم أحصيها لكم، ثم أوفيكم إياها ، فمن وجد خيرا فليحمد الله، ومن وجد غير ذلك فلا يلومن إلا نفسه.

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں، بروایت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نقل فرمایا ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اپنی جامع میں، بتغیر الفاظ اسے ذکر فرمایا ہے، اس کے علاوہ یہ حدیث مسند احمد بن حنبل میں، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مسند میں موجود ہے۔ امام طبرانی رحمہ اللہ نے، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت سے، اس حدیث کو بیان فرمایا ہے، مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

حدیث ابوذر کے خصائص ومحاسن

اس حدیث کے بہت سے خصائص ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"هو أشرف حديث لأهل الشام" [1]

---

[1] جامع العلوم والحكم، ص ۳۰، رقم الحديث: ۲۴

یعنی: شامی رواۃ کی یہ سب سے عمدہ حدیث ہے۔اس حدیث کے تمام راویوں کا تعلق شام کے شہر دمشق سے ہے؛اسی لئے اس حدیث کو مسلسل بالدمشقیین کہا جاتا ہے، اور یہ چیز سند کے لطائف ومحاسن میں شمار ہوتی ہے؛ کیونکہ جب کسی حدیث کی سند کے تمام راوی ایک ہی شہر کے ہوں تو ان کے آپس میں لقاء کا معاملہ آسانی سے ثابت ہوجاتا ہے، برعکس اس کے کہ سند کے رواۃ کے علاقے مختلف ہوں، مثلاً شاگرد بغداد کا ہو اور اس کا شیخ نیشاپور کا ہو تو پھر ان کے آپس کے لقاء کا اثبات قدرے مشکل ہوجاتا ہے؛ کیونکہ بغداد اور نیشاپور میں ہزاروں میل کی مسافت پائی جاتی ہے۔اسی لئے شارحینِ حدیث، اثناء شرح اگر کسی سند کے تمام راوی ایک علاقے کے پاتے تو اس چیز کو لطائفِ اسناد میں بطورِ خاص ذکر کرتے، مثلاً: یوں کہتے: رواۃ هذا الحديث كلهم بصريون یا شاميون یا حجازيون وغیرہ، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی فتح الباری شرحِ صحیح بخاری میں جابجا اس نمونے کا کلام موجود ہے۔

اس حدیث کے اشرف ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابوادریس الخولانی جب بھی اس حدیث کو روایت کرتے تو بڑے ادب کے ساتھ دوزانو ہوکر بیٹھ جاتے، چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كان أبو إدريس الخولاني إذا حدث بهذا الحديث جثا على ركبتيه.[1]

واضح ہو کہ امام احمد بن حنبل کے قول کے مطابق اس حدیث کے اشرف ہونے، نیز ابوادریس خولانی کے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے دوزانو بیٹھنے کی وجہ یہی سمجھ آتی ہے کہ یہ حدیث عظیم المعانی اور کثیر المقاصد ہے، اس میں بہت سے اعتقادی، عملی اور تربوی

[1] مسلم، الرقم:۲۵۷۷

مسائل کا خزانہ موجود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے اسے اربعین نوویہ میں شامل فرمایا ہے، اور حافظ ابن رجب الحنبلی البغدادی نے اس حدیث کو بھی رسول اللہ ﷺ کے جوامع الکلم میں شمار کرتے ہوئے، اس کی نفیس شرح فرمائی ہے، اربعین نوویہ کی شرح کے ضمن میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اور شیخ عبدالمحسن بن حمد العباد حفظہ اللہ نے بھی اس کی عمدہ شرح کا اہتمام فرمایا ہے، اس کے علاوہ مصر کے عالم شیخ سعید بن عبدالعظیم نے بھی (شرح أشرف حديث لأهل الشام) کے نام سے، ایک مستقل رسالہ میں اس حدیث کی شرح اور بیانِ فوائد کا اہتمام کیا ہے۔

ترجمۂ حدیث

حدیث کا ترجمہ پیش خدمت ہے، اس کے بعد ہم مذکورہ بالا علماء کی شروح میں سے کچھ نفائس اور کچھ اپنے زوائد کا ذکر کریں گے۔ والله تعالیٰ ولی التوفیق.

''ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے، جو وہ اپنے رب تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں، بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کیا ہوا ہے، اور اسے تمہارے لئے بھی آپس میں حرام قرار دیتا ہوں، پس تم ظلم نہ کرو۔

اے میرے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو، مگر جسے میں ہدایت دوں، پس صرف مجھ ہی سے ہدایت طلب کرو، میں ہی تمہیں ہدایت دونگا۔

اے میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو، مگر جسے میں کھلاؤں، پس مجھ ہی سے کھانا طلب کرو، میں سب کو کھلاؤنگا۔

اے میرے بندو! تم سب کے سب برہنہ ہو، مگر جسے میں لباس پہناؤں، پس مجھ سے ہی لباس طلب کرو، میں ہی تمہیں لباس پہناؤنگا۔

اے میرے بندو! بلاشبہ تم سب کے سب دن رات گناہ کرتے ہو، اور میں ہی تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہوں، پس مجھ سے استغفار کرو، میں ہی تمہارے گناہوں کو معاف کرونگا۔

اے میرے بندو! تم نہ تو میرے کسی نقصان تک پہنچ سکتے ہو کہ مجھے کوئی نقصان پہنچا سکو اور نہ ہی میرے کسی نفع تک تمہاری رسائی ہے کہ مجھے کوئی نفع پہنچا سکو۔

اے میرے بندو! اگر تمہارے تمام اگلے اور پچھلے اور تمام انسان وجن، ایک سب سے بڑے متقی انسان کے دل کا روپ دھارلیں تو میری بادشاہت میں کچھ اضافہ نہ کرسکیں گے۔

اے میرے بندو! اگر تمہارے تمام اگلے اور پچھلے اور تمام انسان وجن، ایک سب سے بڑے فاسق وفاجر انسان کے دل کا روپ دھارلیں، تو میری بادشاہت میں سے کچھ کمی نہ کرسکیں گے۔

اے میرے بندو! اگر تمہارے تمام اگلے اور پچھلے اور تمام انسان وجن، ایک میدان میں جمع ہوکر بیک وقت مجھ سے (جو چاہیں) مانگنے لگیں، اور میں اسی وقت سب کا سوال پورا کردوں تو میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی واقع نہیں ہوگی، جو سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے، اس سمندر میں واقع ہوتی ہے۔

اے میرے بندو! تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں میں تمہارے لئے شمار کررہا ہوں، پھر ان اعمال کا تمہیں پورا پورا بدلہ دونگا، لہذا جو شخص اپنے اعمال میں نیکیاں پاتا ہے وہ خوب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے، اور جو شخص برائیاں پاتا ہے وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرتا رہے۔''

حدیث قدسی اور اس کا دیگر احادیث اور قرآن سے فرق

جس حدیث کو رسول اللہ ﷺ اپنے رب تعالیٰ کی طرف منسوب فرمادیں، اسے حدیثِ قدسی کہا جاتا ہے، تو گویا حدیثِ قدسی ہر وہ حدیث ہے، جسے رسول اللہ ﷺ اپنے رب عزوجل سے روایت فرمائیں۔

قرآن وحدیث دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، [وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ][1]

ترجمہ: اور اللہ نے تم پر کتاب اور دانائی نازل فرمائی۔

[وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝][2]

ترجمہ: اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں، یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔

(ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه)[3]

یعنی: خبردار! مجھے قرآن اور اس کے مثل ایک اور چیز (حدیث) دی گئی ہے۔

مگر حدیث قدسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اس کی تشریف وتکریم کا مظہر ہے۔

اس بارہ میں علماء کی مختلف آراء ہیں کہ حدیثِ قدسی کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، یا رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں، راجح قول یہی ہے کہ حدیثِ قدسی کا معنی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں۔

---

[1] النساء:١١٣

[2] النجم:٣،٤

[3] ابوداود:٤٦٠٤

حدیثِ قدسی کا قرآن مجید سے یہی فرق ہے کہ قرآن مجید لفظاً ومعنیً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جبکہ حدیثِ قدسی، معنیً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں۔

حدیثِ قدسی کا دیگر احادیث سے فرق یہ ہے کہ عام احادیث قولاً یا فعلاً رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہیں، جبکہ حدیثِ قدسی کو، رسول اللہ ﷺ اپنے رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے روایت فرماتے ہیں، اس نسبت میں حددرجہ کی تشریف ہے اور پوری کائنات میں یہ سب سے پاکیزہ سند ہے کہ اکرم الاولین والآخرین، اللہ تعالیٰ رب العالمین والہ العالمین سے براہِ راست روایت فرما رہے ہیں۔

اس لحاظ سے حدیثِ قدسی بہت زیادہ لائقِ توجہ اور متقاضیٔ اہتمام ہے، اور ممکن ہے اسی وجہ سے تابعی ابوادریس الخولانی سے اس حدیث کی روایت کا تقاضہ کیا جاتا تو وہ دوزانو بیٹھ کر سنایا کرتے۔

یہ حدیثِ رسول ﷺ کے ساتھ حسنِ ادب کی بڑی عمدہ مثال ہے، اور یہ درحقیقت ذاتِ رسول ﷺ کی تکریم وتعظیم ہے، ہر مسلمان پر یہ بات واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تکریم کا پہلو ہمیشہ ملحوظ رکھے، اور آپ ﷺ کی تکریم کا اولین تقاضا یہی ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث سے علماً وفہماً وعملاً واداءً تعلق قائم رکھے۔

امام مالک رحمہ اللہ اور تعظیمِ حدیث

امام مالک رحمہ اللہ کے پاس جب طلابِ علم، سماعِ حدیث کیلئے آتے تو آپ باقاعدہ غسل کرکے، نفیس ترین لباس زیبِ تن فرماکے، خوشبوؤں میں معطر ہوکر باہر تشریف

لاتے اور بڑی ہیبت اور وقار کے ساتھ احادیث بیان فرماتے، ان سے اس بارہ میں پوچھا گیا تو فرمایا: أحب أن أعظم حديث النبي ﷺ[1]۔

یعنی میری یہ خواہش اور چاہت رہتی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تعظیم کرتا رہوں۔ امام مالک رحمہ اللہ تو راہ چلتے یا راستہ میں کھڑے کھڑے حدیث بیان کرنا بھی خلافِ ادب تصور کرتے تھے۔

ابن العربی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"حرمة النبی ﷺ میتا کحرمته حیا وکلامه المأثور بعدموته فی الرفعة مثال کلامه المسموع من لفظه"[2]

یعنی: رسول اللہ ﷺ کی تعظیم، آپ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح زندگی میں، اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی احادیث کی رفعت وعظمت بالکل ایسی ہی ہے، جیسے وہ احادیث آپ ﷺ کی زندگی میں سامنے بیٹھ کر آپ کی زبانِ مبارک سے سن رہے ہیں۔

سعید بن المسیب بیماری اور نقاہت کی وجہ سے لیٹے ہوئے تھے، ان سے ایک حدیث کی بابت پوچھا گیا تو اُٹھ کر بیٹھ گئے اور حدیث بیان کی۔

عبداللہ بن مبارک پیدل کہیں تشریف لے جارہے تھے، ان سے ایک حدیث کے بارہ میں سوال کیا گیا، تو فرمایا: "لیس هذا من توقیر العلم"[3]

یعنی: یہ علم (حدیث) کی توقیر کے منافی ہے۔

---

[1] جامع الأصول فی احادیث الرسول ۱۸۲/۱

[2] شرح البهجة الوردية، باب النكاح، ص: ۱۵۶

[3] المدخل الى السنن الكبرى [illegible] الرقم: [illegible]

شرحِ حدیث

یہ حدیث دس عظیم الشان جملوں پر مشتمل ہے،ہم ہر جملہ کے تعلق سے الگ الگ اپنی معروضات پیش کرتے ہیں،وباللہ تعالیٰ التوفیق.

پہلا جملہ:

یا عبادی! إنی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرما، فلا تظالموا.

(حرمت ظلم)

اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کیا ہوا ہے، اور اسے تمہارے لئے بھی آپس میں حرام قرار دیتا ہوں، پس تم ظلم نہ کرو۔

یاعبادی کی نداء،اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے،جس کی خبر ہمیں اصدق المخبرین محمد ﷺ نے دی۔ یاعبادی کی نداء اس حدیث میں دس بار استعمال ہوئی ہے،جس کا معنی ہے: اے میرے بندو!

یہ نداء،اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ رفق اور رحمت کا مظہر ہے، اور پیار بھرا یہ انداز یقیناً بندوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرے گا۔

عباد،عبد کی جمع ہے اور عبد میں عبودیت یعنی غلامی کا معنی پایا جاتا ہے، تو اس حدیث کو سننے اور پڑھنے والا اس خطاب کو مستقل مدِ نظر رکھے اور اپنے آپ کو، اپنے

پروردگار کی عبودیت کے جملہ تقاضوں کو ہمیشہ پورا کرتے رہنے کیلئے مستعد رکھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مخاطب کر کے ایک انتہائی اہم خبر دی، اور یہ خبر اللہ تعالیٰ کا بندوں پر احسانِ عظیم ہے، فرمایا: میں نے اپنی ذات پر ظلم کرنا حرام کرلیا ہے۔ حالانکہ وہ ظلم کرنے پر پوری طرح قادر ہے؛ کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اگر اللہ تعالیٰ ظلم کرنے پر قادر نہ ہوتا تو اپنی ذات سے ظلم کی نفی کسی مدح یا ثناء کا موجب نہ ہوتی۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے، قدرت کے باوجود، ظلم کا صدور ناممکن ومحال ہے، محال کیوں ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ظلم کی نفی فرمادی۔

ارشاد فرمایا:[وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝] [1]

ترجمہ: اور تیرا رب کسی پر ظلم وستم نہ کرے گا۔

نیز فرمایا:[وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝] [2]

ترجمہ: اور نہ میں اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا ہوں۔

نیز فرمایا:[اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ] [3]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

نیز فرمایا:[وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝] [4]

ترجمہ: اور جو نیک اعمال کرے اور ایمان والا بھی ہو تو نہ اسے بے انصافی کا کھٹکا ہوگا نہ حق تلفی کا۔

---

[1] الکہف:49

[2] ق:29

[3] النساء:40

[4] طٰہٰ:112

تو قدرت کے باوجود ظلم کی نفی کرنا، اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور رفق و رحمت کی عظیم دلیل ہے، یہ محبت بھری خبر بندوں کے اندر حوصلہ پیدا کرے گی اور بندے یہ سوچ کر اعمال صالحہ بجالائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حق تلفی یا ظلم کا امکان نہیں ہے۔

ویسے بھی ظلم ایک قباحت ہے اور بہت بڑا عیب شمار ہوتا ہے، اور اللہ رب العزت ہر عیب سے پاک ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ظلم مخلوقات کا فعل ہے، اور مخلوقات کا ہر فعل درحقیقت اللہ تعالیٰ کا تخلیق کردہ ہے تو بھلا اللہ تعالیٰ جو خالق ہے، مخلوقات کے افعال سے کیسے متصف ہوسکتا ہے، یہ نکتہ حافظ ابن رجب البغدادی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب جامع العلوم والحکم میں بیان فرمایا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ظلم کا اصل معنی: حد سے تجاوز کرنا ہے، اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کیلئے حد بندی کون کرسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی صفات میں حسنِ ادب کا ایک اہم پہلو

اللہ تعالیٰ کی صفات میں حسنِ ادب کا ایک لازمی پہلو یہ ہے کہ جب اس کی ذات سے کسی بھی صفتِ نقص کی نفی کی جائے گی تو اس کے مقابلے میں جو صفتِ کمال ہوگی، اس کا اللہ تعالیٰ کیلئے لازماً اثبات کیا جائے گا، تو ظلم کے مقابلے میں عدل ہے، اللہ تعالیٰ ظلم نہیں فرماتا، بلکہ وہ ذات کمالِ عدل سے متصف ہے۔

ظلم چونکہ ایک ناپسندیدہ اور انتہائی معیوب خصلت ہے، لہذا اللہ تعالیٰ سے اس کا صدور مستحیل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بندوں پر بھی ظلم حرام کردیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وجعلته بينكم محرما کہ میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم

کو حرام قرار دے دیا ہے۔

"فلا تظالموا" یہ 'ظا' کے فتحہ اور تشدید کے ساتھ ہے، جو اصل میں "تتظالموا" تھا، باب تفاعل کے فاء کلمہ میں 'ظا' آ گئی، لہذا بمطابقِ قاعدہ تاء تفاعل کو 'ظا' میں تبدیل کیا گیا اور 'ظا' کو 'ظا' میں ادغام کردیا گیا۔ باب تفاعل میں مشارکت کا معنی پایا جاتا ہے، اس لئے "لاتظالموا" کا معنی یہ ہوگا کہ تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، اور یہ جملہ، سابقہ جملہ وجعلته بينكم محرما کی تاکید ہے، گویا اس حدیث میں بڑی تاکید کے ساتھ ظلم کی حرمت وارد ہے۔

ظلم کی سب سے بڑی صورت شرک ہے

اور نہ ہی کوئی شخص اپنے نفس پر ظلم کرے، اپنے اوپر ظلم کرنے کی سب سے بڑی اور مقدم صورت شرک ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝۱۳][1]

ترجمہ: بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

شرک ظلمِ عظیم اس لئے ہے کہ مشرک، غیر اللہ کی پرستش کرکے، مخلوق کو، مرتبۂ خالق پر فائز کردیتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام کفار کو ظالم کہا ہے، فرمایا:

[وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۵۴][2]

یعنی: کافر ہی ظالم ہیں۔

---

[1] لقمان: ۱۳

[2] البقرۃ: ۲۵۴

واضح ہو کہ بندے کا شرک کے علاوہ دیگر معاصی کا ارتکاب بھی اپنے اوپر ظلم ہی قرار پائے گا، لیکن معاصی کا ظلم، شرک کے ظلم سے چھوٹا ہوتا ہے۔

ظلم کی دوسری صورت، دوسروں پر ظلم کرنا

ظلم کی دوسری صورت، دوسروں پر ظلم کرنا ہے، یہ بھی بہت بڑی معصیت ہے، ہر شخص کو چاہئے کہ نہ تو اپنے نفس پر ظلم کرے نہ دوسروں پر۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان الظلم ظلمات یوم القیامة" [1]

یعنی: ظلم تو قیامت کے اندھیرے ہیں۔

عن ابی موسیٰ الأشعری رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال: (إن الله لیملی للظالم حتی إذا أخذه لم یفلته.ثم قرأ :﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾) [2]

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے اور جب اسے اپنی گرفت میں لے لے گا تو پھر نہیں چھوڑے گا، پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ”تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے بیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہے۔“

حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

[1] بخاری:۲۴۴۷ مسلم:۲۵۷۷

[2] بخاری:۴۶۸۶ مسلم:۲۵۸۱

(إن دمائکم واموالکم وأعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا) [1]

یعنی: بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر، اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کی طرح، حرام ہیں۔

عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال من کانت عنده مظلمة لأخیه فلیتحلل منها فإنه لیس ثم دینار ولا درهم من قبل أن یأخذ لأخیه من حسناته فإن لم یکن له حسنات أخذ من سیئات أخیه فطرحت علیه. [2]

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس شخص نے اپنے کسی بھائی پر کوئی ظلم کیا ہے، تو آج ہی اس سے بری ہوجائے، کل قیامت کے دن تمہارے پاس جان چھڑانے کیلئے کوئی درہم ودینار نہ ہوگا، بلکہ تمہاری نیکیاں، مظلوم کو دے دی جائیں گی، اور اگر تمہارے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ تم پر تھوپ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

صحیح بخاری ومسلم میں مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"واتق دعوة المظلوم فإنه لیس بینها وبین الله حجاب" [3]

یعنی: تم مظلوم کی بددعا سے بچو؛ کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔

یہ تمام نصوص ہمیں کسی بھی نوعیت کے ظلم کے ارتکاب سے روکتے ہیں، حتی کہ اپنی جان

[1] بخاری:۶۷ مسلم:۴۳۸۳

[2] بخاری:۲۴۴۹

[3] بخاری:۲۴۴۸

تک پر ظلم روا نہیں ہے، تو پھر ان نصوص کا تقاضا یہی ہے کہ انسان کی زندگی عدل واعتدال کے ساتھ بسر ہو، یعنی اپنے نفس پر ظلم نہ کرے اور دوسروں پر بھی ظلم کرنے سے باز رہے۔

معاشرتی ظلم کی بعض صورتیں

کچھ لوگ اس تعلق سے عدل واعتدال کا منہج اپنانے سے قاصر رہتے ہیں، مثلاً: والدین کے حقوق تو بحسن وخوبی ادا کر لیتے ہیں، مگر بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی بلکہ ظلم وتعدی برتتے رہتے ہیں، کچھ کا عمل اس سے بالکل برعکس ہوتا ہے، جبکہ شرعی مطلوب یہی ہے کہ ہر ایک سے تعلق عدل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے قائم رکھا جائے۔

صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"إن لربك عليك حقا وإن لنفسك عليك حقا ولأهلك عليك حقا فأعط كل ذي حق حقه"[1]

یعنی: تم پر تمہارے رب تعالیٰ کے کچھ حقوق ہیں، کچھ تمہارے نفس کے حقوق ہیں، اور کچھ تمہارے اہل وعیال کے حقوق ہیں، پس ہر صاحبِ حق کو اس کا حق ضرور ادا کردو۔

کیونکہ کسی بھی انسان کی معمولی سی حق تلفی بھی بڑے بھیانک عذاب کا موجب بن سکتی ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"من اقتطع حق امرئ مسلم بيمينه فقد أوجب الله له النار وحرم عليه الجنة.فقال رجل :وإن كان يسيرا يارسول الله؟ فقال: وإن كان قضيبا من أراك"[2]

[1] بخاری:۱۹۶۸

[2] مسلم:۳۵۳

یعنی: جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مار لیا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جہنم واجب کر دیگا اور جنت حرام کر دے گا۔ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ ﷺ اگرچہ معمولی چیز ہی کیوں نہ ہو؟ فرمایا: خواہ درخت کی ایک چھوٹی سی شاخ ہی کیوں نہ ہو۔

وہ حدیث بھی سب کے علم میں ہے، جس میں اپنے کسی بھائی کی بالشت بھر زمین پر قبضہ کر لینے والے کی گردن میں روزِ قیامت ستر زمینوں کا طوق ڈال دیا جائے گا۔

اسی لئے امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ لوگوں کے مابین عدل واعتدال قائم رکھنے اور ظلم سے بچے رہنے کے تعلق سے شدید احتیاط فرمایا کرتے تھے، آپ ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات میں مکمل عدل قائم فرماتے، اور ساتھ ساتھ مستقل یہ دعا کرتے رہتے:

"اللهم هذا قسمي فيما أملك فلا تؤاخذني فيما تملك ولا أملك"[1]

یعنی: اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے، جس پر مجھے کنٹرول حاصل ہے، پس اس معاملہ میں میری پکڑ نہ کیجیو، جس کا تو مالک ہے اور جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے ہمیشہ عدل واعتدال برتنے کی تلقین کی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى][2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔

نیز فرمایا: [وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝][3]

[1] ترمذی:۱۱۴۰

[2] النحل:۹۰

[3] الحجرات:۹

ترجمہ: اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے:

"إن المقسطين عندالله على منابر من نور،الذين يعدلون في حكمهم وأهليهم وما ولوا" [1]

یعنی: بے شک عدل کرنے والے (روزِ قیامت) اللہ کے پاس نور کے منبروں پر جلوہ گر ہونگے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل وعیال میں اور اپنے تفویض کردہ عہدہ میں عدل قائم رکھا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان سات افراد کا ذکر فرمایا ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میدانِ محشر میں سایہ عطا فرمائے گا، ان میں سے ایک امام عادل ہے۔

ہمارے عدل کے اولین مستحق، اللہ اور اس کا رسول ہیں

واضح ہو کہ ہمارے عدل کا پہلا مستحق، اللہ رب العزت ہے، چنانچہ ہم اس کی توحید کی معرفت حاصل کریں اور اس کی ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات میں کسی قسم کا شرک روا نہ رکھیں، قرآن حکیم نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہمیشہ اس کی اطاعت کریں اور کبھی اس کی نافرمانی نہ کریں، اور ہمیشہ اس کا ذکر کرتے رہیں اور کبھی اسے نہ بھولیں، اور ہمیشہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں اور کبھی ناشکری نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد، رسول اللہ ﷺ کی ذات ہمارے عدل کی مستحق ہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے آپ کے جملہ حقوق پورے کرتے

[1] مسلم: ۴۷۲۱

رہیں، آپ ﷺ پر ایمان لانا، آپ کا اولین حق ہے، اس کے بعد آپ ﷺ کی تعظیم وتبجیل آپ کا حق ہے، پھر آپ ﷺ سے، کائنات کے ہر فرد سے بڑھ کر محبت کرنا آپ کا حق ہے، پھر آپ ﷺ کی ہمیشہ اطاعت کرنا اور دوسروں کی اطاعت سے گریزاں رہنا آپ کا حق ہے، آپ ﷺ پر بکثرت درود وسلام پڑھنا آپ کا حق ہے، ان تمام حقوق کی ادائیگی بجالانا انتہائی مقدم واہم ہے، جس پر قرآن وحدیث کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔

اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے لوگوں کے حقوق ہیں، مثلاً: حقوقِ والدین، حقوقِ اولاد، حقوقِ زوجہ، حقوق الجار وغیرہ وغیرہ۔

ہم اپنے آپ کو اور پھر آپ سب کو عدل واعتدال قائم رکھنے اور کسی بھی انسان پر ظلم سے بچے رہنے کی نصیحت کرتے ہیں، اور اگر کسی شخص پر کسی قسم کا ظلم ہو چکا ہے تو اس پر توبہ کی تلقین کرتے ہیں؛ کیونکہ توبہ کرنا بھی عدل ہے جبکہ توبہ سے گریز کرنا عینِ ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝] [1]

یعنی: جو لوگ توبہ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

[1] الحجرات: ۱۱

دوسرا جملہ:

یاعبادی! کلکم ضال إلا من ھدیتہ، فاستھدونی أھدکم۔

(اللہ سے ہدایت طلب کرو)

اے میرے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو، مگر جسے میں ہدایت دوں، پس صرف مجھ ہی سے ہدایت طلب کرو، میں ہی تمہیں ہدایت دونگا۔

بندوں میں اصل، گمراہی ہے

اس سے ثابت ہوا کہ بندوں میں اصل، گمراہی ہے، بالفاظِ دیگر ہر بندہ اصلاً گمراہ ہے، اور ہدایت پانے کیلئے اپنے رب تعالیٰ کا محتاج ہے، نیز اس تعلیم کا محتاج ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کیلئے معیار قرار دیا ہے۔

یہاں ایک سوال جنم لیتا ہے، اور وہ یہ کہ اس حدیث میں تمام بندوں کے اصلاً گمراہ ہونے کا ذکر ہے، جبکہ بعض دیگر احادیث میں اصلاً ہدایت پر قائم رہنے کا ذکر ملتا ہے، مثلاً: رسول اللہ ﷺ کا فرمان:

"کل مولود یولد علی الفطرة"[1]

یعنی: ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"خلقت عبادی حنفاء فاجتالتھم الشیاطین"[2]

[1] بخاری: ۱۳۸۵

[2] مسلم: ۷۲۰۷

یعنی: میں نے اپنے بندوں کو مسلمان پیدا کیا ہے اور شیاطین نے انہیں گمراہ کر ڈالا۔

واضح ہو کہ ان احادیث کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو یقیناً فطرتِ اسلام پر پیدا کیا ہے، اور اس کے اندر فطرۃً قبولِ حق کا مادہ رکھا ہے، مگر وہ علم سے مالا مال ہو کر تو پیدا نہیں ہوتا، بلکہ جاہل پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ][1]

یعنی: اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس طرح نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔ اور اسی چیز کو حدیثِ زیرِ بحث میں گمراہی سے تعبیر کیا گیا ہے؛ کیونکہ عدمِ علم بھی ضلالت ہی شمار ہوتی ہے، کما فی قولہ تعالیٰ: [وَوَجَدَكَ ضَاۗلًّا فَهَدٰى ۝][2] جس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ) ہم نے تجھے غیر عالم پایا پس (علمِ صحیح) کی ہدایت دے دی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر انسان پیدا تو سلیم الفطرت ہوتا ہے، مگر جاہل ہوتا ہے، اس کے اندر بالقوۃ قبولِ حق کی استعداد ہوتی ہے، اب اگر وہ انبیاء کرام کی تعلیمات کو اپناتا ہے، جو کہ ہدایت کا منبع ومخزن ہوتی ہیں اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کرتا رہتا ہے، تو وہ یقیناً زیورِ ہدایت سے آراستہ وپیراستہ ہو جائے گا، لیکن اگر وہ اپنے اندر فطرۃً قبولِ حق کی استعداد کے باوجود، وحیٔ الٰہی سے ہدایت حاصل نہیں کرتا اور نہ ہی صدقِ دل سے ہدایت کی دعا کرتا ہے تو وہ گمراہ ہی رہتا ہے۔

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ اسی نکتہ کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

[1] النحل: ۷۸

[2] الضحیٰ: ۷

قد ظن بعضهم أنه معارض لحديث عياض بن حمار عن النبي ﷺ (يقول الله عزوجل :خلقت عبادی حنفاء-وفی رواية:مسلمين- فاجتالتهم الشياطين) وليس كذلك، فإن الله خلق بنی آدم وفطرهم على قبول الإسلام والميل إليه دون غيره، والتهيؤ لذلك والاستعداد له بالقوة ،لكن لابد للعبد من تعليم الإسلام بالفعل، فإنه قبل التعليم جاهل لايعلم شيئا، كما قال عزوجل: [والله أخرجكم من بطون امهاتكم لا تعلمون شيئا]وقال لنبيه ﷺ: [ووجدك ضالا فهدى]والمراد وجدك غير عالم بما علمك من الكتاب والحكمة.[1]

یعنی: کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ یہ حدیث ،عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی معارض ہے، جس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے بندوں کو مسلمان پیدا کیا ہے، پس شیاطین نے انہیں اُچک کر گمراہ کر دیا۔

یہاں تعارض والی کوئی بات نہیں، بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے بنوآدم کو پیدا فرمایا اور انہیں قبولِ اسلام اور صرف میل الی الاسلام کی فطرت عطا فرمائی ، گویا ان کے اندر قبولِ اسلام کی استعداد بالقوۃ موجود ہے، اب ضروری ہے کہ پیدا ہو کر وہ بالفعل تعلیم اسلام کو قبول کریں، بصورتِ دیگر وہ جاہل یعنی گمراہ ہی رہیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا ۙ][2]

یعنی: اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس طرح نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: [وَوَجَدَكَ ضَاۗلًّا فَهَدٰى ۝][3]

[1] جامع العلوم والحکم، الجزء ۱/۲۲۵

[2] النحل:۷۸

[3] الضحی:۷

جس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ) ہم نے تجھے غیر عالم پایا پس علمِ صحیح یعنی کتاب وسنت کی ہدایت دے دی۔

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

انسان قبولِ حق کی فطرت لیکر پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اگر اسے حق وہدایت کے اسباب فراہم فرمادے تو وہ بالفعل حق کو قبول کرنے والا بن جائے گا ، اس سے قبل وہ بالقوۃ قبول کرنے والا تھا۔

اور اگر وہ بالفعل، قبولِ ہدایت پر آمادہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر ایسے لوگ مسلط فرمادے گا جو اس کی فطرتِ قبولِ حق کو تبدیل کر ڈالیں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کل مولود یولد علی الفطرۃ فأبواہ یهودانه وینصرانه ویمجسانه"[1]

یعنی: ہر پیدا ہونے والا، فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

صراط مستقیم مانگنے کا طریقہ

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ہم طلبِ ہدایت کیلئے، حددرجہ اپنے رب کریم کے محتاج ومفتقر ہیں، بندوں کے اسی احتیاج وافتقار کو واضح کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ، جسے ام الکتاب اور السبع المثانی ہونے کا شرف حاصل ہے، میں ایک ہی دعا ذکر فرمائی: [اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝][2]

اے اللہ! ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت دے دے۔

[1] بخاری:۱۳۸۵

[2] الفاتحۃ:۴

یہ بات معلوم ہے کہ سورۃ الفاتحہ،جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی،دن رات میں بار بار پڑھی جاتی ہے،گویا صراطِ مستقیم کی ہدایت کی بالاصرار و بالتکرار دعا کی جاتی ہے،اور اس دعا سے قبل اللہ تعالیٰ کے دربار میں انتہائی قوی وسیلے پیش کیے جاتے ہیں،شیخ الاسلام الثانی علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولما كان سؤال الله الهداية إلى الصراط المستقيم أجل المطالب ونيله أشرف المواهب، علم الله عباده كيفية سؤاله وأمرهم أن يقدموا بين يديه حمده والثناء عليه وتمجيده ثم ذكر عبوديتهم وتوحيدهم، فهاتان وسيلتان إلى مطلوبهم توسل إليه بأسمائه وصفاته وتوسل إليه بعبوديته، وهاتان الوسيلتان لايكاد يرد معهما الدعاء۔[1]

یعنی: جبکہ اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم کی ہدایت کا سوال سب سے بڑا مطلبِ شرعی ہے،اور صراطِ مستقیم کا حصول سب سے عمدہ اور اعلیٰ تحفہ ہے،تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صراطِ مستقیم کے سوال کا طریقہ بتادیا،اور انہیں حکم دیا کہ اس سوال سے قبل،اللہ تعالیٰ کی حمد،ثناء اور بزرگی کا وسیلہ پیش کرو،پھر اپنی توحید اور اللہ تعالیٰ کیلئے عبودیت کا وسیلہ بھی پیش کرو،گویا اس عظیم مطلوب کے حصول کیلئے دووسیلے پیش کرو،ایک اس کے اسماء وصفات کا دوسرا اس کے سامنے اپنی عبودیت کے اظہار کا،اور یہ دووسیلے ایسے ہیں جنہیں پیش کرنے سے کوئی دعا،ردنہیں کی جاتی۔

پھر علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان دوحدیثوں کی مثال دی،جوایک دعا پر مشتمل ہیں اور جن میں اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم مذکور ہے،ان دونوں دعاؤں میں بھی اللہ تعالیٰ کے

[1] التفسیر القیم لابن القیم،جزء ۱/۴۳

سامنے یہی دووسیلے پیش کیے گئے۔

یہ دونوں دعائیں صحیح ابن حبان،مسند احمد اور جامع ترمذی میں مروی ہیں،ایک بریدہ الاسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت سے،وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو سنا وہ یہ دعا کررہا تھا:

اسم اعظم

"اللهم إني اسئلك بأني أشهد أنك الله الذي لا إله إلا أنت الأحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد"[1]

یعنی: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں،کیوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اللہ ہے،کوئی معبودِ حق نہیں ہے مگر تو،تو اکیلا و یکتا ہے،کامل و اکمل ہے،جس کا نہ تو بیٹا ہے نہ باپ،اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا سنی تو فرمایا:

"والذي نفسي بيده لقد سأل الله بإسمه الأعظم الذي إذا دعي به أجاب وإذا سئل به أعطى"

یعنی: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،اس نے تو اللہ تعالیٰ کے اس اسمِ اعظم کے وسیلے سے دعا کرڈالی ہے کہ جب بھی اس اسمِ اعظم کے وسیلے سے دعا کی جائے گی تو وہ اسے قبول کرلے گا،اور جب بھی اس کے واسطہ سے سوال کیا جائے گا تو وہ ضرور عطا فرمائے گا۔

دوسری حدیث جنابِ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،اس میں آپ ﷺ نے یہی

[1] ترمذی ۳۴۷۵

بات ایک دوسرے شخص سے کہی تھی، اس شخص نے ان الفاظ سے دعا مانگی تھی:

"أللهم إني اسئلك بأن لك الحمد لا إله إلا أنت ،المنان، بديع السموات والأرض ،ذا الجلال والإكرام ،يا حي يا قيوم "[1]

یعنی: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اس وسیلہ سے کہ تیرے ہی لئے ہمہ قسم کی حمد ہے، تیرے سوا کوئی معبودِ حق نہیں، تو خوب احسان کرنے والا ہے، آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے، بڑے جلال والا اور خوب انعام دینے والا ہے، اے زندہ اور قائم رکھنے والی ذات۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"لقد سأل الله بإسم الأعظم"

اس نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اسمِ اعظم کے وسیلہ سے سوال کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں دعاؤں کی قبولیت کو یقینی ذکر فرمایا، آپ حضرات بغور دیکھ لیجئے ان دونوں دعاؤں میں وسیلہ کی دونوں قسمیں موجود ہیں، یعنی: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا وسیلہ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے فقر واحتیاج اور عبودیت کا وسیلہ۔

رسول اللہ ﷺ ہر رات اپنی تہجد کی نماز کا آغاز ایک دعا سے فرماتے، اس دعا میں بڑے الحاح کے ساتھ، اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا سوال کرتے، یہ بھی ایک عظیم الشان شرعی مطلوب ومقصود ہے، اس دعا پر بھی غور کر لیجئے، رسول اللہ ﷺ طلبِ مغفرت سے قبل، اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کے اسماء وصفات اور اپنی عبودیت کا وسیلہ پیش فرما رہے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ حدیث لائے

[1] ابوداؤد: ۱۴۹۰

ہیں کہ آپ ﷺ جب رات کا قیام شروع فرماتے تو یہ دعا پڑھتے:

أللهم لك الحمد أنت نور السموات والأرض ومن فيهن، ولك الحمد، أنت قيوم السموات والأرض ومن فيهن، ولك الحمد، أنت الحق، ووعدك الحق، ولقاؤك حق، والجنة حق، والنار حق، والنبيون حق، والساعة حق، ومحمد حق، أللهم لك أسلمت، وبك آمنت، وعليك توكلت، وإليك أنبت، وبك خاصمت، وإليك حاكمت، فاغفرلي ما قدمت وما أخرت، وما أسررت وما أعلنت، أنت إلهي لا إله إلا أنت.[1]

یعنی: اے اللہ! ہر قسم کی تعریف تیرے لئے ہے، تو آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے، کا نور ہے، ہر قسم کی تعریف تیرے لئے ہے، تو آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے، کو قائم رکھنے والا ہے، ہر قسم کی تعریف تیرے لئے ہے، تو ہی حق ہے، اور تیرا وعدہ حق ہے، اور تیری ملاقات حق ہے، اور جنت حق ہے، اور جہنم حق ہے، اور تمام نبی حق ہیں، اور قیامت حق ہے، اور محمد (ﷺ) حق ہیں، اے اللہ! میں تیرے لئے اسلام لایا، اور تجھ پر ایمان لایا، اور تجھ پر ہی توکل کرتا ہوں، اور تیری ہی طرف انابت اختیار کرتا ہوں، اور تیری توفیق کے ساتھ (معاندین) سے خصومت کرتا ہوں، تیری ہی طرف تمام فیصلوں کو لوٹاتا ہوں، پس مجھے معاف کر دے، میرے اگلے اور پچھلے اور چھپے اور کھلے تمام گناہوں کو، تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبودِ حق نہیں ہے۔

اس دعا میں أللهم لك الحمد...الخ اسماء وصفات کا وسیلہ ہے، اور لك أسلمت...الخ عبودیت کا وسیلہ ہے، اور یہ دونوں وسیلے پیش کر کے ایک عظیم مقصد طلب کیا گیا،

[1] بخاری: ۶۳۹۹

یعنی فاغفرلی ما قدمت... إلی آخرہ.

ہدایت کی دعا کرنا ضروری ہے

واضح ہو کہ ایک بندۂ مومن کیلیے دن رات ہدایت کی دعا کرنا نہایت ضروری ہے، جیسے مچھلی کا پانی کے بغیر اور کسی بھی ذی روح کا ہوا کے بغیر گذارا نہیں، اسی طرح ایک بندۂ مومن کا دعاء ہدایت کے بغیر گذارا نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک مقام پر، اس شرعی مقصد پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور طلبِ ہدایت سے مراد دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں: ایک اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم کی ہدایت طلب کرنا، دوسری اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم کی ہدایت پر ہمیشہ قائم رکھنا۔

ہم کہتے ہیں کہ ایک تیسری چیز اور بھی ذہن میں ہونی چاہئے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس ہدایت میں اضافہ فرماتا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کے ذکر میں فرمایا:

[إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴿١٣﴾][1]

یعنی: وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب کے ساتھ ایمان لا چکے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں مزید اضافہ فرمادیا۔

ہدایت، اصل حیات ہے

صراطِ مستقیم کی ہدایت وہ نور ہے جس کے بغیر انسان اندھا ہے، بلکہ صراطِ مستقیم کی ہدایت، اصل حیات ہے، جس کے بغیر ایک انسان زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

[1] الکہف: ۱۳

[أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا][1]

یعنی: جو شخص مردہ ہو، پس ہم اسے زندہ کردیں اور اسے نور عطا فرمادیں جس کے ساتھ وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے، وہ اس شخص کی مانند ہوسکتا ہے جو اندھیروں میں ٹامکٹوئیاں مارتا رہے، اور کبھی اندھیروں سے نکل نہ سکے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی ہدایت کو حیات اور نور قرار دیا ہے، اور عدمِ ہدایت کو موت اور ظلمت کہا ہے۔

رسول اللہ (ﷺ) کا ہدایت کی دعا کرنا

رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے، ہدایت کی دعا کرتے رہنا ثابت ہوتا ہے، حالانکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، بلکہ افضل الرسل اور سید ولد آدم ہیں، جب آپ ﷺ اس کثرت والحاح سے ہدایت کی دعا فرمایا کرتے تھے تو ہمیں اس دعا کا کس قدر احتیاج ہے، اسی لئے حدیثِ زیر بحث میں اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے: "فاستهدوني أهدكم" یعنی: پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمہیں ہدایت دونگا۔

آپ ﷺ کی ایک دعا یوں ہے:

"اللهم إنا نسئلك الهدى والتقى والعفاف والغنى"[2]

یعنی: اے اللہ! ہم تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی، اور غنی کا سوال کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ یہ دعا بھی فرمایا کرتے تھے:

[1] الانعام: ۱۲۲

[2] مسلم: ۴۹۰۰

"إهدني لما أختلف فيه من الحق بإذنك إنك تهدي من تشاء إلى صراط مستقيم" [1]

یعنی: اے اللہ! حق میں جو اختلاف کیا جائے، مجھے اس میں اپنے امر سے ہدایت کا راستہ دکھلا دے، بے شک تو جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔

آپ ﷺ نے اپنے نواسہ حسن رضی اللہ عنہ کو دعاء قنوت تعلیم فرمائی تھی، جس کا پہلا جملہ یہ ہے: "أللهم اهدني فيمن هديت" [2]

یعنی: اے اللہ! مجھے ہدایت دے دے اپنے ان بندوں میں جنہیں تو نے ہدایت دی۔

اس دعا میں دو درخواستیں ہیں: ایک ہدایت کی اور دوسری ہدایت یافتہ بندوں میں شامل ہونے کی۔

اس لحاظ سے یہ دعا نہایت عظیم الشان ہے؛ کیونکہ ہدایت یافتہ بندے انبیاء ومرسلین ہیں، صدیقین، شہداء، اور صالحین ہیں، جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے:

[وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ۝] [3]

یعنی: جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہے گا، وہ ان بندوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا: وہ انبیاء ہیں، صدیقین ہیں، شہداء ہیں، اور صالحین ہیں، یہ کتنی عمدہ رفاقت ہے۔

[1] مسلم، الرقم: ۱۸۴۷

[2] نسائی، الرقم: ۱۷۴۴

[3] النساء: ۶۹

رسول اللہ ﷺ چھینک مارنے والے کو یہ جواب دینے کی تلقین فرمایا کرتے تھے:
"یھدیکم اللہ ویصلح بالکم" یعنی: اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت پر رکھے اور تمہارے تمام امور سیدھے کر دے۔ [1]

جو لوگ ہدایت کا کام کرتے رہتے ہیں وہ عند اللہ نہایت برگزیدہ ہیں؛ کیونکہ انہوں نے اپنے کاندھوں پر انبیاء ومرسلین کا مشن اٹھا رکھا ہے، اور اگر ان کی دعوت سے ایک شخص بھی راہِ راست پر آجائے تو اس عمل کو دنیا کا سب سے قیمتی اثاثہ قرار دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے امیر المؤمنین جنابِ علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

"لأن یھدی اللہ بك رجلا واحدا خير لك من حمر النعم" [2]

یعنی: اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک شخص کو ہدایت دے دے، تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

واضح ہو کہ اہل عرب کے نزدیک سب سے قیمتی اور نفیس مال، سرخ اونٹ ہوا کرتا تھا۔

ہدایت کے متعلق اہم نکتہ

آخر میں سب سے اہم نکتہ کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ خواہ طلبِ ہدایت ہو یا استقامت علی الھدایت یا ہدایت بر ہدایت ہو، ان سب کی اساس وحی الٰہی یعنی کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[1] المستدرك، الرقم: ۷۶۹۲

[2] بخاری: ۲۹۴۲

"ترکت فیکم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدا: کتاب الله وسنتی" [1]

یعنی: میں تمہارے بیچ جو کچھ چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے پوری قوت سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔

لہذا وحی الٰہی سے ہٹ کر کوئی راستہ، صراطِ مستقیم کی ہدایت پر منتج نہیں ہوسکتا، آراء الرجال اور اھواء نفس، یا آباء واجداد، یا قوم وقبیلہ یا کسی بھی پیر ومرشد کی پیروی سے صراطِ مستقیم حاصل نہیں ہوسکتا۔

[فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔــلُوْنَ ۝] [2]

ترجمہ: پس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اسے مضبوط تھامے رہیں بیشک آپ راہ راست پر ہیں اور یقیناً یہ (خود) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے اور عنقریب تم لوگ پوچھے جاؤ گے۔

○○○○○○○○○○○○

[1] مستدرک حاکم: ۱/۹۳

[2] الزخرف: ۴۳، ۴۴

صدارتی خطبہ

(2014ء)

موضوع:

توحید عبادت اور توحید طریقِ عبادت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ، ونستغفره ، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ، ومن سيئات أعمالنا ، من يهده الله فلا مضل له ، ومن يضلل فلا هادي له ، وأشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله .

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾
(آل عمران:١٠٢)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا ﴿۱﴾ (النساء: ١)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ﴿۷۰﴾ يُّصۡلِحۡ لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ﴿۷۱﴾
(الاحزاب:٧٠،٧١)

أما بعد:

فان أصدق الحديث كتاب الله ، وأحسن الهدى هدى محمد ﷺ ، وشر الأمور محدثاتها ، وكل محدثة بدعة ، وكل بدعة ضلالة ، وكل ضلالة فى النار .

تخلیق انسان عبث نہیں ہے

اللہ تعالیٰ اکیلا پوری کائنات کا خالق ہے، [اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ] [1]

(یادرکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا)

اس خلق میں کسی دوسرے کی بمقدار ذرہ بھی کوئی شراکت نہیں ہے، [هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ

---

[1] الاعراف:٥٤

غَيۡرُ اللّٰهِ] [1]

کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے؟ (ہرگز نہیں)

دین کا تھوڑا سا درک رکھنے والا انسان بھی بخوبی یہ بات جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کا خلق عبث نہیں ہے، بلکہ حکمتوں سے بھرپور ہے، خواہ ہمیں ان حکمتوں کی آگاہی ہو یا نہ۔

یہ بات معلوم ہے کہ تمام مخلوقات میں، اللہ تعالیٰ کی سب سے اشرف و اعلیٰ خلق، حضرتِ انسان ہے۔ [لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِىۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ ﴿۴﴾] [2]

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔

تو پھر اس اشرف المخلوقات یعنی انسان کی خلق عبث کیسے ہوسکتی ہے؟

[اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا وَّاَنَّكُمۡ اِلَيۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱۵﴾] [3]

کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے۔

اس آیتِ کریمہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

ایک یہ کہ انسان کا خلق عبث نہیں ہے، بلکہ ایک انتہائی پاکیزہ اور مقدس حکمت کے تحت ہے، جس کی معرفت از حد ضروری ہے، پھر اس معرفت کے بعد عملی جامہ پہنانا اس سے بھی ضروری ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تمام انسان اپنی موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں

---

[1] فاطر:٣
[2] التين:٤
[3] المؤمنون:١١٥

گے،اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جائیں گے،تا کہ وہ ان سے اس بابت حساب لے،اور تا کہ جولوگ اپنے مقصدِ تخلیق کی صحیح معرفت حاصل کر کے زندگی بھر اسے اختیار کئے رہے،انہیں جنت النعیم کی صورت میں بے مثل اور دائمی اجر وثواب کا مستحق قرار دے دے۔

اور جولوگ اپنے مقصدِ تخلیق کو سمجھ نہ سکے یا صحیح طور سمجھنے سے قاصر رہے یا سمجھ لینے کے باوجود اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے،انہیں جہنم کے دردناک عذاب میں جلتے اور جھلستے رہنے کا مستحق ٹھہرا دے۔

انسانوں کی تخلیق کا ارفع واعلیٰ مقصد یہ ہے:

[وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿٥٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿٥٨﴾][1]

ترجمہ: میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے۔

ثابت ہوا کہ ہم سب کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے،اور وہ بھی صرف اللہ رب العزت کی۔

اس کے علاوہ دوسرا کوئی مقصد نہ تو موجود ہے اور نہ ہی قابلِ قبول۔

معرفت عبادت کے دو قواعد

عبادت کی صحیح تحقیق ومعرفت دو قواعد کے ساتھ ہے،پہلا قاعدہ (لا الٰہ الا اللہ) پر مبنی

[1] الذاریات:۵۶تا۵۸

ہے،جبکہ دوسرا قاعدہ (محمد رسول اللہ) پر ،چنانچہ عبادت کے تعلق سے صحیح تحقیق ومعرفت، اسی شخص کی مقبول ومعتبر تصور کی جائے گی،جس کی ہر لحظہ ولمحہ کی عبادت (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پر قائم ہو جائے۔

(لا الٰہ الا اللہ) سے مراد توحیدِ عبادت ہے،یعنی ہر قسم کی عبادت صرف اللہ رب العزت کیلئے ہے،کسی عبادت کا کوئی حصہ خواہ وہ سوئی کے ناکے کے برابر کیوں نہ ہو،غیر اللہ کیلئے جائز نہیں ہے،ورنہ آپ کی عبادت کی پوری عمارت ریزہ ریزہ ہوکر بکھر جائے گی،اور کل جب حشر کا میدان قائم ہوگا تو اس کی عند اللہ کوئی پذیرائی نہ ہوگی۔

(محمد رسول اللہ) سے مراد توحیدِ طریقِ عبادت ہے،یعنی ہر قسم کی عبادت کا ہر ہر جزء صرف رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہو،کسی بھی عبادت کے کسی بھی حصہ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت کا کوئی شائبہ نہ ہو،ورنہ اسے میدانِ حشر میں مکمل طور پہ رد کر دیا جائے گا،اور ایسی عبادت کو لانے والا انسان خسرانِ مبین کا شکار ہو جائے گا۔

سامعین حضرات!اب تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم سب کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے،عبادت کی صحیح تحقیق ومعرفت دو قواعد پر ہے:

پہلا قاعدہ:توحیدِ عبادت،جس کا معنی یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت کا مستحق صرف اللہ رب العزت ہے،اور یہ (لا الٰہ الا اللہ) کا معنی ہے۔

دوسرا قاعدہ:توحیدِ طریقِ عبادت،جس کا معنی یہ ہے کہ عبادت کا صرف وہی طریقہ اور راستہ معتبر ہے،جس پر رسول اللہ ﷺ پوری زندگی قائم رہے اور جو آپ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کے ذریعہ ہم تک پہنچا،اور یہ (محمد رسول اللہ) کا معنی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت

سے آگاہ ہیں کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی انہی دو قواعد کی تحقیق و تعلیم میں بسر ہوئی، یہی دو چیزیں آپ ﷺ کی دعوت و تعلیم کا لبِ لباب تھیں، اور یہی دونوں آپ ﷺ کے جہاد وقتال کا مرکز و محور تھیں۔

جو دعوت ان دو مقاصد سے خالی ہوگی وہ شر اور فتنہ کے سوا کچھ نہ ہوگی اور جو جہاد ان دونوں مقاصد سے خالی ہوگا وہ فساد کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

پہلے قاعدے کی اہمیت

حضرات! پہلا قاعدہ (لا الٰہ الا اللہ) یعنی توحیدِ عبادت ہے، جس کا آپ روزانہ اللہ تعالیٰ کے حضور متعدد بار اقرار و اعتراف کرتے ہیں، یعنی: [اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝] [1] پڑھتے ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں، تیرے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے، اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، تیرے علاوہ کسی سے مدد نہیں چاہتے۔

اس ارفع و اعلیٰ قاعدہ کے بیان اور وضاحت کیلئے نبوتیں اور رسالتیں تشکیل دی گئیں، بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اتاری گئی، کتب و صحائف نازل کیے گئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝] [2]

ترجمہ: تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ

[1] الفاتحہ:۴
[2] الانبیاء:۲۵

میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔

نیز فرمایا:

[وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝] [1]

ترجمہ: ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔ پس بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی، پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟

نیز فرمایا:

[وَسْـَٔــلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝] [2]

ترجمہ: اور ہمارے ان نبیوں سے پوچھو! جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟

توحیدِ عبادت — رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے چند مظاہر و مشاہد

نبوت و رسالت کے سلسلۂ مبارکہ کی آخری کڑی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، جن کی پوری زندگی، انہی قواعد کی تحقیق و تعلیم کی آئینہ دار ہے۔

[1] النحل:۳۶
[2] الزخرف:۴۵

(لا الہ الا اللہ) یعنی: توحیدِ عبادات میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے چند مظاہر ومشاہد پیشِ خدمت ہیں:

(۱) آپ ﷺ کس طرح توحید کی خالصیت چاہتے تھے اور کس طرح کسی غیر کی مشارکت کے شائبہ تک کو برداشت نہ کرتے، اس کا ثبوت اس واقعہ سے حاصل ہوتا ہے، مسند احمد اور صحیح مسلم میں مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک خطیب کو یہ کہتے ہوئے سنا: (من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى) جس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے، وہ ہدایت پا گیا، اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرتا ہے، وہ گمراہ ہو گیا۔

آپ ﷺ نے اسے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: بئس خطيب القوم أنت، قل: ومن يعص الله ورسوله فقد غوى. یعنی: تم قوم کے بدترین خطیب ہو، یوں کہو: اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہو گیا۔

حضرات! رسول اللہ ﷺ نے بھری مجلس میں اس کی بات کیوں رد فرمائی؟ اور کیوں اس کے قول کو قبیح قرار دیا؟ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ذکر کو (ومن يعصهما) کہہ کر ایک ضمیر میں اکٹھا کر دیا، تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر ایک ضمیر میں جمع کرنے کی بجائے، اسم ظاہر کے ساتھ الگ الگ کرو، تا کہ کسی بھی شخص کو یہ شائبہ تک نہ گزرے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مرتبہ ایک ہے۔[1]

[1] مسلم، الرقم: ۸۷۰

اس چھوٹے سے واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے توحید کے تعلق سے کیا جذبات تھے اور کس طرح آپ ﷺ نے شرک کے راستے مسدود کرنے کی سعی فرمائی، یہ آپ ﷺ کی غیرتِ توحید کی زبردست دلیل ہے، یعنی ایسے الفاظ تک گوارا نہیں جن سے افضل الخلق محمد رسول اللہ ﷺ کی منزلت کی، اللہ تعالیٰ کی منزلت سے مشابہت یا مماثلت کا شائبہ تک ہو اگرچہ وہ شائبہ کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو۔

(۲) اسی سے ملتا جلتا دوسرا مشہد جو مسند احمد اور الادب المفرد للامام البخاری وغیرہ میں مذکور ہے، ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کسی مناسبت سے یوں کہہ دیا: (ماشاء الله وشئت) یعنی: جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔ گویا اس شخص نے اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کی چاہت میں حرفِ (و) کے ساتھ فرق کیا، آپ ﷺ کی غیرتِ توحید آپ ﷺ کو خاموش نہ رکھ سکی، فوراً فرمایا: (أجعلتني لله ندا؟ قل ماشاء الله وحده.) یعنی: کیا تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کا مثل بنا دیا؟ یہ کہو: جو صرف اللہ اکیلا چاہے۔[1]

آپ ﷺ نے واضح فرما دیا کہ چاہت ومشیئت صرف اللہ رب العزت کیلئے ہے، تا کہ تمام سننے والے یہ بات سمجھ لیں کہ مشیئت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، حتی کہ الفاظ کی حد تک بھی نہیں۔

(۳) اسی سے ملتا جلتا ایک اور قصہ ملاحظہ ہو، جو مسند احمد اور جامع ترمذی وغیرہ میں بسندِ صحیح مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فتحِ مکہ کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ بلادِ ہوازن کا قصد فرمایا، صحابہ کرام دورانِ سفر ایک درخت کے پاس سے گذرے، جس پر مشرکین اس

[1] الادب المفرد، الرقم: ۷۸۳

عقیدہ کے ساتھ اپنا اسلحہ معلق کیا کرتے تھے کہ اس سے معرکہ میں فتح ونصرت حاصل ہوگی، چنانچہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے کہہ دیا: (إجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات انواط.) یعنی: یا رسول اللہ ﷺ جیسا مشرکین کا درخت ذات انواط نامی ہے، اسی طرح کا ہمارے لئے بھی ایک درخت مقرر فرمادیجئے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے فوراً فرمایا: (قلتم والذی نفسی بیدہ کما قال بنو اسرائیل لموسی: (اجعل لنا الہ کما لھم الھۃ) یعنی: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نے ویسی ہی بات کہی جیسی بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ: جیسے ان کے معبود ہیں ویسا ہمارا بھی معبود مقرر کردیجئے۔

گویا رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نصرت یا برکت کی طلب ایک بدترین شرک ہے جو حتماً وقطعاً نا قابل برداشت اور نا قابل قبول ہے۔

(۴) جب آپ ﷺ کا بیٹا ابراھیم فوت ہوا اور آپ ﷺ ایک رنج والم کی کیفیت سے دو چار تھے، اسی دن سورج کو گرہن لگ گیا اور آپ ﷺ نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی، یہ انتہائی طویل نماز تھی جو بندے کو تھکا دیتی ہے، اسی اثناء کچھ لوگوں نے یہ بات اڑادی کہ آپ ﷺ کے بیٹے ابراھیم کی وفات کی وجہ سے سورج گرہن ہوا، ان کے بقول مشاہیر کے پیدا ہونے یا فوت ہونے سے سورج کو گرہن لگتا ہے۔

اس افواہ پر خاموشی ایک بڑی بدعقیدگی کے پیدا ہونے کا سبب بن سکتی تھی، اگر آپ ﷺ خاموش رہتے تو یہ بات رواج پاسکتی تھی کہ زمین میں رونما ہونے والے حوادث

[1] ترمذی، الرقم: ۲۱۸۰

میں آسمانی تغیرات کا دخل ہے، آپ ﷺ نے صدمہ کی شدت کے باوجود اور صلاۃ الکسوف جیسی طویل نماز کی ادائیگی اور اس سے حاصل ہونے والی تھکاوٹ کے باوجود منبر قائم فرمایا اور خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ الفاظ بھی تھے: (ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لاینکسفان لموت احد ولالحیاتہ .فاذا رأیتم ذلک فافزعوا الی الصلاۃ.) یعنی: بے شک چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جنھیں گرہن نہ تو کسی کے پیدا ہونے پر لگتا ہے نہ ہی کسی کے مرنے پر، جب تم گرہن دیکھو تو نماز کی ادائیگی کی جلدی کرو، بعض احادیث میں توبہ کرنے اور صدقہ دینے کا بھی ذکر ہے۔[1]

حضرات! یہ واقعہ آپ ﷺ کی غیرتِ توحید کی انتہائی زبردست دلیل ہے، جس نے یہ بات آشکارا کردی کہ آسمان میں رونما ہونے والے تغیرات کا زمینی حوادث سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ آسمان کے جملہ تغیرات اللہ تعالیٰ کے امر سے رونما ہوتے ہیں اور زمین کے جملہ حوادث بھی اللہ تعالیٰ کے امر سے واقع ہوتے ہیں۔

افسوس! اس واضح فرمان کے باوجود آج لوگ چاند اور ستاروں کی منازل اور رفتار وغیرہ سے زمینی اَحداث متعین کرتے ہیں، ہمارے میڈیا کا اس میں بڑا گھناؤنا کردار ہے، واللہ المستعان۔

(۵) صحیح بخاری میں مذکور وہ واقعہ بھی آپ ﷺ کی غیرتِ توحید کا مظہر ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت میں کوئی غیر اللہ شریک نہیں ہے، حتی کہ رسول اللہ ﷺ بھی نہیں۔

وہ قصہ اس طرح ہے کہ کسی مناسبت پر بچیاں اہلِ بدر کے کارناموں پر مشتمل گیت

[1] بخاری، الرقم: ۱۰۴۴

گا رہی تھیں، رسول اللہ ﷺ بھی وہاں موجود تھے اور استراحت فرما رہے تھے، اچانک ایک بچی نے یوں کہہ دیا: (وفينا نبي يعلم ما في غد) یعنی: ہمارے درمیان ایک نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: (لاتقولي هذا وقولي ما كنت تقولين) یعنی: ایسا مت کہو اور جو پہلے کہہ رہی تھی صرف وہی کہو۔[1]

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: (فإنه لايعلم الغيب الا الله) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔

(۶) اسی سے ملتا جلتا ایک اور مشہد ملاحظہ ہو:

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جن کا بہترین صحابہ میں شمار ہوتا تھا، جب ان کا انتقال ہوا، رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری عورت ام العلاء رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا: (شهادتي عليك أبا السائب أن الله قد أكرمك) یعنی: اے ابوسائب (عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت) میں تم پر یہ گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بڑی عزت سے نوازا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی اس بات کو رد فرمایا: (وما يدريك أن الله قد أكرمه) یعنی: تجھے کس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت دی ہے؟

ام العلاء نے کہا: (سبحان الله !يارسول الله ومن يكرم الله إذا لم يكرمه؟) یعنی: اے اللہ کے رسول ﷺ! سبحان اللہ! اگر اللہ تعالیٰ عثمان کو عزت عطا نہیں فرمائے گا تو بھلا کسے فرمائے گا؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی وہ اس معاملہ کی انتہاء

[1] بخاری، الرقم: ۴۰۰۱

کو پہنچی ہوئی ہے، جس سے بڑی کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی، فرمایا: (والله! إني لرسول الله لاأدري ما يفعل بي غدا) یعنی: اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اور نہیں جانتا کہ کل میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔[1]

یہ قصہ بھی غیرتِ توحید کی دلیل ہے، چنانچہ ام العلاء نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے بارہ میں جو بات کہی وہ علم غیب کے حکم میں تھی، بھلا رسول اللہ ﷺ اس قسم کی بات کیسے برداشت فرماتے، لہٰذا آپ ﷺ نے ام العلاء کی اصلاح فرمائی اور یہ بھی واضح فرمایا کہ میں نبی آخرالزماں ﷺ بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

(۷) سنن ابی داؤد میں بسندِ جید، عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں بنی عامر کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے کہا: (أنت سيدنا) یعنی: آپ ہمارے سید ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فوراً فرمایا: (السيد الله تبارك وتعالىٰ) سید تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

ہم نے مزید کہا: (وأفضلنا فضلا وأعظمنا طولا) یعنی: آپ ﷺ باعتبارِ فضل ہم سب سے افضل ہیں، اور باعتبارِ احسان ہم سب سے بڑے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (قولوا بقولكم أو بعض قولكم، ولا يستجرينكم الشيطان) یعنی: تم میرے بارے میں اسی طرح کہا کرو جس طرح آپس میں باتیں کرتے ہو اور یاد رکھو شیطان تمہیں اپنی سواری نہ بنانے پائے۔[2]

[1] بخاری ومسند احمد

[2] ابوداؤد، الرقم: ۴۸۰۶

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن نسائی میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (یا أیها الناس قولوا بقولکم ولا یستهوینکم الشیطان، أنا محمد عبدالله ورسوله ما أحب أن ترفعونی فوق منزلتی التی أنزلنی الله عز وجل)[1]

یعنی: اے لوگو! میرے متعلق وہی بات کرو جو آپس میں کرتے ہو اور شیطان تمہیں اپنی خواہشات کا آلۂ کار نہ بنالے، میں محمد ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول، میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس مرتبہ سے اونچا کرو جس مرتبہ پر اللہ تعالیٰ نے مجھے فائز فرمایا ہے۔

یہاں سب سے بڑا شاہد یہ ہے کہ بنوعامر کے وفد نے رسول اللہ ﷺ کو سید کہا تھا، حالانکہ انسانوں پر سید کا اطلاق درست اور جائز ہے، مگر حقیقی اور کامل (السید) اللہ تعالیٰ ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (الصمد) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (السید الکامل فی سؤدده) یعنی: ایسا سید جو اپنی سیادت میں کامل ہے۔

اب حالانکہ بنوعامر نے رسول اللہ ﷺ کو سید کہا جو کہ حق ہے، مگر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے (السید) ہونے کا ذکر فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں حسن ادب کا مظاہرہ فرمایا، اور ساتھ ساتھ انہیں متنبہ کیا کہ شیطان تمہیں اپنی سواری نہ بنانے پائے، اس کا معنی یہ ہے کہ میری مدح میں تم حدود سے متجاوز نہ ہوجاؤ اور یوں اپنی توحید کو مخدوش کربیٹھو۔

(۸) سنن ابی داؤد میں ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (لاتجعلوا بیوتکم قبورا ولاتجعلوا قبری عیدا وصلوا علی فإن صلاتکم تبلغنی حیث کنتم)[2]

---

۱ السنن الکبری، الرقم:۱۰۰۰۶

۲ ابوداؤد، الرقم:۲۰۴۴

یعنی: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اور میری قبر کی بار بار زیارت نہ کرو اور جہاں ہو مجھ پر درود پڑھو؛ کیونکہ تم جہاں سے بھی درود پڑھو وہ مجھ تک پہنچ جائے گا۔ (دوسری روایت کے مطابق فرشتے مجھ تک پہنچادیں گے)

اس حدیث پر بھی غور کیجئے، ہر جملہ کس طرح طرقِ شرک کا سدِ باب کررہا ہے، خاص طور پہ رسول اللہ ﷺ کا اپنی قبر مبارک کی بار بار زیارت سے منع فرمانا (حالانکہ آپ ﷺ کی قبر اشرف القبور ہے اور اس کی زیارت افضل اعمال میں شامل ہے) مگر یہ خدشہ قائم رہے گا کہ شیطان غلو کا وار کرکے شرک کا دروازہ کھولنے میں کامیاب نہ ہوجائے۔ واللہ المستعان۔

اسی لئے رسول کریم ﷺ نے اپنی وفات سے چند لمحات قبل دعا فرمائی تھی:

(اللهم لاتجعل قبری وثنا یعبد)[1]

یعنی: اے اللہ! میری قبر کو پوجا گاہ بننے نہ دینا، پھر یہ بددعا فرمائی تھی:

(لعن الله الیهود والنصاری اتخذوا قبور أنبیاءهم مساجد)[2]

یعنی: اللہ تعالیٰ یہود ونصاری پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔

سبحان اللہ! یہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ و مسعودہ کے آخری لمحات ہیں، جن میں توحید کی باتیں ہورہی ہیں، جبکہ آپ ﷺ کے مشن کا آغاز بھی عنوانِ توحید سے ہوا، جب آپ ﷺ کوہِ صفا پر کھڑے تھے اور قریش کو مخاطب کرکے فرمارہے تھے: (أیها الناس

---

۱ مؤطا امام مالک

۲ سائی نسائی، الرقم:۲۰۴۶، بخاری، الرقم:۴۲۶

قولو الاالٰہ الااللہ تفلحوا)[1]

یعنی: اے لوگو! لاالٰہ الا اللہ کہو، فلاح پا جاؤ گے۔

یہ تمام شواہد اس بات پر شاہدِ عدل اور مظہرِ اتم ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام کی تمام حیاتِ مبارکہ بیانِ توحید اور غیرتِ توحید کی علمبردار تھی، ایسا کیوں نہ ہو خود قرآن نے رسول اللہ ﷺ کا عقیدہ ومنہج ذکر فرمایا ہے:

[قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾][2]

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔

سامعین حضرات! ہم نے شریعتِ مطہرہ کے اصلِ اول یعنی توحیدِ عبادت کے تعلق سے، رسول کریم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے چند واقعات پیش کئے ہیں، جن میں ہمارے لئے یہ واضح پیغام موجود ہے کہ ہم اس اسوۂ کی پوری پیروی کریں اور اپنے ظاہر وباطن کو توحیدِ عبادت کے منہج سے منور کرلیں، اس کے بغیر تمام عبادات رائیگاں جائیں گی، اور اللہ تعالی جو غفور رحیم ہے کبھی معاف نہ فرمائے گا۔

[اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾][3]

[1] روح المعانی

[2] الانعام:۱۶۲، ۱۶۳

[3] النساء:۱۱۶

ترجمہ: اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس اسوۂ مبارکہ جو دینِ اسلام کی اساس ہے اور امورِ ایمان میں سب سے مقدم ہے کی دل وجان سے اتباع کی جائے، بصورتِ دیگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وعید شدید کا انتظار کرو: [وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٥﴾][1]

ترجمہ: منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں۔

حضرات! گذشتہ سطور میں ہم یہ بتا چکے کہ دین اسلام کے دو اہم بنیادی اصول ہیں: ایک توحیدِ عبادت، دوسرا توحیدِ طریقِ عبادت۔

ہم توحیدِ عبادت کی اہمیت وفرضیت اور قطعیت وحتمیت کے بارے میں کچھ گذارشات پیشِ خدمت کر چکے ہیں، جن سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ توحیدِ عبادت کے بغیر کسی انسان کی نجات کی کوئی صورت نہیں ہے، نہ ہی کبھی بخشش کا امکان ہے، بلکہ انجام دیئے گئے تمام اعمالِ صالحہ برباد ہو جاتے ہیں۔

توحیدِ طریقِ عبادت- رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے چند مظاہر ومشاہد

توحیدِ عبادت کی طرح توحیدِ طریقِ عبادت بھی دین اسلام کی اہم ترین بنیاد اور رکنِ

[1] المائدۃ:۵

رکین ہے،جس کا معنی یہ ہے کہ تمام تر عبادات کا راستہ اور طریقہ ایک ہی شخصیت سے لیا جائے گا،اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں،اس کے علاوہ ہر راستہ نہ صرف یہ کہ مردود ہے بلکہ ایسے اعمال کی بربادی کا بھی باعث ہے جو انسان صحیح طریقہ سے انجام دینے میں کامیاب ہوجائے۔

ہم اس اصل الاصول کو بھی رسول کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور سیرت مبارکہ سے واضح کرتے ہیں، چنانچہ چند مشاہد پیشِ خدمت ہیں:

(۱) ایک دن رسول اکرم ﷺ نے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کا ایک ورق دیکھا، آپ ﷺ غضبناک ہوگئے اور فرمایا:

(أهذا و أنا بين أظهركم . لقد جئتكم بها بيضاء نقية ...والله لو كان موسىٰ حيا لما وسعه إلا أن يتبعني)[1]

یعنی: میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور یہ کچھ ہو رہا ہے؟ میں تمہارے پاس روشن اور صاف دین لیکر آیا ہوں ۔۔۔اللہ کی قسم! اگر (صاحبِ تورات) موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری اتباع کے سوا ان کیلئے کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔

یہ حدیث مسند احمد اور سنن دارمی میں مذکور ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کے ایک راوی مجالد بن سعید کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ امام لالکائی رحمہ اللہ نے اس کے بہت سے طرق ذکر فرمائے ہیں جن سے حدیث کا حسن ہونا ثابت ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ یہ حدیث توحید طریق عبادات کے منہج کو متعین کرتی ہے، چنانچہ کسی شخص کیلئے قطعاً روا نہیں ہے کہ وہ کتاب وسنت کے علاوہ کہیں سے ہدایت حاصل کرنے کی

[1] مسند احمد، الرقم: ١٤٦٨٥

کوشش کرے، خواہ وہ انبیاء سابقین میں سے کوئی نبی کیوں نہ ہو، آپ غور کیجئے کہ موسیٰ علیہ السلام جن کا شمار پانچ اولوالعزم انبیاء میں ہوتا ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرفِ ہمکلامی سے مشرف فرمایا، ان کی اطاعت بھی جائز نہیں، حالانکہ تورات منزل من اللہ کتاب ہے، پھر موسیٰ علیہ السلام بھی آج اگر موجود ہوں تو ان کی نجات کا راستہ عمل بالتورات نہیں بلکہ اتباعِ رسول اکرم ﷺ ہے۔

(۲) انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حج کے موقعہ پر ایک شخص کو دو افراد کے درمیان ان کا سہارا لیکر چلتے ہوئے دیکھا، فرمایا: کیا معاملہ ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: (یارسول الله نذر أن یحج ماشیا) یعنی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس شخص نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(إن الله عن تعذيب هذا نفسه لغني، مروه فليركب)[1]

یعنی: اللہ تعالیٰ اس کے اپنے آپ کو اذیت دینے سے بے پرواہ ہے، اسے حکم دو کہ فوراً سوار ہوجائے۔

یہاں شاہد یہ ہے کہ اس شخص نے تقرب الی اللہ کی نیت سے پیدل چلنے کی نذر مانی تھی، تاکہ اس کا وہ حج جو رسول اللہ ﷺ کی امامت وقیادت میں ہو رہا ہے، باعتبارِ اجر و ثواب اضعافاً مضاعفۃ ہوجائے، لیکن چونکہ سواری ہوتے ہوئے پیدل حج کی مشقت برداشت کرنا شریعتِ محمدیہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے لہذا آپ ﷺ نے ببانگِ دہل اس امر سے منع فرمادیا، بلکہ یہ واضح فرمادیا کہ اگر یہ بنیتِ ثواب پیدل چلتا رہا تو ثواب ملنا تو درکنار اللہ تعالیٰ کا غیظ وغضب مول لے لیگا۔

[1] بخاری ومسلم

(۳) اسی سفرِ حج میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ سامنے آتا ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دورانِ سفر دھوپ میں بیٹھا دیکھا، آپ ﷺ نے اس کے بارہ میں استفسار فرمایا، صحابہ نے عرض کیا:

(یارسول اللہ ﷺ نذر أن یصوم ولا یتکلم ویجلس فی الشمس)

یعنی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس شخص نے دورانِ حج چپ رہنے کی نذر مانی ہے، اور یہ کہ جب تک یہ سفر قائم ہے کسی سے کلام نہیں کرے گا، اور یہ نذر بھی مانی ہے کہ یہ سارا سفر دھوپ میں اختیار کیے رہے گا۔[1]

واضح ہو کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے اور بے شمار اجر وثواب پانے کیلئے دو نذریں مانی تھیں:

ایک پورے سفر کے دوران خاموش رہنے کی، خاموشی کا روزہ سابقہ امتوں میں جائز تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام سے فرمایا تھا:

[فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝۲۶][2]

ترجمہ: اب چین سے کھا پی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ، اگر تیری کسی انسان پر نظر پڑ جائے تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ رحمٰن کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کی تین دن کیلئے زبان بند فرمادی:

[1] صحیح بخاری، سنن ابی داؤد

[2] مریم: ۲۶

[قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝۱۰ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِـيًّا ۝۱۱][1]

ترجمہ: کہنے لگے میرے پروردگار! میرے لئے کوئی علامت مقرر فرمادے، ارشاد ہوا کہ تیرے لئے علامت یہ ہے کہ باوجود بھلا چنگا ہونے کے تو تین راتوں تک کسی شخص سے بول نہ سکے گا۔ اب زکریا (علیہ السلام) اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں اشارہ کرتے ہیں کہ تم صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔

واضح ہو کہ ہمارے دین میں خاموشی کا روزہ بدعت ہے، لہذا کوئی بھی شخص خواہ وہ صحابی کیوں نہ ہو اگر اس خاموشی کو تقرب الی اللہ کی بنیاد قرار دے گا تو یہ عمل مردود شمار ہوگا، ثابت ہوا کہ تقرب الی اللہ کا راستہ صرف وہی معتبر ہے جو رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہو۔

دوسرا اس شخص نے دورانِ سفر دھوپ میں بیٹھے رہنے کی نذر مانی تھی، اس کی سوچ یہ تھی کہ حج جیسا مبارک سفر ہے، رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت ومرافقت میسر ہے، لہذا مزید اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالوں تاکہ اجر وثواب بڑھ جائے، لیکن سائے کی موجودگی میں دھوپ میں بیٹھنا اور وہ بھی عرب کے تپتے صحراؤں میں ایک ایسا تکلف ہے جس کی شریعت قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کرتی، لہذا رسول اللہ ﷺ نے بنابریں کہ یہ عمل وحی الٰہی سے ثابت نہیں، اسے باطل ومردود قرار دیا، اور اس بات پر مہر ثبت فرمادی کہ اثباتِ عبادت کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے، جس کی آپ ﷺ نے پوری زندگی ترجمانی فرمائی:

[وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴][2]

[1] مریم: ۱۰،۱۱

[2] النجم: ۳،۴

ترجمہ: اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

(۴) اسی سفرِ حج میں روانہ ہوتے ہوئے ایک انتہائی نیک اور صالح گھرانے کی خاتون، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے ایک نذر مان لی کہ وہ یہ تمام سفر ننگے پاؤں، ننگے سر اور پیدل طے کریں گی، تاکہ یہ تمام تر اذیت، اضافۂ حسنات کا باعث بن جائے، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے کہا: پہلے رسول اللہ ﷺ سے معلوم کرنا چاہئے کہ یہ نذر درست بھی ہے یا نہیں؟

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: (إن أختي نذرت أن تحج البيت ماشية حافية حاسرة) یعنی: یارسول اللہ ﷺ! میری بہن نے نذر مانی ہے کہ وہ حجِ بیت اللہ کا پورا سفر پیدل، ننگے پاؤں اور ننگے سر کرے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (إن الله عن تعذيب أختك نفسها لغني) یعنی: اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور بے نیاز ہے اس تکلیف سے جو تمہاری بہن اپنے آپ کو دینا چاہتی ہے۔[1]

گویا رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمادیا کہ ایک عمل خواہ کسی انسان کو کتنا ہی خوشنما لگتا ہو اور کتنا ہی اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کا ذریعہ لگتا ہو، لیکن اس وقت تک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے جب تک امام الانبیاء محمد ﷺ کی سنت یا فرمان سے ثابت نہ ہو، لہذا طریقِ عبادت یا طریق الی اللہ کا یہ منہج نوٹ کرلو، اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تو درست ہوسکتا

[1] طبرانی کبیر

ہے نہ عنداللہ قابلِ قبول۔

اللہ تعالیٰ نے واشگاف اعلان فرمایا ہے:

[مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝۸۰] [1]

ترجمہ: اس رسول (ﷺ) کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جو منھ پھیر لے تو ہم نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

[قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ] [2]

آپ کہہ دیجئے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔

دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ اسلوبِ حصر اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

[قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ] [3]

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کو ہدایت قرار دیا ہے، فرمایا:

[وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۵۴] [4]

ترجمہ: ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو۔ سنو رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

جب یہ حقیقت واضح ہوچکی کہ حق وحی الٰہی یا بالفاظ دیگر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت

[1] النساء:۸۰
[2] آل عمران:۸۳
[3] البقرہ:۱۲۰
[4] النور:۵۴

میں محصور و مقصور ہے تو پھر قرآن کا یہ واشگاف اعلان بھی سن لیجئے:

[فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ] [1]

ترجمہ: پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے، پھر کہاں پھرے جاتے ہو؟

یہ اللہ تعالیٰ کے دوٹوک فرامین ہیں، جن میں کسی ترمیم یا کمی بیشی کی نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی کوئی ایسی جسارت کرسکتا ہے۔

(إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝) [2]

ترجمہ: بیشک یہ (قرآن) البتہ دوٹوک فیصلہ کرنے والا کلام ہے، یہ ہنسی کی (اور بے فائدہ) بات نہیں۔

(۵) صحیح بخاری و مسلم میں مروی، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا قصہ بھی بہت قابلِ غور ہے، یہ واقعہ بہت کچھ سوچنے، سمجھنے اور اپنانے کی دعوت دیتا ہے، ان کے والد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر ان کی شکایت کی، چنانچہ عرض کرتے ہیں: میں نے اشراف العرب میں اپنے بیٹے کی شادی کی ہے، میں روزانہ اپنی بہو سے اس کے شوہر کے بارہ میں پوچھتا، اس کا یہی جواب ہوتا: (صالحا غیر أنه لم یطأ لنا فراشا) یعنی: میرا شوہر بہت نیک ہے، البتہ اب تک میرے ساتھ بستر پر نہیں سویا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ اس بات کو پندرہ دن گزر چکے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ کو طلب فرمالیا اور ارشاد فرمایا: (بلغنی أنك تصوم

[1] یونس:۳۲

[2] الطارق:۱۳،۱۴

النہار وتقوم اللیل؟) یعنی: مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ تم روزانہ روزہ رکھتے ہو اور پوری پوری رات کا قیام کرتے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں یارسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے عبداللہ کو اس عمل سے روک دیا اور فرمایا: (صم من کل شهر ثلاثة أيام) یعنی: پورا مہینہ روزے رکھنے کی بجائے ہر مہینے تین روزے رکھا کرو۔ (ایام بیض کے روزے مراد ہیں)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے اس سے زیادہ روزوں کی طاقت ہے، تو آپ ﷺ نے پانچ روزوں کی اجازت دے دی، ان کے مزید طلب کرنے پر سات اور پھر نو کی اجازت دی، مزید مطالبے پر ارشاد فرمایا: (صم صیام أخي داود کان یصوم یوما ویفطر یوما ولا یفر إذا لاقی) یعنی: تم میرے بھائی داود علیہ السلام والے روزے رکھا کرو، وہ ایک دن روزہ رکھتے اور اگلے دن ناغہ کیا کرتے تھے، اور جب ان کی دشمن سے ملاقات ہوتی تو میدان چھوڑ کر بالکل نہ بھاگتے۔ [1]

یہ حدیث بہت سے عظیم الشان قواعد پر مشتمل ہے:

پہلا قاعدہ یہ ہے کہ ذاتی پسند یا خواہش خواہ بظاہر کتنی ہی عمدہ اور عالیشان محسوس ہو، مگر وہ باطل ہے جب تک امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ تصدیق نہ فرمادیں، چنانچہ عبداللہ بن عمرو کا عمل یہ تھا کہ وہ مسلسل روزے رکھتے اور مسلسل پوری رات کا قیام کرتے، یہ دونوں عمل بظاہر بہت ہی عظیم الشان ہیں مگر رسول کریم ﷺ نے رد فرمادیئے اور ان کی اصلاح فرمادی، گویا نیکی بھی اس وقت تک نیکی شمار نہیں ہوتی جب تک رسول کریم ﷺ سے ثابت نہ ہو۔

[1] بخاری، الرقم:۲۱۰۹

دوسرا قاعدہ یہ سامنے آتا ہے کہ دین اسلام کس قدر منہجِ اعتدال پر قائم ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عبادات اور حاجات کے درمیان ایک اعتدال قائم فرمایا، اور یہ درس دیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے اہل، اپنے نفس اور اپنی آنکھ کے حقوق فراموش نہ کردیئے جائیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

(إن لربك عليك حقا، ولزوجك عليك حقا، فأعط كل ذي حق حقه)[1]

یعنی: بے شک تمہارے رب کا تم پر حق ہے، اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، پس ہر حق والے کو اس کا حق دے دو۔

تیسرا عظیم الشان قاعدہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ بندے کی ایسی کثیر عبادت نا قابل قبول ہے جو اسے کمزور کرکے جہاد سے فرار پر مجبور کردے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے داؤد علیہ السلام کے روزوں کا ذکر کیا اور فرمایا: (ولا يفر إذا لاقى) یعنی: جب وہ دشمن سے ملتے تو میدان سے قطعاً نہ بھاگتے، گویا اتنی مقدار کے روزے انہیں کمزور کرکے جہاد سے دوری پر مجبور نہ کرتے۔

جہاد دینِ اسلام کی چوٹی ہے، لہذا اتنی مقدار کی عبادات (روزے اور قیام وغیرہ) جو بندے کے اعضاء وقویٰ کو مار دے یا کمزور کردے کہ وہ جہاد کے قابل ہی نہ رہے، ناجائز ہے۔

(٦) صحیح مسلم میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے روزوں کی بابت سوال کیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے روزوں کا

[1] صحیح بخاری

معلوم کرکے اسی طرح روزے رکھنے کی کوشش کرے، رسول اللہ ﷺ اس کا سوال سن کر شدید غصے میں آگئے، قریب ہی امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، جو رسول اللہ ﷺ کا غصہ بھانپ گئے، انہوں نے (رضينا بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد رسولا) کہنا شروع کردیا، یعنی: ہم راضی ہیں اللہ تعالیٰ کو رب مان کر، اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمد ﷺ کو اپنا رسول مان کر۔

حتی کہ رسول اللہ ﷺ کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

یہ حدیث ایک بہت بڑے قاعدے پر مشتمل ہے اور وہ یہ ہے کہ امت کا کوئی فرد ایسا عمل بھی اپنانے کی کوشش نہ کرے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، یہی آپ ﷺ کے غضبناک ہونے کا سبب تھا؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ روزوں میں وصال فرمایا کرتے تھے اور بعض اوقات افطار سے افطار تک یا سحری سے سحری تک روزہ رکھا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے: میں اس معاملہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، مجھے میرا رب رات کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔[1]

(٧) توحیدِ طریقِ عبادت کے منہج کے اثبات کیلئے سب سے اہم دلیل ان تین افراد کا واقعہ ہے، جن کے قلوب خشیت الٰہی سے معمور تھے اور یہ سوچ کر رسول اللہ ﷺ کے گھروں کے طرف آتے ہیں کہ آج رسول اللہ ﷺ کی رات کی عبادت معلوم کی جائے؛ کیونکہ دن بھر کے سارے اعمال وہ خود دیکھا کرتے تھے اور اپنایا کرتے تھے، مگر رات کو چونکہ امام الانبیاء ﷺ گھر تشریف فرما ہوتے تو وہ عمل مخفی تھا، لہذا معلوم کرنے کیلئے

[1] صحیح مسلم

آپ ﷺ کے گھر پہنچ گئے ،اورام المؤمنین سے آپ ﷺ کی رات کی عبادت کی بابت استفسار کیا،حدیث کے الفاظ ہیں:(فلما أخبروا كأنهم تقالوها) یعنی: جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے قیام اللیل کی خبر دی گئی تو انہوں نے اسے تھوڑا سمجھا، بلکہ ایک شخص نے یہاں تک کہہ دیا:(وأين نحن من رسول الله ﷺ ،إن الله قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر) یعنی: بھلا ہمارا رسول اللہ ﷺ سے کیا مقابلہ؟ آپ کیلئے تو قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی بشارتیں موجود ہیں۔(لہذا ہمیں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے۔) چنانچہ ایک شخص نے کہا:(أما أنا فأقوم ولا أنام) یعنی: میں آج کے بعد رات بھر کا قیام کرونگا اور بالکل نہ سوؤنگا۔دوسرے نے کہا:(أما أنا فأصوم ولا أفطر) یعنی: میں آج کے بعد ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہیں کرونگا۔تیسرے نے کہا:(أما أنا فلا أتزوج النساء) یعنی: میں کبھی شادی نہ کرونگا۔

جب رسول اللہ ﷺ گھر لوٹے اور آپ ﷺ کو ان تینوں افراد کی باتیں بتائی گئیں تو آپ ﷺ کا چہرۂ انور غصہ سے اس قدر سرخ ہوگیا کہ جیسے انار نچوڑ دیا گیا ہو، پھر آپ ﷺ نے انہیں طلب فرمالیا اور ان کی اصلاح فرمائی، بلکہ بعض احادیث میں یوں وارد ہے کہ آپ ﷺ منبر پر جلوہ گر ہوئے اور لوگوں کے بڑے اجتماع میں فرمایا:

(ما بال أقوام يقولون كذا أما إني أعلمكم بالله وأتقاكم لله .أما إني لأصوم وأفطر ،وأقوم وأنام ،وأتزوج النساء ،فمن رغب عن سنتي فليس مني)

یعنی: لوگوں کو کیا ہوگیا کہ عبادت کے تعلق سے اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، خبردار! اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا سب سے بڑا عالم میں ہوں اور اس کائنات کا سب سے بڑا متقی بھی میں ہوں، خبردار! میرا طریقہ یہ ہے کہ میں روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغے بھی

کرتا ہوں،اور میں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور میں نے بہت سی شادیاں بھی کی ہوئی ہیں، پس جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کریگا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

حضرات! اس حدیث پر اور اس سے حاصل ہونے پر قواعد پر ایک تفصیلی بحث ہوسکتی ہے لیکن وقت اس کا متحمل نہیں ہے، البتہ ایک دوٹوک بات حاصل ہورہی ہے کہ جو بھی انسان منہج عبادت میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے تجاوز اختیار کرے گا وہ منہج اسلام سے خارج ہوکر کسی دوسرے منہج کی طرف منتقل ہوجائے گا، خواہ اس کی نیت کتنی ہی نیک ہو اور کتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کیلئے کوشاں ہو، اللہ تعالیٰ تو یہ دیکھتا ہے کہ بندہ نے اپنے عمل میں میرے حبیب محمد ﷺ کی پیروی کی یا نہیں۔

اس کے خوش ہونے اور راضی ہونے کی بنیاد یہی ہے:

[قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱]

ترجمہ: کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

ہم نے سیرتِ طیبہ سے کچھ شواہد پیش کئے ہیں، ورنہ رسول اللہ ﷺ تو ہر خطبہ میں یہ قواعد بیان فرمایا کرتے تھے:

أما بعد: فإن أصدق الحديث كتاب الله ، وأحسن الهدى هدى محمد ﷺ ، وشر الأمور محدثاتها ، وكل محدثة بدعة ، وكل بدعة ضلالة ، وكل ضلالة في

آل عمران

النار.[1]

ترجمہ: سب سے سچی بات قرآن ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور سب سے برے کام وہ ہیں جو اپنی طرف سے گھڑ لئے گئے ہوں اور ایسے تمام کام بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

کبھی فرماتے: (من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد)[2]

ترجمہ: جس کسی نے ہمارے دین میں کوئی نیا کام جاری کیا تو وہ کام مردود ہے۔

کبھی فرماتے: (من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد)[3]

ترجمہ: جس کسی نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے۔

حضرات ہمارا مقصدِ تخلیق اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اور عبادت کیلئے ان قواعد کی حیثیت ایک میزان کی ہے، ورنہ سب کچھ بے کار اور عبث ہے۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق.

OOOOOOOOOOOOO

[1] ابن خزیمہ، الرقم:۱۷۸۵

[2] بخاری، الرقم:۲۶۹۷

[3] مسلم، الرقم:۱۷۱۸